

حدیث سے دفاع

ترجمہ

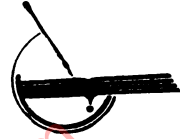
آضواءِ عالی

السُّنَنُ الْمُحَمَّيَّةُ

تألیف
محمّد ابوبوریہ

مترجم

نثار احمد زین پوری



انصاریان پبلیکیشنز

پوسٹ بکس نمبر ۱۸-۲۷۱۸۵

قسم: جمہوری اسلامی ایران

تیلی فون نمبر ۷۲۱۷۲۲

اسم کتاب	سنت محمدیہ
مؤلف	محمود البوریہ
مترجم	شمار احمد زین پوری
کاتب	جعفر خان
ناشر	انصاریان پبلیکیشنز قسم
طبع	اول ۱۹۸۸ء
مطبع	صدر
تعداد	۲۰۰۰

ISBN 964-438-024-X

شابک X-۰۲۴-۴۳۸-۹۶۴



حرف مترجم

زیر نظر کتاب "مصر کے مشہور صاحب قلم و محقق جناب محمود ابوریہ کی کتاب "افضال علی السنۃ الحمیدیہ کا ترجمہ ہے، مؤلف نے احادیث و روایات کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور حدیث و سنت کے بارے میں امت مسلمہ کے درمیان جو نظریات پائے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل بحث کی ہے اور ہر بات کو عقل و نص کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے، ظاہر ہے دور حاضر میں حدیث محدثین کوئی معمولی موضوع نہیں ہے کہ جس پر ظلم پر داشت لکھ دیا جائے اور اپنے خیالات و نظریات کو اظہار کر دیا جائے بلکہ اس موضوع کو چودہ سو سال سے اہمیت دی جا رہی ہے کبھی برسراؤٹا آنے والے صحابہ نے حدیث بیان کرنے پر پابندی لگائی تاکہ مسلمانوں کو یہی معلوم نہ ہو سکے کہ رسول نے اپنے بعد خلافت کی یاگ ڈور کس کے ہاتھوں میں دی تھی پھر تاریخ نے کھوٹ بدلی اور غاصب خلافت سے بھی تاریخ دور کا آغاز ہوا، اب کاٹ کھانے والی بادشاہت آگئی اور رسول کے جانشین وہ لوگ بن گئے جو تلوار کے ڈرے مسلمان ہو گئے تھے جہاں کا ماضی اسلام کے خلاف جنگ بھڑکانے اور اس کو نیست نابود کرنے میں گزارا تھا، ظاہر ہے ایسے دشمن کے بارے میں رسول نے کوئی حدیث ایسی بیان نہیں کی ہوگی جو دنیا میں اسکے اسلام و ایمان اور حکومت کی سند اور آخرت میں جنت کا پروانہ بن جائے چنانچہ اسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کیلئے خود اپنی ذات، اپنی سلطنت اور دار السلطنت کیلئے رسول کی حدیث کی ضرورت محسوس ہوئی لہذا اس نے ایسے دنیا پرست اور دولت کے غلام، کمزور عقیدہ محارب و قاتلین تلاش کئے جنہوں نے تھوڑا بہت وقت رسول کی صحبت میں گزارا تھا،

یا آنحضرتؐ کے انتقال کے چند سال پیدا ہوئے تھے، یہ لوگ مال دنیا کے بھوکے اور ایمان کی حقیقت سے بے خبر تھے، حکومت وقت نے ان کی کمزوری کو سمجھ لیا اور ان کیلئے مال و دولت کے دہانے کھول دیئے انہوں نے بھی حدیث کوڑھنے کی ننگسال سے نئی نئی اور حسب ضرورت حدیثیں نکالنا شروع کر دیں حدیث کوڑھنے والوں اور گڑھوانے والوں کو عقل و شعور سے سروکار نہیں تھا بلکہ اپنی تعزین اور حزب مخالف کی بہک منظور تھی نتیجہ میں جعلی احادیث میں تصادف پیدا ہو گیا بعض تو قرآن و سنت متواترہ تک کے خلاف ثابت ہوئیں، بعد کے بعض علماء نے چند حدیثوں کو صحیح مان کر باقی کو ٹھکرا دیا اور اپنے قیاس سے اسلامی احکام استنباط کرنے لگے ظاہر ہے کہ یہ بھی کوئی مستحسن اقدام نہیں تھا۔

پھر بعض علماء احادیث کو مختلف اقسام میں بانٹ دیا تاکہ بہتر سے بہتر پر عمل کیا جاسکے لیکن اس میں فرقوں کے استاد اور شیوخ آڑے آگئے لہذا ہر فرقہ اپنے شیخ کی بات صحیح دوسرے کی بات غلط قرار دینے لگا اور ملت واحدہ بجائے متحد ہونے کے گروہوں میں تقسیم ہو گئی اور اپنے اپنے فرقہ کی احادیث کو اپنے لئے حجت سمجھنے لگی اور آج تک ان کی یہی روش ہے حالانکہ خدا نے ہر ایک کو عقل دی ہے۔ جو اس پر خدا کی حجت ہے۔ اس سے کام لینے کی تاکید کی ہے تاکہ وہ حق اور خدا سے قریب ہو سکے امید ہے اس کتاب کو مذہبی تھکب سے بہت کر دیکھا جائے گا اور حق کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی، یہ کتاب عربی میں تھی جس کا ہم نے اردو داں طبقہ کی افادیت کی خاطر اور محترم انھاریان کی فرمائش کی تعمیل میں ترجمہ کیا ہے، چونکہ مؤلف مصری ہے جسکی زبان ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ ہم لوگوں کیلئے ناموس بھی ہے اسلئے ہر کتاب سے زیادہ اس کے ترجمہ میں وقت صرف ہوا، بار بار نعت دیکھنا پڑا اور اپنے عرب احباب سے بھی مدد حاصل کی اس کے باوجود ترجمہ میں کوئی نقص و کمی نظر آئے تو اسے دامن غفوس جگر مٹاتے فرمائیں ہمیں اپنی کم علمی اور نادانی کا اعتراف ہے، راہنمائی کرنے والوں کے ہم ممنون ہونگے،

دعا ہے کہ خداوند عالم معصومین کے تصدق میں اس کوشش کو قبول فرمائے اور ناشر و مترجم کو ہمیشہ توفیقات سے نوازتا رہے، آمین

نثار احمد زین پوری،

عرض ناشر

قارئین محترم! یہ کتاب، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے اس سے مستغنی ہے یہ کتاب حضرت محمدؐ کی شخصیت سے ان پردوں کو ہانکے کے سلسلہ میں ایک ٹھوس قدم جو کہ دانستہ یا نادانستہ طریقہ سے پڑ گئے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ کتاب جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کے خرمین کے لئے برق سوزاں ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہے کیونکہ اس سے تاریخ بشریت کے عظیم انسان کا چہرہ صبح طور پر نمایاں ہوتا ہے،

زیر نظر کتاب رسولؐ سے دفاع کے سلسلہ میں ایک جرات مندانہ اقدام ہے، مؤلف نے کسی ایسے صحابی کی شان نہیں گھٹائی ہے جس نے احد و حنین میں اپنے نبیؐ سے دفاع کرتے ہوئے زخم کھائے تھے،

یقیناً رسولؐ پر ظلم روا رکھتے ہوئے اور خدا سے نہ ڈرتے ہوئے آپؐ کی طرف ایسی حدیثیں منسوب کی جاتی رہی ہیں جو آپؐ کا کلام نہیں ہیں، اگر ان پوچھ اور گڑھی ہوئی احادیث کی بہتات نہ ہوتی تو مسلمان رشدی جیسے

پست اخلاق رسولؐ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش نہ کرتے،
بے شک مستقبل زیادہ تابناک ہے، عنقریب دوسرے حقائق آشکار ہوں گے
متنوع تحقیقات ہوں گی، اس وقت باذن خدا سیاہ گھٹائیں چھٹ جائیں گی اور آفتاب
حق چمک اٹھے گا،
دعا ہے کہ خدا دونوں کو مزید کار خیر کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مؤسسہ انصاریان قم

jabir.abbas@yahoo.com

اهداء

میرے پیارے بیٹے مصطفیٰ!
میری سعادت تو تمہارے وجود کے ساتھ تھی، تمہارے نور سے میری زندگی میں روش۔
تم آنکھوں سے چھپ گئے تو دنیا میرے اوپر اپنے رخِ محن کے ساتھ ٹوٹ پڑی اور میں بے بس ہو گیا اگرچہ میں بھی
انہاء دنیا میں سے ایک تھا،
بیٹے اس کتاب کو میں تمہارے لئے ہدیہ کر رہا ہوں اس کی تالیف کا مقصد حق بانی ہے جس پر خدا
نے تمہیں پیدا کیا: جس سے تمہیں سکون ملتا تھا، خدمتِ علم کے لئے تم نے اپنے نفس کو خاص کر لیا تھا اور اس کی تکمیل
میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا تھا،
خدا کی قسم مجھے تم سے بے پناہ محبت تھی کسی سے ایسا محبت نہ تھی میرے دل میں تم ہی تم ہو،
اگرچہ تم میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور اجل نے تم کو چھین لیا ہے لیکن تم ہمیشہ میرے دل میں موجود رہتے ہو،
اور ذہن و خیال میں تمہاری تصویر گھومتی رہتی ہے، زبان پر تمہارا ہی نام رہتا ہے لہذا تم غائب نہیں ہو، ہاں تمہارا
غم ہمیشہ رہے گا اس میں زمانہ گزرنے سے کمی واقع نہ ہوگی تمہاری موت پر میں صبر نہیں کر سکا ہوں،
میں جس مصیبت میں مبتلا ہوا ہوں اس سے نجات کی امید تو نہیں کی جاسکتی ہاں تمہاری قبر میں
سونے سے آرام مل جائیگا کیونکہ میرے بدن کا نصف حصہ دفن ہو چکا ہے اور نصف باقی ہے، اس صورت
میں موت ہی کی تنہائی جاسکتی ہے۔

محمود البوریہ
قاہرہ جیزہ

مقدمہ ————— ڈاکٹر طاہر حسین

سنت محمدیؐ سے دفاع

بڑی کاوش ہے اس زمانہ میں، ایسی کوشش بہت ہی کم لوگ کرتے ہیں، اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے پوری طاقت و توانائی صرف کی ہے ایسا ہر آزما کام موجودہ زمانہ میں، کہ جس میں عقلی کسالت کا دور، دورہ ہے اور جدوجہد پر راحت کو ترجیح دی جاتی ہے، انگشت شمار افراد ہی انجام دیتے ہیں، جو لوگ باغور اور اطمینان کے ساتھ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے انہیں مؤلف کی اس انتھک کوشش کا اندازہ ہو جائے گا کہ جس نے مؤلف کو ساہل سال تک ان ضخیم کتابوں کی ورق گردانی اور مطالعہ کرنے پر آمادہ کیا کہ جن کو محققین بھی نہیں پڑھتے ہیں اور ان میں غور نہیں کرتے ہیں کیونکہ ان کتابوں میں اسانید کی کثرت، ان کی تکرار، تعدد روایات، ان کا اضطراب اور مختلف جگہوں پر خبر واحد کی تکرار پائی جاتی ہے،

اس کتاب میں کم از کم جو چیز پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مؤلف نے اس میں بہت سی تھک دینے والی باتوں کو بیان کیا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ انسان حدیث کی معروف کتابوں کے مطالعہ اور ان میں مذکور حدیثوں میں موازنہ کے لئے خود کو تیار کرے اور پھر جہاں

سے بحث کرے کہ جن سے یہ اسانید وجود میں آتی ہیں، واضح رہے کہ مؤلف نے امام مالک کی موکلا، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، اور سنن احمد بن حنبل کا مطالعہ کیا ہے اور ساتھ ہی ان کا شروع پر بھی نظر ڈالی ہے، اسی طرح ان چھوٹی بڑی کتابوں کی بھی درج کردہ ان کی ہے جو نصوص حدیث کی تفسیر، اسانید رجال اور سیرت و طبقات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں، چنانچہ مؤلف نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور غور و تدبیر کیا ہے ان کے اسماء اس کتاب کے آخر میں درج کر دیئے ہیں، قاری ان کتابوں کے اسماء ہی دیکھ کر مؤلف کی رحمت اور ان کے تدبیر و تحقیق کا اندازہ لگا سکتا ہے،

یہ چیز ان کی سخت کوشی اور جانفشانی پر دل ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ ایسا صبر آزما کام اس زمانہ میں انگشت شمار لوگ ہی انجام دیتے ہیں، یہ مؤلف کتاب کے لئے پہلی فضیلت ہے جو قلم بند ہوئی، میں نے اسے دوبارہ پڑھا ہے اور اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جا بجا ان کا ذکر کر دیا ہے، جن کے اسماء آخر میں لکھے ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ موصوف نے مبالغہ اور افراط سے کام نہیں لیا ہے بلکہ تمام کتابوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا ہے،

حق یہ ہے کہ کتاب کا موضوع نہایت ہی اہم اور حساس ہے اس زمانہ میں لوگ اسے نہیں جھیڑتے ہیں، بلکہ اس سے شدید طور پر خوف کھاتے ہیں، ڈرتے ہیں کہ لغزش قلم نہ ہو جائے، یا ان لوگوں کے ناراض ہونے سے ڈرتے ہیں کہ جنہوں نے اس طریقہ کو طبعی بنادیا ہے اور پھر یہ طریقہ مقدس یا شمل مقدس بن گیا، اب اسے نقل ہی کے ذریعہ بیان کیا جاسکتا ہے اور بس، لیکن تنقید و تدبیر اور احکام کا صدور وہ چیزیں ہیں جن میں کوئی غور نہیں کرتا ہے، ظاہر ہے اس صورت میں، کہ انہوں نے صبر آزما کام کیا، اور سخت کوشی و انہماک سے کام لیا، مؤلف کی دوسری برتری حق کی تلاش اور اس سے مطمئن ہونے کے بعد اس کے

اعلان کی شجاعت ہے، اس سلسلہ میں وہ نہ کسی کی ملامت سے ڈرتے ہیں اور نہ اعتراض سے وہ اپنی رایوں اور اس چیز سے دفاع کرنے کے لئے تیار ہیں جو کہ ان کے نفس میں حق کے عنوان سے راسخ ہو چکا ہے،

چونکہ رسولؐ سے پہنچنے والی احادیث پر تنقید اور صحیح کو غیر صحیح سے جدا کرنا، تاکہ مسلمان اس چیز سے مطمئن ہو جائیں جو ان کے سامنے رسولؐ سے نقل کی جاتی ہے، حساس و اہم موضوع ہے، مؤلف نے ان چیزوں کو بیان کیا ہے جنہیں رسولؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جبکہ وہ آپؐ کا کلام نہیں ہیں بلکہ مختلف اغراض کی بنا پر آپؐ سے منسوب کر دی گئی ہیں بعض چیزیں یہودیوں کی اس جماعت نے آپؐ سے منسوب کر دی ہیں کہ جس نے بظاہر اسلام و تقویٰ کا لباس پہن لیا تھا، یہ جماعت اپنی طرف سے حدیثیں اختراع کرتی اور ان میں سے بعض کو رسولؐ کی طرف اور بعض کو توریت سے منسوب کر دیتی تھی، جب کہ رسولؐ اور توریت سے ان کا کوئی ربط نہیں ہوتا تھا، بعض چیزیں غلط و قصہ گوئی کے درمیان آپؐ سے منسوب کر دی جاتی تھیں، اس نسبت کا مقصد لوگوں کو فضائل و کار خیر کی طرف بلانا اور برائیوں سے باز رکھنا تھا چنانچہ وعاظ اور قصہ گوئیوں نے اپنی بیان کردہ چیزوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کرنے میں کوئی حرج محسوس نہ کیا کیونکہ لوگ ان چیزوں سے واعظین اور قصہ گوئیوں کی قصہ سرائی سے زیادہ متاثر ہوتے تھے، کچھ چیزیں خلفاء و حکومتی افراد کی چالپلوسی اور ان سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے حدیث میں شامل کر دی گئیں بعض اشیاء فقہ و کلام کے متکارب لوگوں نے دونوں علوم میں اپنی رایوں سے دفاع کی خاطر ایجاد کیں اور کچھ چیزیں قرون اولیٰ میں بعض سیاسی جماعت کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے گڑھی گئیں، اکثر لوگوں نے اس لئے حدیثیں گڑھیں تاکہ عامہ و خاصہ کے ذہنوں میں اپنے عالم ہونے اور رسولؐ کے اقوال و اعمال سے معرفت کا سکہ بٹھائیں،

ان تمام چیزوں نے عقلوں کو فاسد کرنے اور دین نہیں میں لوگوں کی رایوں کو منحرف

کرنے اور نبیؐ کے تصور پر جیسا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ آپؐ کو ہر ناشائستہ بات سے جو کہ آپؐ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، منزہ سمجھیں، اثر انداز نہ ہوں،

زمانہ قدیم کے علماء ان چیزوں کو سمجھتے تھے اور جہاں تک ممکن ہو تا صحیح حدیث حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور اسے جھوٹے لوگوں کے کذب سے پاک کرتے تھے، اس اجتہاد میں ان کا وہیرا صرف یہ تھا کہ وہ حدیث نقل کرنے والے رجال کی زندگی کی تحقیق کرتے تھے یہاں تک کہ حدیث کی تدوین مکمل ہو گئی، وہ رجال میں سے ہر ایک کی تحقیق کرتے اور اس بات کا پتہ لگاتے تھے کہ راوی پاک سیرت اور اللہ و رسولؐ پر صدق دل سے ایمان رکھتا اور اپنی تمام باتوں میں صدا کو شدید طور پر ملحوظ رکھتا تھا، خصوصاً حدیث رسولؐ میں یہ سچی شکور تھا جسے علماء حدیث نے بار آور کیا اور جہاں تک ممکن تھا اس سلسلہ میں خلوص سے کام لیا،

لیکن یہ شدید اور بار آور کوشش کافی نہیں تھی کیونکہ سب سے دشوار اور پیچیدہ کام لوگوں کی حیات کا تتبع اور اس کے دقائق سے پردہ اٹھانا ہے ممکن ہے اس سلسلہ میں چھان بین کی جائے مگر لوگوں کے دقائق اور ان کے اسرار کے دقائق تک رسائی نہ ہو سکے اور ان کے دلوں کی گہرائی میں پوشیدہ اسرار کا سراغ نہ مل سکے اور ان کے نفوس و سیرت کی گونا گوں مخفی کمزوریوں کا پتہ نہ لگ سکے،

اسی جدوجہد کے ساتھ ایک اور سچی کا اضافہ ہونا چاہیے تھا اور وہ خود نص کی تحقیق ہے ممکن ہے ایک شخص بظاہر صادق و امین ہو یعنی اگر وہ قضا کے سامنے گواہی دے تو وہ اس کی گواہی کو قبول کریں گے لیکن دلوں کے بھید کو اور ضمیروں میں چھپی ہوئی چیزوں کا علم صرف خدا ہی کے پاس ہے، ایسے ہی وہ رجال کہ جن سے اس کی حدیث نقل کی جاتی ہے ممکن ہے وہ بھی اس کی مانند صادق و امین ہوں اور قضا کے سامنے گواہی قبول کرتے ہوں لیکن باطنی طور پر وہ صحیح نہ ہوں تو اس صورت میں ایسے عادل لوگوں سے نقل ہونے والی احادیث کی نص میں غور و توجہ کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ حدیث کس حد تک قرآن کے موافق ہے کیونکہ قرآن

میں کسی بھی طرح شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید ہم تک فرد اور جماعتوں کے نقل کرنے سے نہیں پہنچا ہے بلکہ اسے اجتماعی طور پر پوری امت اسلامیہ کی نسلوں نے ایک دوسرے سے اس صورت میں نقل کیا ہے جس میں ہم دیکھتے ہیں،

اور ان نسلوں نے اپنے حافظے سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ تحریری و کتبی صورت میں ایک نے دوسرے تک پہنچایا ہے، یہ خود رسولؐ کے زمانہ میں رشتہ تحریر میں لایا گیا، ابو بکر کے عہد خلافت میں جمع ہوا اور عہد عثمان میں مصاحف میں لکھا گیا اور ممالک میں بھیجا گیا، اس سلسلہ میں مکتوب اور ذہنوں میں دونوں روایتیں جمع ہو گئیں اور دونوں روایتوں میں ہمیشہ مطابقت رہی لہذا قرآن کی نصوص میں سے کسی نص میں شک کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ قرآن ہم تک جس طریق سے پہنچا ہے اس میں شک نہیں کیا جاسکتا ہے،

ایسے ہی رسولؐ کے کچھ اعمال ہیں جنہیں فرد و جماعت نے نقل نہیں کیا ہے بلکہ امت اسلامیہ نے نسلاً بعد نسل نقل کیا ہے جیسے پانچ وقت کا واجب نماز ہے کہ جن کا خدائے حکم ہا لیکن ان کی تفصیل نہیں بیان کی تھی، تو رسولؐ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز قائم کر کے اس کی تفصیل بیان کی اور امت نے اسے ایسے ہی نقل کیا جیسے رسولؐ نے ادا کی تھی،

ایسے ہی خدائے قرآن میں زکوٰۃ، حج اور رمضان کے روزوں کے بعض احکام بیان کئے ہیں، رسولؐ نے روزہ رکھ کر اور اپنے اصحاب کو روزہ رکھنے کا طریقہ تعلیم کر کے ان کی تفصیل بیان فرمائی، لہذا جب رسولؐ سے نقل ہو کر کوئی حدیث ہمارے پاس پہنچے تو ہمیں اس حدیث کی نص میں غور و خوض کرنا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو جائے وہ قرآن کے منافی اور رسولؐ کے متواتر الفاظ کے برخلاف تو نہیں ہے اور اگر وہ خلاف ہو تو اسے رد کر دینا چاہیے اور اس کے رد کرنے سے ہمارے دلوں کو مطمئن رہنا چاہیے کیونکہ قرآن کے مفسر اور اس کے محل احکام کی تفصیل بیان کرنے والے تھے،

عائشہ بھی ایسا ہی کیا کرتی تھیں، انہیں بتایا گیا: بعض صحابہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے شب

الحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

[illegible][illegible][illegible][illegible]

نہیں کروں گا کہ اس سے کلام طویل ہو جائے گا صرف مثال پیش کرتا ہوں،

کعب الاحبار یہودی تھا، عمر کے زمانہ میں مسلمان ہوا، روایت بتاتے ہیں کہ کعب نے عمرؓ سے کہا تھا، عین شبوں میں آپ قتل ہو جائیں گے، عمر نے اس سلسلہ میں سوال کیا اور یہ گمان کیا کہ کعب نے یہ چیز تورات میں دیکھی ہوگی، عمر کو حیرت ہوئی کہ ان کا ذکر تورات میں ہوا ہے لیکن کعب نے انہیں خبردار کیا کہ تورات میں تو آپ کے نام کا ذکر نہیں ہے البتہ صفت پائی جاتی ہے دوسرا دن آیا تو ان سے کہا کہ دو روز اور باقی ہیں ایک روز اور گزر گیا تو کہا کہ دو دن تو گزر گئے ایک روز باقی رہ گیا ہے کل آپ قتل ہو جائیں گے جب اس روز کی صبح ہوئی تو ایک غجی غلام آگے بڑھا اور اس نے عمر کو صفوں کے صحیح کرتے وقت زخمی کر دیا، مؤلف کو اس بات پر اصرار ہے کہ عمر کا قتل اس منصوبہ کے نتیجہ میں ہوا ہے، جو ہرمزان نے بنایا تھا جس میں کعب بھی شریک تھا، مؤلف اس بات پر بھی مصر ہیں کہ یہ منصوبہ ہندی ثابت ہے اس میں جاہلوں کے علاوہ کوئی شک نہیں کئے گا،

مؤلف سے میری گزارش ہے کہ ان جاہلوں میں سے ایک میں ہوں کیونکہ اس سازش میں مجھے بھی شک ہے، اسے میں دہم ہی سمجھتا ہوں، اس غلام کو بغیر کچھ پوچھے گئے قتل کر دیا، عبید اللہ بن عمرؓ نے عجلت سے کام لیا اور ہرمزان کو بغیر سوال کئے قتل کر دیا اور کعب الاحبار سات یا آٹھ سال تک مزید زندہ رہا اور اس کے سمانے کوئی بات نہ پوچھی اور نہ کسی نے یہ تہمت لگائی کہ تم اس سازش میں شریک تھے اور عثمان کے پاس اچھی خاصی آمد و رفت تھی اس کے بعد کعب نے مدینہ چھوڑ دیا اور جس جگہ گیا وہیں قیام پذیر ہوا یہاں تک کہ ۳۳ھ کو انتقال کیا، تو پھر مؤلف کو اس کی گنجائش کہاں سے ملی کہ وہ اس سازش کے واقع ہونے پر اصرار کریں اور اس میں کعب کو شریک قرار دیں،

اور جب نادانستہ طور پر عبید اللہ بن عمرؓ ہرمزان کو قتل کر دیا جبکہ نہ اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا اور نہ اس پر بیہ قائم کیا گیا کیونکہ وہ قریب یا عبید سے اس کے باپ کے قتل میں شریک

تھا، چنانچہ اصحاب بنی تمیم سے مسلمانوں کی جماعت نے اس بات پر مسلسل اصرار کیا کہ عید اللہ بن عمر پر حد جاری کی جائے کیونکہ اس نے ایک مسلمان کو امام کے سامنے پیش کئے بغیر اور قتل عمر کے سلسلہ میں اس پر بیٹہ ثابت کئے بغیر قتل کر دیا ہے، عثمان نے عید اللہ بن عمر کو اس لئے معاف کر دیا کہ لوگ کہیں گے کہ کل عمر قتل ہوئے اور آج ان کے بیٹے قتل کئے جا رہے ہیں،

چنانچہ انقلابیوں نے اس عفو کو بھی عثمان کی ایک غلطی میں شمار کیا ہے، اور جب حضرت علیؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو عید اللہ ابن عمر کو اس کے اس جرم کی سزا سنائی، لیکن وہ حضرت علیؓ کے پاس سے بھاگ کر مدینہ کے پاس چلا گیا، اس کے سایہ میں زندگی گزارنے لگا اور صفین میں مارا گیا جب کہ عثمان نے کعب سے کچھ نہ پوچھا اور نہ کسی نے اس پر کسی چیز کا اتہام لگایا تو یہ چیزیں کماں سے آئی جس پر مؤلف کا اصرار ہے اور اتنا شدید کہ کعب پر لعنت تک کر دی ہے، ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کعب کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ وہ مسلمان تھا اور ایسے ہی یہ بھی معروف ہے کہ مسلمانوں پر لعنت نہیں کرنی چاہیے،

دوسری مثال، مؤلف کا یہ گمان ہے کہ ابو ہریرہؓ محبت و ثوق کے ساتھ رسولؐ کے صحابی نہیں بنے تھے اور نہ ہی اس کے پاس دین و ہدایت تھی وہ آپؐ کے ساتھ پیٹ بھرنے کے لئے رہتا تھا ایک فقیر تھا جس کو رسولؐ کھانا کھلاتے تھے اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے ایک حدیث بیان کی ہے کہ جس کو احمد بن حنبل اور بخاری نے بھی نقل کیا ہے لیکن مسلم نے اس حدیث کو خود ابو ہریرہؓ سے نقل کیا ہے، مسلم کے نزدیک اس کی نص بخاری و حنبل سے زیادہ واضح اور صریح ہے ابو ہریرہؓ کہتے تھے، جیسا کہ مسلم نے روایت کیا ہے کہ وہ ابو ہریرہؓ، پیٹ بھرنے کی خاطر بنی تمیم کی خدمت کرتا تھا ان دونوں جملوں میں کہ وہ بنی تمیم کی خدمت کرتا تھا اور وہ رسولؐ کے ساتھ رہتا تھا، فرق ہے ایسے مواقع حسن ظن رکھنا سمجھنے سے بڑھ کر ہے،

”میرے خیال میں ابو ہریرہؓ میں سے آنے والوں کے ساتھ رسولؐ کے پاس ایمان لانے اور آپؐ سے دین سیکھنے کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے آپؐ کے پاس

آئے تھے، یہ سوئے ظن میں حد سے بڑھ جاتا ہے،

مؤلف ابوہریرہ کے بارے میں بہت ہی زیادہ سخت ہیں، ہم تو ابوہریرہ کے بارے میں اتنا ہی جانتے ہیں کہ ابوہریرہ غنیؓ سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کرتے تھے اور اس سلسلہ میں عمرؓ نے ان پر سختی کی تھی اور بعض اصحاب رسولؐ نے ان کی بعض احادیث کو جھٹلایا کہ اکثر چیزیں انہوں نے کعب الاحبار سے نقل کی ہیں، مؤلف ان تمام چیزوں کو پیرائے میں لکھ سکتے تھے، غیظ کی حالت میں حملہ آور نہ ہوتے وہ کوئی قصہ نہیں لکھ رہے ہیں نہ ہی ادبی چیز سپردِ قلم کر رہے ہیں جو کچھ غیظ و غضب میں تحریر کیا اس سے ان کی شخصیت کا پتہ چلتا ہے، وہ ایک عالم کے بارے میں لکھ رہے ہیں جو دین سے متصل ہوتا ہے اور پھر علماء کی زیادہ فضیلت ہے خصوصاً اس زمانہ میں کہ جب وہ علم سے متعلق کچھ لکھتے ہیں تو اپنے نفسوں کو بھول جاتے ہیں وہ اپنی عقلوں سے بڑھتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں اپنے جذبات و مواظف سے نہیں! یہ کہنا کہ ابوہریرہ غنیؓ کے ساتھ پیٹ پالتے رہتے تھے، تو یہ ان کے حق میں ظلم ہے، ان کے بارے میں ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ اسلام لائے اور رسولؐ کے ہمراہ نماز پڑھی آپؐ سے آپؐ کی بعض احادیث سنی، مؤلف کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ ابوہریرہ رسولؐ کے ساتھ صرف تین سال رہے اور ان مہاجرین سے زیادہ احادیث بیان کیں جو کہ مکہ سے مدینہ تک آپؐ کے ساتھ رہے ایسے ہی ان انصار سے بھی زیادہ حدیثیں بیان کیں جو کہ مدینہ ہجرت کرنے سے آخری عمر تک آپؐ کے ساتھ رہے ان کے بارے میں اتنا لکھنا کافی تھا،

یہاں میں ایک بات یہ سپردِ قلم کرنا چاہتا ہوں کہ مؤلف نے طویل بحث کے درمیان یہ لکھا ہے: کہ

ابوہریرہ کھانے میں بہت حریص تھا اچھی چیزوں کی طرف راغب تھا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتا اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتا تھا، اور کہتا تھا: معاویہ کے پاس رنگ برنگ کے کھانے ہیں دوسرے نقطوں میں یہ کہتے کہ معاویہ کے پاس روغن میں

تر طوے ملتے ہیں _____ مضمرہ _____ طوے کے رنگ کو کہتے ہیں، اور علیؑ کے ساتھ نماز میں نطف ملتا ہے،

میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ ابو ہریرہ نے ان دونوں چیزوں کو کھانا معاویہ کے ساتھ کھاتے اور نماز حضرت علیؑ کے ساتھ پڑھتے کیسے جمع کیا تھا، جب کہ حضرت علیؑ عراق میں تھے اور معاویہ شام میں تھا، ہاں یہ ممکن ہے کہ جنگ صفین کے دوران ایسا کیا ہو، میرا خیال یہ ہے کہ اگر جنگ کے دوران ایسا کرتا تو محفوظ نہ رہتا، کیونکہ فریقین میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ان پر جاسوسی و نفاق کا الزام لگا دیتا، اور یہ کہنا کہ یہ بات بعض کتب میں مرقوم ہے تو لکھنے سے قبل اس کی تحقیق کرنا مؤلف کا فرض تھا، کم از کم علماء پر یہ چیز واجب ہے، پھر مؤلف اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور وہ یہ کہ جو حدیث افراد و احاد کی صورت میں بیان ہوئی ہیں وہ علماء کے بقول مفید علم نہیں ہیں بلکہ ان سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور اسی لئے مسلمان ان احادیث سے اصول دین و عقائد پر استدلال نہیں کرتے ہیں ہاں کبھی فقہ میں فرعی احکام پر اور فضائل اعمال پر استدلال کرتے ہیں، اس طرح نیکیوں کی ترغیب میں اور شر سے ڈرانے میں ان سے مدد لیتے ہیں، جن موقعوں کو ہم نے مثال کے طور پر پیش کیا ہے ان پر مؤلف نے احاد و افراد کے ذریعہ نقل ہونے والی احادیث پر اعتماد کیا ہے جبکہ احاد سے یقین حاصل نہیں ہوتا ہے، پھر مؤلف کو کیا ہو گیا تھا کہ ان احادیث کے ذریعہ ثقہ کے بارے میں افراد سے نہ بچے اور پھر ان سے استدلال کیا تاکہ لوگوں پر ان چیزوں کی تہمت لگائیں جن کے اثبات کا کوئی راستہ نہیں ہے،

دوسری بات کہ جس پر اس حدیث کا اختتام ہوا ہے جسے میں طویل ہونے کے باوجود مختصر سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ مؤلف نے اپنی کتاب میں اس بات پر یقین رکھتے ہوئے کہ میں تمام لوگوں کو خوش کرنے میں اور ہر طبقہ کی رضا حاصل کرنے میں کبھی کامیاب نہ ہو

سکونگا، کبھی لوگوں پر ڈھال کر بات کہی ہے کبھی ان پر غضبناک ہوئے ہیں کبھی انہیں جہود کا ٹھکانا اور کلیسر کا فقیر اور بے کار بتائے ہیں، خود ان لوگوں سے ناراض ہیں اور ان ہی پر اپنی کتاب مسلط کر رہے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے مؤلف ان سے سخت بغض رکھتے ہیں اور حقائق علم کے انکشاف کے لئے انہیں اچھی بحث و گفتگو کا اہل نہیں سمجھتے ہیں اگر مؤلف اپنی کتاب کے شائع ہونے تک صبر کرتے کہ لوگ اس کو پڑھتے اور موصوف اس کے بارے میں لوگوں کی رائے اور ان کی تنقید سنتے، تو یہ صبر ان کے لئے بہت مفید ہوتا،

لیکن اس کے باوجود اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مؤلف نے کتاب ہذا کی تالیف میں کوشش، باریک بینی، اور حدیث سے بحث میں سچے خلوص سے کلم لیا ہے، اور ان اشتباہات کا کوئی جھٹکا نہیں ہے کہ جن میں سے بعض کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، اور پھر نقص و کوتاہی یا غرضوں سے کون بری ہے،

ڈاکٹر طاحسین نے سنت محمدیہ سے دفاع کتاب کو پڑھنے کے بعد مہربانی فرما کر یہ مقدمہ تحریر کیا میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری کتاب کو اتنی اہمیت دی اور متعدد بار اس کا مطالعہ فرمایا اور جو چیز میری مسرت کا باعث ہوئی _____ جس پر میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں _____ اس جلیل القدر عالم اور عظیم ناقد کی شرافت ہے کہ انہوں نے کتاب میں کوئی چیز لائق تنقید نہیں سمجھی _____ یہ بہت بڑی بات ہے، _____ اس سے قبل کوئی کتاب تنقید سے نہیں بچ سکی ہاں جس چیز پر موصوف نے تنقید کیا ہے وہ بعض ضعیف نکات ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے مقدمہ میں تصریح کر دی ہے کہ ان میں کوئی حرج نہیں ہے، _____ میں ان ضعیف نکات پر تعلقہ لگا کر حاشیہ پر لکھ دوں گا، امید ہے کہ موصوف اس سے راضی ہو جائیں گے،

ڈاکٹر صاحب کو قتل عمر کے سلسلہ میں ہونے والی سازش اور اس میں کعب الاحبار کے شریک ہونے کے بارے میں شک ہے، جب میں نے اس سلسلہ میں ان کی تحریر پڑھی تو میں مسکرا دیا اور میں نے ان کی کتاب ”الشیخان“ اٹھائی کہ دیکھوں قتل عمر کے بارے میں کیا

فرماتے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں ان کی تمام تحریر کا مطالعہ کیا یہاں تک کہ جو میں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے اس سے مطمئن ہو گیا اور خدا کا شکر ہے کہ میں اس شک سے نجات پا گیا جو کہ قتل عمر کی سازش کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کو لاحق ہو گیا تھا۔

دوسرا ضعیف نکتہ یہ ہے کہ میں نے وہاں تاویل میں اسراف سے کام لیا ہے کہ جہاں یہ لکھا ہے کہ ابوہریرہ پیٹ بھرنے کے لئے مسلمان ہوئے تھے یہ میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ بہت سی حدیث کی کتابوں میں انہیں ————— ابوہریرہ

کو اس کا اعتراف ہے، بخاری کی روایت میں ہے کہ میں نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسولؐ کی مصاحبت اختیار کی، اور مسلم کی روایت میں ہے کہ میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسولؐ کی خدمت کرتا تھا، اور یہ بات امر قانون اور صاحبان دلیل نے بھی ہے، میں نے تو تاویل کی ہے اور نہ ہی اس میں اسراف سے کام لیا ہے، پھر تاریخ ابوہریرہ اس کے اعتراف کی تائید کرتی ہے، ابن سعد نے ان سے روایت کی ہے کہ وہ ابن عفان اور اس کی بیٹی غزو ان کے یہاں پیٹ بھر کھانے پر نوکری کرتے تھے اور جب مسلمان ہو کر اصحاب صفہ میں شریک ہو گئے تو ان پر جو گزری اسے بخاری وغیرہ نے بیان کیا ہے جسے بیان کی یہاں ضرورت نہیں ہے،

تیسرا اور آخری ضعیف نکتہ، ڈاکٹر صاحب کو اس روایت میں شک ہے کہ ابوہریرہؓ طحہ معاویہ کے پاس کھاتے اور نماز حضرت علیؓ کے پیچھے پڑھتے تھے، اگر ابوہریرہؓ نے ایسا کیا ہے تو کیسے محفوظ رہے فریقین میں سے ان پر جاسوسی اور نفاق کا الزام نہیں لگا،

تمام باتوں سے قبل میں یہاں یہ بات عرض کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ چیز بہت سے مورخین اور بڑے علماء کے مصادر میں بیان ہوئی ہے جیسے حبشی عادی شذرات برہان الدین حلی کی سیرۃ حلبیہ، زعمشیری کی ربیع الابرار، اور بدیع الزماں ہمدانی اساس البلاغہ

میں ہے، یہ اگرچہ بہت بڑے کاتب نہیں تھے صرف وہ ————— جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ————— حدیث میں ثقہ تھے، ثعالیٰ کی مضاف و منسوب ہم ان تمام کتابوں کے اسما نہیں بیان کرنا چاہتے، جن میں یہ خبر درج ہے، ابوہریرہ ایسا اس لئے کرتے تھے کہ ضرر سے بچے رہیں ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ نہ کسی لشکر میں ہیں نہ قافلہ میں نہ محارمین میں شامل !! بلکہ اپنی طویل عمر میں صحیح و سالم رہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے جو میرا شدت آمیز اسلوب ملاحظہ کیا ہے تو اگر موصوف طرفین کے سبب و شتم کو دیکھتے تو وہ مجھے میری اس تحریر کے بارے میں مغذور سمجھتے جو میں نے لکھی تھی، اصل میں اس کتاب کی کچھ تفصیل پہلے میں نے مجلہ رسالہ میں شائع کی تھیں اور اسی دن سے سب و شتم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا،

واضح رہے کہ میں نے اس ایڈیشن میں ایسی شدت الحسن چیزوں کا مطالعہ کر کے حذف کر دیا ہے اور اب ہمیشہ احسن طریقہ سے دفاع کروں گا اور خدا کے قول کا اتباع کروں گا ہر ایک سے شائستہ برتاؤ کروں گا جو لوگ مجھے برا کہیں گے انہیں سلامتی کی دعا دوں گا، لیکن ابوہریرہ کے بارے میں جو شدت ہوئی ہے جس کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اشارہ کیا ہے ”تو وہ ان دیلوں کی شدت ہے جو انہیں گھیرے ہوئے ہے،

یہ چند سطریں ان ضعیف نکات کے بارے میں ہیں جو کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں لکھی ہیں، مجھے بڑی مسرت ہے کہ موصوف نے اپنی شرافت سے کتاب کے کسلی اور موضوع کو نہیں چھیڑا جب کہ ایسی چیز بہت ہیں اور انہیں کسی ایسی جامع کتاب میں شائع نہیں کیا کہ جسکو ”میں نے جو اشتباہات پائے“ کے نام سے یاد کیا جاتا، بلکہ صریح طور پر کہا: ان ضعیف نکات میں کہ جن میں سے بعض کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ نقص و کوتاہی یا لغزشوں سے کوئی بھی بری نہیں ہے، حفظ اللہ

محمد ابوہریرہ

کتاب کا تعارف

یہ چیز نہ دلیل و برہان کی محتاج ہے اور نہ اس میں کسی کو اختلاف ہے کہ سنت محمدی کی وہ شان و عظمت جو اپنی طرف مکمل توجہ دینے اور اس سے فہم و بحث کی دعوت دیتی ہے یہاں تک کہ اس میں جو دین و اخلاق، حکمت و آداب وغیرہ کہ جن سے مسلمانوں کو ان کے دین و دنیا میں فائدہ پہنچتا ہے ان کی بھی تحقیق ہونی چاہیے، اس کی اس عظمت و منزلت کے باوجود علماء و ادباء نے اس کے بارے میں کاتھ تحقیق نہیں کی ہے اور اس کو رجال و حدیث کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا چنانچہ وہ اسے اپنے ہی درمیان گھومتے رہے، اپنے منہج سے اس کی تحقیق کرتے رہے، اس جماعت نے اپنا طریقہ جو کہ اس نے اپنے لئے اختیار کیا، ایسے جامد اصولوں پر استوار کیا کہ جس میں تغیر و تبدل نہ ہو سکے، ان کے درمیان متقدمین نظر آتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ قواعد وضع کئے ان کی پوری توجہ روایت حدیث کی معرفت اور بقدر استطاعت، ان کی تاریخ سے بحث پر تھی اس کے علاوہ ان کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی اگر ان روایت سے کوئی چیز فی نفسہ صحیح یا غیر صحیح معقول یا غیر معقول صادر ہوئی ہو تو

ان کا کام صرف یہ دیکھنا تھا کہ اس کی سند متصل ہے یا نہیں ہے، اگر متصل ہے تو حدود کے پیچھے بٹھیں اس سے آگے نہ بڑھیں اور نہ اس سے پیش اس بڑے قدر دان اولیٰ ہی سے علم روایت منجور ہا اس میں کوئی تحریک و تغیر نہ ہوا وہ ظواہر حدیث پر ایمان لے آئے جسے روایات نے پیش کیا تھا اس پر مطمئن ہو گئے اس کی تحقیق و تمحیص کے بغیر اس پر غل پیرا ہو گئے، علم حدیث کی تحقیق میں انہوں نے سند حدیث کے سلسلہ میں انتھک کوشش کی ہے لیکن انہوں نے ایک بہت بڑے کام کو چھوڑ دیا، جس کی انجام دہی مذکورہ علم میں غور کرنے اور اس کی کتابوں کی تحقیق سے مقدم تھی، یعنی صحیح نصوص کی حقیقت کی تحقیق مقدم تھی کہ رسولؐ نے راوی سے یہ حدیث کیوں بیان کی اور کیا اس حدیث کو بیان کرتے وقت رسولؐ نے اسے بلفظ قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا؟ جیسا کہ قرآن مجید کی کتابت کرتے تھے یا حدیث لکھنے سے منع کیا تھا؟ کیا آنحضرتؐ کے بعد صحابہ اور تابعین نے حدیث کی تدوین کی ہے؟ یا انہوں نے اس کی تدوین سے چشم پوشی کی تھی؟ _____؟ حدیث قبل کرنے کے سلسلہ میں صحابہ اور تابعین کا کیا طریقہ تھا؟ _____؟ اور جو روایات آئی تھی کیا وہ لفظی اور مننوی لحاظ سے کلام رسولؐ کے مطابق ہوتی تھی یا اس کے مخالف ہوتی تھی؟ _____؟ اور وہ کیا عوامل تھے کہ جن کی بنا پر دشمنوں کے افکار اور دوستوں کی اغراض اس میں شامل ہو گئیں چنانچہ وہ چیز حدیث بن گئی جو حدیث نہیں تھی اور بعض اصلیت سے خارج ہو گئیں، پھر آپؐ سے روایت ہونے والی چیزوں کو کس زمانہ میں تدوین کیا گیا؟ _____؟ اور کیا انہوں نے ایک ایسے غیر متزلزل طریقہ سے حدیث کی تدوین کی تھی جس میں زمانہ کے تغیر اور نسلوں کے بدلنے سے کوئی تبدیلی نہ آسکے اور جہور جن کتابوں پر اعتماد کرتے ہیں ان میں کس طریقہ سے حدیث نقل ہوتی ہیں؟ _____؟ اس کے متعلق علماء امت کا نظریہ کیا تھا؟ _____؟ اور وہ کس حد تک اس پر اعتماد کرتے ہیں؟ _____؟ اس کے بارے میں ان کے درمیان کتنا اختلاف ہے اور

کی طرف میری راہنمائی کی ہے وہ یہ تھا کہ ان احادیث میں مجھے ایسے معانی نظر آئے جن کا عقل سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ ہی صحیح علم سے ان کا اثبات ممکن ہے، نہ تو اس ظاہری ان کی تائید کرتے ہیں نہ قرآن مجید کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں،

ایسے ہی میری نظر سے وہ احادیث گزری ہیں کہ جن سے تفسیر و تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، مجھے تعجب ہوتا ہے کہ جب میں عرب کے اجڑے لوگوں میں سے کسی کا کلام پڑھتا ہوں تو اس سے بلاغت کی بو آتی ہے اور اس کے حسن سے جھوم اٹھتا ہوں لیکن جب میں ان چیزوں کو پڑھتا ہوں جن کو رسولؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو ان میں وہ جھٹا و بلاغت کی بو محسوس نہیں ہوتی ہے، تعجب ہوتا ہے عرب کے فصیح ترین انسان سے فصاحت و بلاغت سے عاری کلام کیونکر صادر ہوئے! یا آپؐ سے ایسی پوچ بات نقل کی جاتی ہے کہ جس کا آپؐ سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اصل میں مجھے اس لئے تعجب ہوتا تھا کہ میں بزرگان دین سے یہ سنتا تھا کہ جن احادیث سے سنت کی کتابیں بھری پڑی ہیں وہ من و عن اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ آئی ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ان میں بیان ہونے والی ہر چیز کو قبول کرے خواہ کچھ بھی بیان ہوا ہو،

جب میں نے وہ حدیث پڑھی کہ جسکا مفہوم یہ ہے:

(جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے،)

اس لفظ ”جان بوجھ کر“ نے مجھے حیرت میں ڈال دیا، یہ صداقت کے ساتھ آنے والے اور اس کا حکم دینے والے رسولؐ سے صادر نہیں ہو سکتا ہے، آپؐ کذب سے ڈرتے اور اس سے منع کرتے تھے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ کذب خلاف واقع خبر دینے کو کہتے ہیں، خواہ جان بوجھ کر خبر دی جائے یا سہواً،

میں اس طرح و رطہ حیرت میں پڑا رہا یہاں تک کہ عرفان حق کی محبت نے مجھے اصل حدیث، اس کی روایت اور صحیح مصادر سے اس کی تاریخ کی تحقیق کی طرف دھکیل

دیا، ہو سکتا ہے کہ مجھے وہ چیز مل جائے کہ جو میری پریشانی و حیرت کو ختم کر دے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس اہم امر پر ”کوئی ایسی جامع تالیف وجود میں نہیں آئی تھی کہ جس سے محقق سیر حاصل بحث کرتا اور طالب اپنی امید کو پالیتا، عرصہ دراز تک میں تحقیق و تنقید میں مشغول رہا یہاں تک کہ میں نے ہر اس کتاب کا مطالعہ کیا جس سے ایک کلمہ کا بھی فائدہ ہو سکتا تھا جو بھی میرے مقصد کی چیز ملتی اس پر میں نظر ڈالتا تھا چنانچہ اس سلسلہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور جب تھک جانے کے بعد نفس آرام کرنے پر مجبور کرتا تھا تو میں اس کی اطاعت نہیں کرتا تھا، بلکہ میں اسے صبر کرنے اور جانفشانی پر مجبور کرتا تھا یہاں تک کہ میں عجیب حقائق اور بہترین نتائج تک پہنچ گیا اور مجھے وہ چیز مل گئی جو حدیث کی کسی کتاب میں، ”خواہ اسے صحیح کہتے ہوں یا اسے حسن قرار دیتے ہوں“ نہیں ملتی ہے جو کہ بلفظ اور اپنی محکم ترکیب کے ساتھ آئی ہو یعنی جیسے رسولؐ نے بیان فرمائی تھی ایسے ہی آئی ہو میں نے تو ان کی اصطلاح میں اسے صحیح دیکھا ہے جو بعض راویوں نے سمجھا ہے، ہاں بعض مفرد الفاظ ایسے بھی ملتے ہیں جو کہ مختصر احادیث میں اپنی اصلی حقیقت پر باقی ہیں، لیکن یہ خالی خالی نظر آتا ہے، میں تو سمجھا ہوں کہ علماء اپنی اصطلاح میں اس چیز کو صحیح حدیث کہتے ہیں جو کہ روایت کی نظر میں صحیح ہوتی ہے نہ کہ وہ جو بذاتہ صحیح ہوتی ہے، اور جس چیز کو وہ متفق علیہ کہتے ہیں اس سے ان کی مراد وہ چیز نہیں ہوتی ہے جو کہ نفس الامر میں صحیح ہوتی ہے بلکہ اس سے ان کا مقصد وہ حدیث ہوتی ہے، جس کے بیان کرنے پر بخاری و مسلم متفق ہیں اور صحیح حدیث کے شرائط میں سے یہ نہیں ہے کہ وہ نفس الامر میں قطعی ہو، کیونکہ وہ ثقہ سے بھی خطا اور سہو و نسیان کے حدود کو جائز جانتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حدیثیں تو نقل ہو کر آئیں لیکن ان میں رسولؐ کی بلاغت کی چمک دمک نہیں ہے پھیکسی سی روشنی ہے،

میں یہاں ان تمام چیزوں کو سپرد قلم نہیں کر سکتا کہ جن کا مجھ پر انکشاف ہوا ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں، ہم نے اپنی اس کتاب میں مفصل طور پر بیان کیا ہے،

ان حقائق میں سے اولین چیز مجھ پر یہ منکشف ہوئی کہ: رسولؐ نے اپنی حدیث لکھنے کے لئے کاتب مقرر نہیں کئے تھے بلکہ اسے بغیر قید کے چھوڑ دیا تاکہ سامعین کے اذہان تک پہنچ جائے، اسے حافظ کے تابع کر دیا، جس سے انسان کبھی بھی انکار نہیں کر سکتا ہے اور نہ سہو و نسیان کے لحاظ سے اس میں نزاع کر سکتا ہے،

ان ہی وجوہ کی بنا پر احادیث کے الفاظ کے نظم میں خلل پڑ گیا اور ان کے معنی میں فرق آگیا، آنحضرتؐ نے اسی پر امتحان کیا بلکہ بروقت حدیث لکھنے سے منع بھی کر دیا چنانچہ مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ اور نہ لکھا کرو اور اگر کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے سن کر کچھ لکھ لیا ہے تو اسے محو کر دے۔

آنحضرتؐ کے اس حکم پر صحابہ نے عمل کیا، انہوں نے آپؐ سے سن کر قرآن ہی لکھا، اور یہاں تک احتیاط کی کہ حدیث بیانی سے اعراض کرنے لگے اور لوگوں کو حدیث بیان کرنے سے منع کرنے لگے، اور جو لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرتا تھا اس پر سختی کی جاتی تھی،

چنانچہ ابوبکر و عمر دونوں ہی صحابی سے حدیث نہیں قبول کرتے تھے خواہ وہ دونوں کی نظروں میں کتنا ہی معزز ہوتا مگر جب وہ اس پر کسی کو گواہے آنا اور یہ گواہی دینا کہ اس کے ساتھ میں نے بھی رسولؐ سے یہ حدیث سنا ہے تو شیخین قبول کر لیتے تھے، اور علیؓ اس صحابی کی مخالفت کرتے تھے جو آپؐ کے سامنے رسولؐ سے روایت کرتا تھا، یہ سب کچھ عہد صحابہ کی بات تھی اس کے بعد دیکھئے کیا ہوتا ہے،؟



[illegible]

وہو، ایہ فیاضیہ کیلئے کہ اس کی طرف سے، کہ اس کی طرف سے کہ
 کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ
 کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ اس کی طرف سے کہ

جہاں تہہ پہنچے تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں
تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں
تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں تہہ نہ کہیں

५१७७

[illegible]

یستاد و در پیوسته ایها

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

[illegible]

کتاب فی الجہات

[illegible]

ان گڑھی ہوئی حدیثوں سے اٹھایا ہے جو کہ دشمنان اسلام اور اس کے احباب نے گڑھی تھیں آپ کے لئے وہ اسرائیلیات ہی کافی ہیں، جن کو کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ نے رواج دیا ہے، ایسے ہی مسیحیات وغیرہ جو کہ دیگر ادیان و مذاہب سے اسلام میں داخل ہو گئے ہیں اور مسلمانوں نے بغیر کسی تحقیق کے انھیں قبول کر لیا ہے،

ابو ہریرہ

ابو ہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں حالانکہ وہ ایک سال اور نو ماہ سے زائد رسولؐ کے ساتھ نہیں رہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب ”الشیخ المفیہ“ میں اس کی تحقیق پیش کی ہے، ابو ہریرہ کی بیان کردہ روایات میں جو مشکلات ہیں وہ باقی تھیں اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی، موصوف کے حالات کیلئے ہم نے ایک الگ فصل قائم کی ہے وہاں حق ظلم ادا کیا ہے اور ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو کہ ان کے حق میں یا ان کے خلاف تھیں، اظہار حق کے سلسلہ میں ہم نے کسی کی پرواہ نہ کی اور نہ ہی بیان علم کے بارے میں کوئی حرج محسوس کیا کیونکہ حق ابو ہریرہ سے بلند و برتر ہے،

تدوین قرآن...

تدوین حدیث کے بارے میں قلم اٹھانے سے قبل ہم تدوین قرآن کا مختصر حال پرز قلم کرتے ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ جمع قرآن کے بارے میں کتنی دقت نظر سے کام لیا گیا ہے اسی لئے کل قرآن متواتر طور پر آیا ہے، جو اس کی کسی بھی چیز کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے، اگر قرآن ہی کی مانند حدیث بھی زمانہ رسولؐ ہی میں مدون ہو جاتی اور اس کی تدوین میں ایسے

ہی دقت نظر سے کام لیا جاتا جیسے قرآن کے سلسلہ میں لیا گیا ہے تو کل حدیث بھی ”تواتر“ کے ساتھ نقل ہو کر آئی اور مسلمانوں کے درمیان ایسا شدید اختلاف رونما نہ ہوتا کہ جس کی آج تک تلافی نہیں ہو سکی ہے ،

حدیث کی کتابت

یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ حدیث کو دوسری صدی میں اس وقت رشتہ تحریر میں لایا گیا جب کہ رسولؐ کو دنیا سے اٹھے ہوئے سو سال سے زائد گزر چکے تھے اور یہ حدیث کی کتابت روات کی تحریک کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ بادشاہوں کے مشیروں کے اشارہ پر ہوئی تھی ، کیونکہ روات ڈرتے تھے کہ کہیں حدیث کی کتابت سے اس میں نہ گہر پڑیں جس سے رسولؐ نے منع کیا ہے پہلے مرحلہ میں حدیث کی کتابت مکمل نہیں تھی پھر یہ مختلف مراحل سے گزری ، یہاں تک وہ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں اپنی آخری صورت میں آئی ،
یقیناً حدیث کی کتابت کی تاخیر میں بہت بڑا نقصان تھا جیسا کہ ہم اسی کتاب میں بیان کر چکے ہیں ،

علم حدیث کی نشاۃ

چونکہ علم حدیث بھی ہماری بحث سے متصل ہو گیا ہے لہذا ہم نے اس مناسب صورت میں اسے بھی پیش کیا کہ جس سے اس کی معرفت حاصل کرنے والے کی بھی ہدایت ہوتی ہے ، حدیث کی مشہور کتابوں کے بارے میں بحث کی ہے تاکہ ان کی حقیقت کو آشکار

کیا جاسکے اور یہ کہ ان میں کیا غلطی ہے، ان کے بارے میں کیا گیا ہے، جرح و تعدیل کے موضوع پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس سے عدالت صحابہ تک بھی پہنچ گئے ہیں اور اس سلسلہ میں علماء کے اختلاف کو بھی واضح کیا ہے اور علم و فضیلت میں ان کے درجات سے بھی بحث کی ہے اور ان سب کا ہم نے مذہب حق کی صورت میں خلاصہ کیا ہے اس میں زافراط ہے نہ تفریط، بلکہ میانہ راستہ ہے،

علماء امت اور حدیث

ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ حدیث کی تدوین دوسری صدی میں ہوئی ہے جمہور اہلسنت میں حدیث کی مشہور کتابیں بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی ہیں چوتھری اور پوتھی صدی ہجری میں ظاہر ہوئی ہیں اور ان میں جو حدیثیں بیان ہوئی ہیں وہ سب طریق آحاد کے ذریعہ آئی ہیں کہ جس سے ظن ہی حاصل ہوتا ہے، علماء امت نے تسلیم و اذعان کے ساتھ ان کی احادیث کو قبول نہیں کیا ہے جیسا کہ آیات قرآن کو قبول کیا ہے اور نہ ہی انہیں ان متواتر اخبار کا درجہ دیا ہے کہ جن پر عمل کرنا واجب اور ان سے روگردانی کرنا جائز نہیں ہے، ان احادیث کے بارے میں علماء میں اختلاف رونما ہوا اور ان کی آراء مختلف ہو گئیں،

مشکلیں اور علماء اصول کے لحاظ سے خبر کی دو قسمیں ہیں، ”متواتر و آحاد“ متواتر سے علم حاصل ہوتا ہے عقائد میں اسی پر عمل کیا جاتا ہے، آحاد سے صرف ظن حاصل ہوتا ہے اور ظن حق کے بارے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا ہے ان کی تحقیق یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جسکو متواتر کہا جاسکے کہ جس سے اس کی دلالت یقینی ہو جائے علماء حدیث نے اس سلسلہ میں کوئی بحث نہیں کی ہے کیونکہ یہ ان کے علم سے خارج ہے وہ

اسے بھی بیان کرتے ہیں جو احاد کے ذریعہ آتی ہے، احاد کی دلالت ظنی ہے اور عقائد میں ظن پر عمل کرنا جائز نہیں ہے علامہ نے ان احادیث کو رد کر دیا ہے جو کہ ان کے قواعد و اصول کے موافق نہیں ہیں، اس بات پر سب متفق ہیں کہ عقائد میں احاد احادیث پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی ہو اور طرق متعدد ہوں،

لیکن جو لوگ خود علماء فقہ کہتے ہیں انہوں نے خود کو تعلید کی زنجیر میں جکڑ لیا ہے وہ ان کتابوں کو لائق اعتناء نہیں سمجھتے ہیں جو کہ ان کے آئمہ کے انتقال کے بعد معرض وجود میں آئی ہیں نہ ان کتابوں میں اپنے آئمہ کی کتب کی طرح ان کی تحقیق کرتے ہیں نہ ہی احکام میں انہیں دلیل شمار کرتے ہیں، لیکن جب انہیں کوئی حدیث ایسی ”ریک“ دستیاب ہو جاتی ہے جو کہ ان کے مذاہب کے موافق ہوتی ہے تو اسے فوراً لے پیتے ہیں اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دیتے ہیں خواہ وہ ان کی اختیار کردہ حدیث سے زیادہ قوی ہو، کبھی ایک حدیث کے ایک حصہ کو قبول کرتے ہیں دوسرے کو رد کر دیتے ہیں جو ان کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے اسے قبول نہیں کرتے، رد کر دیتے ہیں، خواہ اسے جماعت نے ہی نے بیان کیا ہو، اس سلسلے میں انہیں اس سے بھی سہارا مل گیا کہ علامہ کے سارے دلائل ظنی ہیں، ان میں تواثر کی شرط نہیں ہے اور ہر انسان اس حدیث کو بے تکلف قبول کر سکتا ہے جس سے اس کا قلب مطمئن ہو،

اگر آپ محققین خصوصاً ابن قیم جوزی کی کتاب ”اعلام الموقعین“ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو سیکڑوں حدیثیں ایسی مل جائیں گی جن پر شیوخ فقہانے عمل نہیں کیا ہے اور نہ ان احادیث کی وجہ سے اپنے مذہب کی مخالفت کی ہے، جب ان سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ آپ نے ان احادیث کے بارے میں اظہار خیال کیوں نہیں کیا جو کہ آپ کے مذاہب میں موجود ہیں، تو وہ کہتے ہیں: ہمارے آئمہ نے ان پر عمل نہیں کیا ہے ہمارے آئمہ نے ان ہی احادیث

۱۔ احمد شیعان، یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابوترکمی مراد ہیں،

اور قنادوں کو اختیار کیا ہے جن سے ان کے قلوب و نفوس مطمئن تھے اور جو ان کی رائے میں صحیح تھے اپنے زمانہ میں ان ہی پر عمل کر لیا ہے، پھر وہ ائمہ کبار صحابہ اور تابعین سے قریب ہونے کی وجہ سے وسیع علم کے حامل تھے اور فقہ میں ان لوگوں سے زیادہ عینی نظر رکھتے تھے کہ جن کی کتابیں پہلی صدی ہجری کے گزر جانے کے بعد معرض وجود میں آئی ہیں جب کہ حدیث کی رو سے پہلی صدی بہترین صدی تھی،

علامہ بخاری نے بھی اپنی لغت و نحو کے قواعد میں حدیث سے استشہاد نہیں کیا ہے، کیونکہ وہ یقین حاصل کر چکے تھے کہ صحیح حدیث کے نشانات معلوم ہو چکے ہیں اور جو کچھ رسولؐ سے نقل کیا جاتا ہے وہ آپ کے الفاظ میں نقل نہیں کیا جاتا ہے اور نہ کسی کو یہ خبر ہے کہ رسولؐ کی فرمائی ہوئی حدیث کی صحیح صورت کیا تھی اس لئے حدیث کو شاہد شمال میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے، لہذا علامہ بخاری نے رسولؐ سے منقول حدیث کو قبول نہیں کرتے ہیں اگرچہ وہ عرب کے ان اجٹ لوگوں کے کلام کو شمال میں لاتے ہیں، جو کہ اپنے بزرگوں ہی کی رسم و راہ پر قائم تھے،

ایک عام بات

جب بھر پر ان باتوں کا انکشاف ہوا تو کہ ہماری کتاب میں درج ہیں، تو حدیث محمدیؐ کی حیات میرے سامنے ایسی واضح صورت میں جیسا کہ صاف و شفاف آئینہ میں نظر آتی ہے، اب میں یہ سوچنے لگا کہ کیا اس چیز کو قبول کر لوں جس کو رسولؐ کی حدیث کہا جاتا ہے کیا اس سے میرا نفس مطمئن ہو جائے گا؟ یا اسے ترک کر دوں اور میرا دل اسے ترک کرنے پر راضی ہو اور میرے لئے دونوں میں سے کسی کام کی انجام دہی کوئی گناہ نہیں ہے، یہ کوئی ہرگز گمان نہ کرے کہ یہ میری اختراع ہے کیونکہ علامہ امت نے بھی ان تمام احادیث کو قبول نہیں کیا ہے جو کہ کتب سنت میں نقل ہوئی ہیں لہذا میں نے وہی کیا ہے

جو کہ واضح ہو جانے کے بعد انہوں نے کیا تھا، پھر یہ بات صاحبان بصیرت کے لئے واضح ہے اس میں کوئی حُصا ب لم اختلاف نہیں کرے گا، ہاں ان حشو یہ لوگوں کی بات ہی الگ ہے جو کہ اس صحیح و غلط چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو روایات کے سیلاب میں بہہ آتی ہے بس اسکی سند ان کے طریقہ سے ثابت ہونی چاہیے،

ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں :

حدیث میں کوئی شخص ماہر نہیں بن سکتا مگر یہ کہ اس کے بعض حصہ کو لے اور بعض کو چھوڑ دے،

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں :

حدیث میں وہ شخص امام نہیں بن سکتا جو کہ شاذ حدیثوں کا تتبع کرتا ہے یا ہر سنی ہوئی حدیث کو بیان کرتا ہے یا ہر ایک سے روایت کرتا ہے،

اس موضوع پر بہت سی مثالیں ہیں جو جاری کتاب میں اپنی اپنی جگہ ملیں گی، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ پہلے اس موضوع کو کسی نے درخور اعتناء نہیں سمجھا جبکہ حدیث، تفسیر، فقہ، اصول، تاریخ، نحو، اور ان تمام معلومات کی کتابوں میں غور کرنے سے پہلے اس کی تحقیق واجب تھی جو دین اسلام سے مربوط ہیں،

اس موضوع پر ہزار سال قبل اس وقت ایک کتاب تالیف ہونی چاہیے تھی جب مسلمانوں کے فقہی مذاہب میں بٹ جانے کے بعد حدیث کی مشہور کتابیں وجود میں آئی تھیں تاکہ دین میں ان کتابوں کو وہی مقام ملتا جن کی یہ مستحق تھیں اور لوگوں کو ان میں بیان ہونے والی احادیث کی حقیقت معلوم ہو جاتی اور ان کے بارے میں یقین ہو جاتا اگر میں عربی لائبریری میں اپنی کتاب لکھ کر اسے پر کر سکتا تو میں ضرور اس اہم موضوع پر ہی حاضر فرماتا کرتا کہ جس کا احاطہ کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے ”تو میں“ کا ہلی سے الگ ہٹ کر ایسے ہی جانفشانی و مشقت سے کام لیتا جیسا کہ میں نے تحقیق کی راہ میں سیکڑوں کتابوں

اور اسانید کا مطالعہ کر کے مشقت اٹھائی اور کتابوں سے ربط رکھا، ان سے استفادہ کیا اور ضروری چیزیں نقل کرنے میں ایک عمر کھپائی ہے، مجھ سے پہلے اس راستہ پر کوئی کامزن نہیں ہوا تھا اور نہ کسی نے نشان چھوڑے تھے کہ جن سے میری راہنمائی ہوتی ہے کہ جس سے اس بھید سے واقف ہونا آسان ہو جاتا کہ جس نے مجھے اس کتاب کی تالیف پر ابھارا تھا جو کہ اس موضوع پر پہلی کتاب کہا جاسکتا ہے اور میں اسے لوگوں تک پہنچا سکتا کہ اس سے انہیں حدیث محمدیؐ پر دلیل مل جاتی پھر وہ نور علم کے ساتھ اسے پڑھتے اور اسے عقل کی منطق کے ساتھ سمجھتے،

لیکن یہ بحث ”جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں“ نہایت ہی ظریف ہے جو بھی اسے پیش کرنے میں خشوہ اور جامد فکر والوں سے مقابلہ کرے گا اس کے لئے مزید راہیں واضح ہوں گی ویسے میں نے اس میں ایسی بہت سی دلیلیں بھردی ہیں جن میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور ایسے ثبوت و شواہد پیش کر دئے ہیں جن میں ضعف کو راہ نہیں ہے، بعض ابواب میں مناسبت کی وجہ سے ان دیلموں کی تکرار ہو گئی ایسا یا تو کسی سبب کی بنا پر ہوا ہے یا اسکے بغیر ہماری بات مکمل نہیں ہو سکتی تھی، یا سیاق معنی کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی میں اس کتاب میں تنقید و تجزیہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں صحیح علمی تالیف ان ہی اصولوں پر ہوتی تھی لیکن تنقید و تجزیہ میں اس لئے مجبور ہوا کہ ہماری قوم زمانہ کی ایجاد سمجھتی ہے امید ہے کہ اب وہ زمانہ ختم ہو چکا ہو گا کہ جس میں علمی نفاق اور دینی ریاہ کی ہی اشاعت ہوتی تھی اور اس چیز کی نشر و اشاعت نہیں ہوتی تھی جو مخصوص لوگوں میں رائج ہوتی ہے اور اس سے وہی شخص خوش ہوتے ہیں جو خود کو علماء و محدثین سمجھتے ہیں اب ہم پر وہ زمانہ ساق فگن ہے جس میں صرف حق کا ہی بول بالا ہے اور عمل صالح کی قدر و قیمت ہے اور نفع بخش علم ہی کو قبول کیا جاتا ہے،

اسی طرح مجھے یہ بھی امید ہے ”یقیناً میں نے حدیث محمدیؐ کے سلسلہ میں حق کو

64

مسلمانوں اور بالعموم اسلام کے بارے میں تحقیق کرنے والوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کیونکہ وہی اس کی قدر کر سکتے ہیں، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ انہیں اس میں وہ چیز ملے گی جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ علم و حق بھی شاد ہو جائیں گے،

خداوند عالم سے میری دعا ہے کہ میری اس کاوش کو اپنے لئے خاص قرار دے اور اپنے پاس سے اس کی تائید فرما: تاکہ میری امید کے مطابق اس سے دین کی خدمت اور حق کا اظہار ہو اور تمام لوگ اس سے استفادہ کریں بیشک تو ہی دعا کا سننے والا ہے،

شعبہ ۵ رجمادی الاول ۱۴۳۵ھ،

۷ دسمبر ۱۹۱۵ء

محمود ابوریہ،

jabir.abbas@yahoo.com

وضاحت

اپنی اس کتاب میں دوسرے ایڈیشن کی تکمیل سے قبل دو باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں ایک کی طرف عالم جلیل ڈاکٹر طرہ حسین نے پہلے ایڈیشن کے مطالعہ کے بعد اشارہ کیا تھا اور کتاب و مولف کی بہت ستائش کی تھی اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں ،

جس چیز کا ڈاکٹر طرہ اور بعض دوسرے علماء نے اظہار کیا ہے وہ یہ ہے :
میں ۔ لوگوں کے سامنے قصہ حدیث پیش کر رہا ہوں اور روایت کی طرف سے اسے جو ضرر پہنچا ہے اور حدیث گڑھنے والوں سے نقصان پہنچا ہے اسے بیان کر رہا ہوں «
میں اپنے اصلی مقصد کی طرف لوٹتا ہوں ، میں نے بعض احادیث کو مثال کے طور پر پیش کیا اور انہیں اس چیز پر دلیل قرار دیا جس کی میں اثبات یا نفی کرنا چاہتا ہوں ، اس سے ایسا لگتا ہے کہ میرے کلام میں تناقض ہے ،

ان کی اس بات پر اس وقت اعتبار ہوتا جب میں ان احادیث کو سمجھتا اور ان کے بارے میں مجھے یہ یقین ہوتا کہ یہ اپنے الفاظ و معانی کے ساتھ رسولؐ سے نقل ہو کر آئی ہیں

تو ان کی بات صحیح ہے،
اس شبہ کے ازالہ کیلئے عرض ہے: اپنے سیاق کلام میں جو احادیث میں نے پیش
کی ہیں اور ان کے ذریعہ جس چیز پر اپنی کتاب میں استدلال کیا ہے انہیں ہم نے صرف ان
لوگوں کیلئے پیش کیا ہے جو کہ ان ہی کے ذریعہ مطمئن ہو سکتے ہیں ان کے نزدیک ان میں
شک کی گنجائش نہیں ہے ان کیلئے یہ مسلمات میں سے ہیں،

ان کے نقل کرنے سے میں منطقی اصول اور حجت و جدل کے اسالیب سے خارج
نہیں ہوا ہوں کیونکہ ایک اور دلیل بھی پائی جاتی ہے جسے ”دلیل اقلانی“ کہتے ہیں، یعنی
مد مقابل پر اس چیز کے ذریعہ بحث کرنا جو اس کے نزدیک مسلم ہوتی ہے، جیسے مسلمان نصرانی
پر اس چیز کے ذریعہ حجت قائم کرے جو کہ انجیل میں موجود ہو، واضح ہو کہ جس چیز سے مسلمان
حجت قائم کر رہا ہے اس پر اس کا ایمان نہیں ہے یا وہ دلیل جسے ”دلیل الزام“ کہتے ہیں
یعنی کسی پر اس چیز کو لازم کر دینا جسے وہ اپنے نفسوں کے لئے لازم سمجھتے ہیں یہ تو علماء کے
درمیان مشہور ہے اس پر دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے،

پھر انہوں نے میری کتاب سے جن احادیث پر اعتراض کیا ہے ان سب ہی کیلئے
یہ کلمہ نہیں ہے، ان میں سے بعض کو صحیح کہا جاسکتا ہے جیسے ”قرآن کی وضاحت کرنے والی
یا عقل سلیم کے موافق حدیث یا ان اصولوں کے مطابق نقل ہونے والی حدیث جن پر دین کی
بنیاد قائم ہے یا ان پر تبلیغ کا دار و مدار ہے کہ جس کے لئے نبوت عطا کی گئی، یا ان کے معنی سے
نور نبوت کی شامیں پھوٹی ہیں، اس چیز کا میرے ضمیر نے احساس کیا جن چیزوں سے
دل مطمئن اور عقل انہیں تسلیم کرتی ہے انہیں میں نے اختیار کیا ان میں غور کرنے کے بعد میں
ان سے مطمئن ہو گیا لہذا میں انہیں کتاب عزیز کیلئے رسول کا بیان سمجھتا ہوں اگرچہ ان تمام
باتوں کے بعد بھی مجھے یقین ہے کہ یہ حدیثیں آحاد کی قسم سے ہیں اور ان کی دلالت ظنی ہے،
یہ درجہ قطع تک نہیں پہنچ سکتیں کہ جس سے یقین حاصل ہوتا ہے اور ان کی روایت بالمعنی

ہوئی ہے نہ ان الفاظ کے ساتھ جو کہ رسولؐ کی زبان سے صادر ہوئے تھے،
 احادیث میں سے وہ بھی جس کی صداقت واضح ہے جیسے یہ حدیث کہ:
 مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو۔ اسی حدیث پر ہم نے اپنی کتاب کی بنیاد قائم کی
 ہے،

تمام قرائن اس کی صداقت پر دال ہیں پھر صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا ہے، تمام
 صحابہ نے اس کا اتباع کیا اور رسولؐ کی حدیث لکھنے سے احتراز کیا اور پھر اسے بیان کرنے
 سے بھی منع کیا، یہی وجہ ہے کہ، تمام احادیث باروایت آتی ہیں بالکتابت نہیں، جیسا کہ
 قرآن بالکتابت کیا ہے،

دوسرا اعتراض: جو ڈاکٹر طاہر حسین نے اس طرح کیا ہے آپ نے اکثر چیزیں
 سید رشید رضاؒ سے نقل کی ہیں، یہی بات میں نے بعض دوسرے علماء سے بھی سنی ہے جو ہمارے
 ڈاکٹر صاحب اور دیگر علماء نے محسوس کیا ہے وہ صحیح ہے، مجھے اس میں شک نہیں ہے
 اس کے جواب میں عرض ہے کہ میں نے انہیں دلیل نہیں بنایا ہے بلکہ بعض اہم اسباب کی بنا پر
 یہ میرا مقصود نظر تھیں،

① اس زمانہ میں اہلسنت سید رشید رضاؒ کو ان پڑے ائمہ فقہ میں شمار
 کرتے ہیں جن کی بات کا وزن ہے جن پر اعتماد کیا جاتا ہے، جن کی بات پر عمل ہوتا ہے
 بے شک وہ ہمارے زمانہ میں اہلسنت کے محدثین میں سے ہیں وہ ان احادیث کی کیفیت سے
 باخبر ہیں جو کہ جمہور کی مشہور کتابوں میں درج ہیں اور روایت کی طرف سے جو احادیث میں
 گھس پیٹ ہوئی ہے اس سے بھی واقف ہیں، یہ چیز میری کتاب کے موضوع سے میل
 کھاتی ہے آپ کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جامع ازہر ایسی عظیم یونیورسٹی نے اس زمانہ میں
 بلکہ مدت دراز تک ایسا عالم و محقق پیدا نہیں کیا ہے میں ہی جانتا ہوں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں،
 رشید رضاؒ اس سے بلند و برتر ہیں وہ استاد، امام، محمد عبدہ کے علم کے وارث

ہیں، علم و فضل میں وہ اس درجہ پر فائز تھے کہ ان کے مجتہد ہونے میں دو آدمیوں میں بھی اختلاف نہیں ہے، چنانچہ سید رشید رضا نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے ان کے استاد نے فرمایا ہو اس سلسلہ میں وہ اپنے استاد ہی کے طریقہ پر ہیں اور دین کے بارے میں جو ان کا نظریہ ہے اس کا ہی اسلوب ہے جو استاد کا تھا،

چونکہ ان میں یہ تمام صفات جمع تھے اس لئے جمہور کے نزدیک ان کے اقوال و آراء مخلص جت ہیں اور اطمینان بخش برہان ہیں کسی میں یہ ہمت نہیں ہے کہ ان میں شک کر سکے، اسی لئے ہم اپنی کتاب میں اکثر ان کے اقوال و آراء کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے اور اپنی پیش کی جانے والی چیزوں پر ان کے اقوال و آراء کو قوی دلیل قرار دیا ہے،

سید رشید کا معاملہ وہی ہے جو ان اشخاص کا ہے جن کے اقوال کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جیسے ابن تیمیہ

جن کو اہلسنت شیخ الاسلام کہتے ہیں اور جمہور میں ان کی ایک حیثیت ہے، ہم نے ان کے بھی بہت سے اقوال بطور مثال پیش کئے ہیں، جب ایمان دونوں علماء کی قدر و منزلت جانتے ہیں تو اسی طرح یہ جانیں کہ کس چیز میں ان کی گرفت ہے کیونکہ رسولؐ کے علاوہ ہر اس شخص پر تنقید کی جاسکتی ہے جس کی بات تسلیم کی جاتی ہے،

یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ ہماری کتاب کے بارے میں کیا مین میخ نکالیں گے جو خود کو اہلسنت کہتے ہیں کیونکہ ہمارا ان سے اس وقت بھی مقابلہ ہوا تھا جب ہم نے چند سال قبل کتاب کی کچھ تفصیلی جلد رسالہ میں شائع کی تھیں، یہ تھا ڈاکٹر طحسین کا جواب، امید ہے کہ جواب ان کے اور دیگر علماء کے لئے کافی ہوگا،

یہاں مجھے اس سلسلہ میں چند سطور کا اضافہ کرنے کا موقع ملا ہے اس سطور میں اس مخلص حقیقت کو بیان کیا ہے جسے مجھے میں بعض افراد بھٹک گئے ہیں،

وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف سے میرا مقصد لوگوں کو سنتِ قولی سے باز رکھنا اور امورِ دین کے لئے میں صرف قرآن کو کافی سمجھتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ ان کی سمجھ میں یہ بات کہاں سے آئی، اور اپنی کتاب میں یہ میں نے کہاں لکھا ہے، یا دور یا قریب سے اس کی طرف کہاں اشارہ کیا ہے، ہاں یہ بات میں نے صریح طور پر قلم بند کی ہے کہ حدیث لینے میں لوگ جہاں تک ہو سکے احتیاط سے کام لیں اور صحیح و ثابت کو اصل سے جدا کریں، غیر صحیح اور گمراہی ہوئی چیزوں کو رد کر دیں روایت کی گھس پیٹ کے بعد ان کی طرف التفات نہ کریں، اسی کو میں نے اپنی کتاب میں تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس سلسلہ میں یہ کوئی نہیں نے بدعت نہیں کی ہے بلکہ یہ ہم سے پہلے ولے ائمہ اسلام کی سنت ہے اور اسی پر علماء اعلم نے عمل کیا ہے، اس کی میں نے بار بار صراحت کی ہے اور مجھے یقین ہے کہ قرآن ہی دین کی اصل ہے اور سنت اس کو بیان کرنے والی ہے اور بیان کرنے والی چیز کو صحیح اور واضح ہونا چاہیے، میرا بیان واضح ہے جو کچھ ہم نے سنا ہے، اس کی ہمیں پروا نہیں ہے قریب و بعید سے کوئی چیز بھی ہمارا کتاب کو ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے،

جمعہ ۸ / محرم ۱۴۲۳ھ
مطابق ۳۱ / مئی ۱۹۹۳ء

سنت

حدیث کو مختلف طریقوں سے موضوع بحث قرار دینے سے قبل ہم اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہیں اور ایک تہذیب میں سنت قویہ کا حکم اور دین میں اس کی حیثیت کو بیان کریں گے اس کے بعد انشاء اللہ اپنے راستے پر گامزن ہوں گے،
نفت میں علماء نے سنت کی تعریف اس طرح کی ہے:

ہر آمد و رفت والے راستے اور سیرت متبعہ کو سنت کہتے ہیں سنت کی جمع سنن ہے یہ سنت العرب کے اس قول سے لی گئی ہے سنن المارۃ اذاولی صبرہ اس سے عرب اس سیدھے راستے کو بھی سنت کہتے ہیں جس سے گرایا ہوا پانی بہا، کیونکہ وہ ایک ہی نہج سے بہتا ہے،
اور سنن سنۃ حسنہ، کے معنی ہیں کہ اس نے اچھی سنت قائم کی اس نے اپنی سنت پر عمل کیا، فلاں سنت پر عامل ہے،

اقتضاء صراط مستقیم میں ابن تیمیہ کہتے ہیں:

سنت یعنی عادت، اور عادت وہ ہے جسے نوع انسانی بار بار انجام دیتی ہے خواہ اسے وہ عبادت کہتی ہو یا عبادت نہ شمار کرتی ہو جیسا کہ خداوند عالم کا قول ہے، «قد خلقت

من قبلکم سنن فیسرونی الارض» تم سے پہلے سنائیں گزر چکی ہیں پس تم زمین کی سیر کرو۔
 رسولؐ فرماتے ہیں تم ضرور اپنے سے پہلے والوں کی سنت پر چلو گے،
 سنت بنی وہ طریقہ جو آپؐ نے اختیار کیا، سنت اللہ، یعنی اس کی حکمت کے
 طریقہ اور اس کی طاعت کے طریقہ کو کہا جاتا ہے «سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد
 لسنة اللہ تبدیلاً» «ولن تجد لسنة اللہ تحویلاً»۔

تعریفات میں جبر جانی لکھتے ہیں: سنت کے معنی سنت میں طریقہ کے ہیں
 خواہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ، شریعت میں سنت سے وہ طریقہ مراد ہے جو نہ واجب
 ہے نہ فرض لیکن دین میں اس پر عمل کیا جاتا ہے پس سنت وہ چیز ہے جس پر رسولؐ نے
 کبھی چھوڑ کر مسلسل عمل کیا ہے پھر اگر یہ پے در پے عمل عبادت کے طور پر تھا تو ہدایت کی
 مثال ہے اور اگر عادت کے لحاظ سے تھا تو اضافی سنت ہے،

سنت رسولؐ وہ چیز ہے جس پر خود رسولؐ اور آپؐ کے خاص صحابہ عملاً اور سیرۃً
 قائم تھے، اور یہی سنت صحابہ کے عمل و اخبار کے ذریعہ پہنچی گئی ہے، بعد محمدؐ میں سنت
 کو کلام رسولؐ کو حدیث و سنت کیلئے اصطلاح بنالیا یعنی یہ نئی اصطلاح ہے، جس کا انت
 سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اس کے آداب میں اس کا استعمال ہے اور ہم نے اپنی اس
 کتاب کا نام اسی اصطلاح کے مطابق رکھا ہے اور اس سے ہم بحث کریں گے، حق یہ تھا
 کہ ہم اس کتاب کا نام «حدیث سے دفاع رکھتے کیونکہ اسی نے لکھی گئی ہے اس ایڈیشن
 میں ہم نے اس حدیث سے دفاع» کا اضافہ کر دیا ہے۔
 علماء کہتے ہیں کہ حدیث کا اطلاق صرف رسولؐ کے قول، فعل اور تقریر پر ہوتا ہے،

۱۔ ترجمہ کا نام حدیث سے دفاع رکھا گیا ہے، مترجم

دین میں سنت کی حیثیت

سنت قولیہ کو علماء نے دین میں تیسرے درجہ پر رکھا ہے، یہ سنت عملیہ کے بعد آتی ہے اور سنت عملیہ کا مرتبہ قرآن کے بعد ہے کیونکہ قرآن مجید تواتر کے ساتھ آیا ہے لہذا اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے، اس لحاظ سے قرآن مجید کا جزو وکل یقینی ہے لیکن سنت متواتر طریقہ سے نہیں آئی ہے لہذا وہ کلی طور پر ظنی ہے اگرچہ کچھ یقینی بھی ہے، دین میں جس کو دوسرا درجہ دیا گیا ہے وہ سنت عملیہ ہے،
اعلام شاطبی فرماتے ہیں:

- ① کتاب "خدا" کے بعد سنت کا اعتبار کیا جاتا ہے اس کی چند وجوہ ہیں، قرآن مجید یقینی ہے، اس سے یقین حاصل ہوتا ہے، سنت ظنی ہے قرآن کا بعض حصہ ہی یقینی نہیں ہے بلکہ پورے کا پورا یقینی ہے جبکہ سنت کا بعض حصہ یقینی ہے، یقینی ظنی پر مقدم ہے، پس کتاب سنت پر مقدم ہے،
- ② سنت یا تو قرآن کیلئے بیان ہے یا زائد ہے اگر بیان ہے تو اس کی ثانوی حیثیت ہے کیونکہ مبین کا ساقط ہونا اس کے سقوط کو مستلزم ہے جبکہ اس کے برعکس صحیح نہیں ہے اور جس کی یہ شان ہو اسے مقدم ہونا چاہیے اور اگر سنت قرآن کیلئے بیان نہیں ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے مگر یہ کہ کتاب میں کوئی چیز نہیں ہے تو اس کی نوبت ہے، یہ قرآن کے مقدم ہونے کی دلیل ہے،
- ③ جس چیز پر اخبار اور آثار جیسے معاذ کی حدیث دلالت کر رہے ہیں ان سے

رسولؐ نے دریافت کیا تم کس چیز سے فیصلہ کرو گے ؟ عرض کی کتاب خدا سے، فرمایا: اگر اس میں نہ ملے ؟ عرض کی سنت رسولؐ سے فیصلہ کروں گا فرمایا: اگر اس میں بھی نہیں ملے ؟ عرض کی اپنا اجتہاد کروں گا۔ اس کے بعد شاطبی نے عمر اور ابن مسعود اور ابن عباس سے بہت سی چیزیں نقل کی ہیں جو کہ اثبات مدعا پر دلیل ہیں، کہتے ہیں اعتبار کے مراتب میں سنت قرآن کے برابر نہیں ہے،

شاطبی ہی کا قول ہے کہ ”سنت احکام کتاب کے معانی کیلئے شرح و تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس پر یہ قول دلالت کر رہا ہے ”تبین للناس ما نزل الیہم“ پھر معانی کے لحاظ سے سنت کی بازگشت کتاب خدا ہی کی طرف ہے، سنت قرآن کے اجمال کی تفصیل اس کی مشکل کیلئے بیان اس کے اختصار کیلئے شرح، اس مدعا پر خداوند تعالیٰ کا یہ قول دلالت کر رہا ہے ”وانزلنا الیک الذکر تبیین للناس ما نزل الیہم“ سنت میں کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جس کو قرآن نے اجمالی یا تفصیلی طور پر بیان نہ کیا ہو، پس جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن شریعت کے کلیات و اصول کو حاوی ہے، وہ ہماری بات کا ثبوت ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ: ”وانزلنا علی خلق عظیم“ اس آیت کی مائشہ نے یہ تفسیر بیان کی ہے کہ آپؐ کا خلق قرآن ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسولؐ کے قول و فعل اور تقریر، سب کی بازگشت قرآن کی طرف ہے کیونکہ خلق ان ہی تین چیزوں میں منحصر ہے اور چونکہ خدا نے قرآن کو ہر چیز کا واضح کرنے والا قرار دیا ہے اس لئے سنت کو بھی اجمالی طور پر قرآن میں ہونا چاہیئے پھر پہلے امر و نہی قرآن میں بیان ہوئے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے: ”ما فرطنا الیک کتاب من شیء“ یعنی ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی، پھر ارشاد ہے: ”الیوم اکملت لکم دینکم“ یعنی قرآن نازل کر کے ہم

۱۔ الموافقات ص ۳ ج ۴، اور اس کے بعد مذکورہ حدیث سنن ترمذی میں ملاحظہ فرمائیں

نے تمہارا دین کامل کر دیا ،
 سنت قرآن کیلئے بیان ہے ، مکمل استقراء بھی اس پر دال ہے ، لہذا کتاب میں اس
 مدعا پر دلیلیں بیان ہو چکی ہیں کہ سنت کی بازگشت کتاب خدا ہی کی طرف ہے ، ورنہ سنت
 کو قبول نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن ہی اصل ہے ، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنت کی اطاعت کی جائے
 گی کہ وہ قرآن کیلئے بیان ہے پس کتاب خدا پر عمل کرنا خدا کی طاعت ہے اور رسول کی طاعت اس چیز
 پر عمل کرنے میں ہے جس سے آپ نے قول و عمل اور حکم کے ذریعہ کتاب خدا کو بیان کیا ہے اور اگر سنت
 میں ایسی کوئی چیز ہوتی جس کا کتاب میں کہیں نشان نہیں ہے تو وہ اس کیلئے بیان نہیں ہو سکتی اور نہ
 اس وجہ سے وہ سنت سے خارج ہو سکتی ہے ،
 کہتے ہیں سنت مجمل کی وضاحت کرتی ہے ، مطلق کو مقید بناتی ہے اور علوم
 کو تخصیص لگاتی ہے ،
 نیز کہتے ہیں : سنت کتاب خدا کو بیان کرنے اور اس کے معنی کی شرح کیلئے
 آئی ہے ،

امام احمد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جو کہ اس سلسلہ میں تھی کہ
 سنت کتاب خدا پر حکم لگاتی ہے تو انہوں نے کہا : میں نے یہ کہنے کی جسارت نہیں کی ہے
 لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ سنت ، قرآن کیلئے تفسیر اور اس کو بیان کرنے والی ہے ،
 امام مالک علی مستمر کے سلسلہ میں پوری رعایت کرتے تھے اور اس کے ماسواء
 کو چھوڑ دیتے تھے اگرچہ اس کے بارے میں حدیث بھی ہوتی ، کہتے ہیں : مجھے وہ احادیث
 بہت پسند ہیں کہ جن پر لوگ متفق ہیں ،
 آؤسی کی تفسیر روح البیان میں ” رقم ہے کہ امام شافعی نے فرمایا :

جن چیزوں کا رسولؐ نے حکم دیا اسے آپؐ نے قرآن ہی سے سمجھا تھا۔
 امام شافعی کہتے ہیں:
 کسی بھی صورت میں سنت کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہو سکتی،
 فقیہ و محدث سید رشید رضا فرماتے ہیں:

رسولؐ اپنے قول و فعل کے ذریعہ قرآن کو بیان کرنے والے ہیں اور بیان میں تفصیل، تخصیص اور تقييد داخل ہے، لیکن بیان میں قرآن کے کسی بھی حکم کو باطل کرنا اور اس کی خبروں میں سے کسی خبر کی تردید کرنا داخل نہیں ہے اسی لئے سنت قرآن کو منسوخ نہیں کر سکتی ہے، دین میں کتاب خدا کا پہلے درجہ پر اور سنت علی کا دوسرے درجہ پر اعتبار ہے کہ جس پر سب متفق ہوں اور جو رسولؐ سے ثابت ہوں اور آحاد حدیثوں میں جو روایت دلالت ہے وہ تیسرے درجہ پر ہے جس نے متفق علیہ حدیث پر عمل کیا وہ یقیناً آخرت میں نجات پائے گا اور خدا کا مقرب ہوگا، اسے غزالی نے ثابت کیا ہے،

دینی امور میں کلام رسولؐ کی حیثیت،

دینی امور میں کلام رسولؐ کی حیثیت کو ہم ائمہ کبار کے لحاظ سے پیش کر چکے ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ دینی امور میں آپؐ کے کلام کی کیا حیثیت ہے، اسی کو علماء امر ارشاد کہتے ہیں یہ امر تکلیف اور قواعد اصولیہ کے مقابلہ میں ہے، امر ارشاد پر عمل کرنا واجب ہے نہ مندوب، کیونکہ اس میں قصد قربت نہیں ہے اور نہ ہی معنی تعبد ہے اور یہ بات واضح ہے کہ کسی چیز کا وجوب و ندب خاص دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ تبلیغ کے وقت کے علاوہ انبیاء معصوم نہیں ہوتے، سفارینی اپنی شرح العقیدہ میں لکھتے ہیں ۱۔
ابن حمدان نہایتہ المبتدئین میں لکھتے ہیں: انبیاء خدا کے پیغام کو پہنچاتے وقت معصوم ہوتے ہیں اس کے علاوہ خطاء و نسیان اور گناہ صغیرہ سے معصوم نہیں ہوتے ہیں ارشاد میں ابن عقیل لکھتے ہیں:

انبیاء افعال میں معصوم نہیں ہوتے ہیں ہاں جو چیز وہ خدا کی طرف سے پہنچاتے ہیں ان میں جھوٹ بولنا ان کے لئے جائز نہیں ہے، لیکن شیعہ علماء اس کا انکار کرتے ہیں ان کا اجماع ہے کہ انبیاء سے خطا سرزد نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ان پر سہو و نسیان طاری ہوتا ہے اس بات پر بھی ان کا اجماع ہے کہ انبیاء معصوم عن الخطاء ہیں یہاں تک کہ امور دنیا میں بھی، یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول بعض ان چیزوں کی تصدیق کرتے تھے جس کا آپ پر منافقین اتہام لگاتے تھے جیسا کہ غزوہ تبوک وغیرہ میں ہوا تھا آپ کی بعض ازواج نے بھی اس کی تصدیق کی ہے، حدیث افک کے بارے میں آپ ایک زمانہ تک پریشان رہے جب آپ پر آیت برأت نازل ہوئی تو حقیقت سے پردہ ہٹا اور آپ آگاہ ہوئے قاضی عیاض لکھتے ہیں:

امور دنیا سے متعلق آپ کے حالات کچھ اس طرح تھے کہ ایک چیز کے ظاہر کو دیکھ کر آپ اس کے معتقد ہوتے اور وہ اس کے برخلاف ظاہر ہوتی، امور شرع کے برخلاف آپ کو شک و گمان ہوتا تھا، رافع بن خدیج سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا: رسول مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کھجوروں کو جوڑے، تلیق، دے رہے تھے، پوچھا کیا کر رہے ہو۔؟ انہوں نے کہا: ہم کھجوروں کے جوڑے لگا رہے ہیں، فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو بہتر تھا

یہ سنکر انہوں نے اپنے کام سے دست کشی اختیار کر لی، لیکن پھل نہ لگا تو انہوں نے رسولؐ شے نکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: میں ایک بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی چیز کا حکم دوں تو تم اس پر عمل کیا کرو اور جب میں اپنی رائے سے تمہیں حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں، انس کی روایت میں ہے: تم اپنے دنیوی کام کو مجھ سے بہتر جانتے ہو، ایک اور حدیث میں ہے: میں نے ایک گمان کیا تھا تم گمان میں میرا اتباع نہ کیا کرو، اور قصہ خرص میں ابن عباس کی حدیث میں آیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: میں بشر ہوں اگر میں خدا کی طرف سے تمہیں کچھ بتاؤں تو وہ حق ہے اور جو اپنی طرف سے بتاؤں تو میں بھی بشر ہوں مجھ سے غلط صحیح کام ہوتے ہیں،

یہ تو امور دنیا کے سلسلے میں اور ان کے بارے میں اپنے گمان سے متعلق بیان فرمایا ہے جب رسولؐ بدر کے کم پانی والی جگہ اترے جہاں بنی نضیر نے عرض کی: کیا اس منزل پر آپؐ کو آپ کے خدائے اتارا ہے، آگے بڑھنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں ہے یا یہ نظریہ ہے، جنگ کی ٹیکنگ ہے۔؟ آپؐ نے فرمایا: یہ جنگ کیلئے ایک دھوکہ ہے اور میری رائے یہی ہے کہ: تو یہ منزل نہیں ہے! اٹھئے تاکہ قوم سے کچھ پانی لائیں،

تنہا حکم رسولؐ واجب نہیں ہے

محمد بن حنفیہ نے اپنے والد امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ام ابراہیم ماریہ قطیفہ کے پاس ان کے چچا زاد بھائی کی آمد و رفت بہت زیادہ ہو گئی تھی، رسولؐ نے مجھ سے فرمایا: تلوار اٹھاؤ اور جاؤ اگر وہ ماہیہ کے پاس ملے تو قتل کر دو، میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ جب آپؐ مجھے بھیجیں گے تو آپؐ کا حکم

میرے لئے واجب اطاعت ہے جو امر ہو گا میں اسے گزر دوں گا، لیکن کیا شاہدہ دیکھتا ہے جو غائب نہیں دیکھتا؟ رسولؐ نے فرمایا: ہاں شاہدہ جو دیکھتا ہے وہ غائب نہیں دیکھتا، پس میں تلوار نیکر روانہ ہوا وہاں پہنچا تو اسے ماریہ کے پاس پایا میں نے تلوار کھینچ لی اور اس کی طرف بڑھا تو وہ سمجھ گیا کہ میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں تو وہ ایک کھجور پر چڑھ گیا اور فوکھمر کے بل گر دیا اور ٹانگیں اٹھائیں تو دیکھا کہ اس کے پاس آکہ رجویت ہی نہیں ہے تو میں نے تلوار کو نیام میں رکھ لیا اور رسولؐ کے پاس لوٹ آیا اور واقعہ سے باخبر کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا: شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم اہلبیتؑ سے برائی کو دور رکھا، شریف مرتضیٰ نے اس خبر پر حاشیہ لگاتے ہوئے لکھا ہے:

تنہا رسولؐ کا حکم وجوب کا اقتضا نہیں کرتا ہے کیونکہ اگر وجوب کا اقتضا کرتا تو حضرت علیؑ کا واپس لوٹنا مستحسن نہیں تھا، اور ان کا واپس لوٹنا مستحسن ہے پس مطلق ہو کہ امر رسولؐ وجوب کو مقتضی نہیں ہے۔

ابن جبلی نے اپنی کتاب طبقات الاطباء والحکماء میں سعد بن ابی وقاص سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ایک دفعہ میں مریض ہو گیا تو رسول خداؐ میری عیادت کیلئے تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا: حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ کہ وہ طبیب آدمی ہے، پھر رسولؐ نے اطباء کو اور ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیا۔

۱۶۲۱ھ

۱- و التبت باخا: شہزادہ یوسف باخا کی جہت سے ملے
ج: لہذا: ان کے ممبران کی خدمت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

و التبت سے ملے باخا: شہزادہ

یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

ج: لہذا: ان کے ممبران کی خدمت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

۱۶۲۱ھ

یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

ج: لہذا: ان کے ممبران کی خدمت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

و التبت سے ملے باخا: شہزادہ یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

ج: لہذا: ان کے ممبران کی خدمت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

و التبت سے ملے باخا: شہزادہ یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

ج: لہذا: ان کے ممبران کی خدمت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

و التبت سے ملے باخا: شہزادہ یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

تبت سے ملے باخا: شہزادہ یوسف باخا کی جہت سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے اور ان کے ممبران سے ملے

کثرت ہو گئی تھی انہوں نے لوگوں سے کہا کہ :
 ساری حدیثوں کو میرے پاس لے آؤ جب لوگوں نے ان کے پاس جمع کر دیں تو خلیفہ
 نے انہیں جلانے کا حکم دے دیا پھر کہا یہ اہل کتاب کا راستہ ہے اس دن سے
 ابوالقاسم بن محمد نے مجھے احادیث لکھنے سے منع کر دیا ،
 زید بن ثابت معاویہ کے پاس گئے تو معاویہ نے ان سے کسی حدیث کے بارے میں
 پوچھا اور کسی آدمی سے کہا کہ اسے لکھ لو زید نے اس سے کہا :
 ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم آپ کی کوئی حدیث نہ لکھیں تو اس نے اسے مٹا دیا ،
 عبداللہ بن یسار سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا :

میں نے علیؑ کو خطہ دیتے ہوئے سنا کہ آپ نے فرمایا :
 میں ہر اس شخص کو قسم دیتا ہوں کہ جس کے پاس کوئی چیز لکھی ہوئی ہے وہ اسے مٹا
 دے کیونکہ وہ لوگ ہلاک ہو گئے جنہوں نے کتاب خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء کی کتابوں
 کا اتباع کیا ،

اسود بن ہلال سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : عبداللہ ابن مسعود ایک صحیفہ لائے کہ
 جس میں کچھ حدیثیں تھیں پس پانی طلب کیا اور پورے صحیفہ کو دھو دیا اور پھر جلانے کا حکم دیدیا پھر
 کہا میں ہر اس شخص کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس کو کسی کے پاس صحیفہ موجود ہوئے کا علم ہے کہ وہ اس
 سے مجھے آگاہ کرے ، خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ صحیفہ ہندوستان کے مندر میں ہے تو
 بھی میں اسے حاصل کروں گا ان کی وجہ سے تم سے پہلے وہ لوگ ہلاک ہو گئے انہوں نے کتاب
 خدا کو پس پشت ڈال دیا تھا گویا وہ اسے جانتے ہی نہیں تھے ، مذکورہ حدیث کے علاوہ بھی بہت
 سی حدیثیں ہیں ، شائقین عبدالبر کی بیان العلم و فضلہ اور بغدادی کی تفسیر العلم ملاحظہ فرما سکتے
 ہیں ، اگرچہ بعض احادیث ایسی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احادیث لکھنے کی اجازت تھی ،
 لیکن مانعیت والی احادیث زیادہ قوی اور صحیح ہیں بلکہ عہد صحابہ و تابعین میں ان ہی پر عمل ہوا ہے

فقہ محدث سید رشید رضا رحمۃ اللہ نے احادیث لکھنے کی ممانعت و اجازت کے سلسلے میں تعادل و تراجم کے عنوان سے ایک فصل قائم کی ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں تاکہ اس سلسلے میں حق کو حاصل کر لیا جائے۔

حدیث لکھنے کی ممانعت میں وہ چیزیں صحیح ترین ہیں جسے احمد نے اپنی مسند میں، مسلم نے اپنی صحیح میں اور عبد الباقی نے کتاب العلم میں سعید بن خدری سے مرفوعاً نقل کیا ہے، مجھے ہے قرآن کے علاوہ کوئی چیز نہ لکھا کرو اور اگر کساں قرآن کے سوا کچھ لکھ لیا ہے تو اسے

مٹا دے،

اور احادیث لکھنے کے سلسلے میں جو صحیح ترین روایت منقول ہوئی ہے وہ ابو ہریرہ کی روایت ہے جو صحیحین وغیرہ میں مرفوع طریقہ سے نقل ہوئی ہے » اکتبوا لابن شاہ « یہ ابو سعید کی حدیث کے معارض نہیں ہے، ہمارے قاعدے کے لحاظ سے اس میں رسولؐ نے حدیث لکھنے سے منع کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ قرآن کی طرح حدیث نویسی کو اپنا دین نہ بناؤ، ایسے ہی حدیث لکھنے کا حکم جو کہ آپؐ نے فتح مکہ کے روز دیئے جانے والے خطبہ میں دیا تھا اس کا موضوع حرمت مکہ وغیرہ تھا رسولؐ کا یہ خطبہ بھی قرآن کیلئے بیان تھا جس کی آپؐ نے فتح مکہ کے دن اور حجۃ الوداع میں تصریح فرمائی اور اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا تھا، پس یہ خاص حکم ہے جو حدیث نویسی کی عام ممانعت سے مستثنیٰ ہے اور بخاری نے اپنی صحیح کے باب اللقطۃ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ابو شاہؓ نے رسولؐ سے مذکورہ خطبہ کو لکھنے کی اجازت مانگی تھی سو رسولؐ نے مرحمت فرمائی تھی،

اگر ہم یہ فرض بھی کریں کہ حدیث نویسی کے حکم اور حدیث نویسی کی ممانعت والی حدیثوں میں تعارض ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کیلئے ناسخ ہوگی تو اس وقت ہم حدیث نویسی کی ممانعت والی حدیث کے متاخر ہونے پر دو طریقوں سے استدلال کر سکتے ہیں،

- ① اس حدیث کے ذریعہ جو حدیث نبوی کی ممانعت کے سلسلہ میں صحابہ سے نقل ہوئی ہے اور یہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد نقل ہوئی ہے،
- ② صحابہ نے نہ حدیث کی تدوین کی اور نہ اس کی نشر و اشاعت کی اگر صحابہ اس کی تدوین اور نشر و اشاعت کرتے تو ان کی تدوین کردہ حدیث کی کثرت ہوتی،

اور حضرت علیؑ نے جو قسم دے کر فرمایا ہے کہ اگر کسی کے پاس حدیثیں تحریری صورت میں موجود ہیں تو انہیں مٹا دے، یا ابوسعید خدری کا یہ قول کہ تم انہیں مصاحف بنا نا چاہتے ہو پہلی روایت میں حدیث لکھنے یا نہ لکھنے کے خیال کو وقتِ عزنِ خطاب کا یہ قول کہ: کتابِ خدا کے برابر کوئی کتاب نہیں ہے، اور دوسری روایت میں حدیث لکھنے سے متعلق مشورہ کے بعد یہ کہنا خدا کی قسم میں کتابِ خدا کو کسی چیز سے مخلوط نہیں ہونے دوں گا اور ابن عباس کا یہ قول: ہم علم کو قلم بند کرتے تھے لیکن لکھنے نہیں دیں گے یعنی ہم کسی کو ایک دوسرے سے حدیث لکھنے کی اجازت نہیں دیں گے، اور دوسری روایت میں حدیث لکھنے سے منع کرنا یا زید بن ثابت کا اپنے صحیفہ کو محو کرنا پھر اسے نند آتش کر دینا اور پھر یہ کہنا کہ میں اللہ کو یاد دلاؤں کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کوئی یہ جانتا ہے کہ کوئی صحیفہ کہیں اور موجود ہے تو اسے دور دراز جگہ پر ہو تو مجھے اس سے مطلع کرے تاکہ میں وہاں پہنچ کر اسے نند آتش کر دوں اور ابن عمر سے سعید بن جبیر نے جو قول نقل کیا ہے اگر وہ یہ جان لیتے کہ اللہ سے کھانے حدیث لکھی ہے تو یہ دونوں کے درمیان جدائی اور فاصلہ کا سبب بن جاتا،

اور عبداللہ ابن مسعود کا اس صحیفہ کو محو کر دینا کہ جس کو عبدالرحمن بن اسود اور علقمہؓ

ابو نضرہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابوسعید خدری سے کہا: کیا ہم ان چیزوں کو نہ لکھیں جو آپؐ سے سنتے ہیں ابوسعید نے کہا: کیا تم انہیں مصاحف بنا نا چاہتے ہو، بے شک تمہارے نبیؐ ہمارے سامنے حدیث بیان کرتے تھے اور ہم حفظ کرتے تھے، تقییدِ اعلم ص ۴۴،

تھے اور پھر ان کا یہ کہنا : یہ قلوب ظریف ہیں انھیں قرآن سے پر کر دو اور قرآن کے سواء کسی اور چیز سے پر نہ کر دو،

یہ تمام روایتیں کہ جن کو عبد البر نے نقل کیا ہے یا ان کے علاوہ جو دوسروں نے نقل کی ہیں جیسے ابو بکر نے اپنی لکھی ہوئی احادیث کو نذر آتش کر دیا تھا یا تابعین کو صحابہ سے کوئی صحیفہ نہیں ملا تھا اور تابعین نے بھی حدیث کو نشر کرنے کیلئے جمع نہیں کیا تھا ہاں حاکموں کے حکم سے جمع کیا تھا ان تمام چیزوں سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صحابہ و تابعین کسی چیز کو محفوظ رکھنے کیلئے لکھ لیتے اور پھر اسے محو کر دیتے تھے،

حدیث بیان کرنے کے سلسلہ میں صحابہ کبار کو کوئی ٹیپ پیس نہیں تھی بلکہ بیان نہ کرنے میں رغبت تھی بلکہ اس سے باز رکھنے میں بھی شغف تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ حدیث کو قرآن کی طرح اپنا دائمی دین بنائیں، اگر رسول کی کئی بات سے وہ یہ سمجھ لیتے کہ آپ حدیث لکھنے کو پسند فرماتے ہیں تو ضرور لکھتے اور لوگوں کو اس کے لکھنے کا حکم دیتے اور لکھے ہوئے پر بزرگان ضرور متفق ہوتے اور جو یقینی ہوتا اسے ضبط تحریر میں لاتے اور اسے اپنے عال و کارندوں کے پاس بھیجتے تاکہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائیں اور خود اس پر عمل کریں اور قرآن و سنت متبعہ ہی پر جو کہ جمہور کے نزدیک مشہور ہے عمل کرنے پر اکتفاء نہ کرتے،

اس سے اس شخص کی بات رد ہو جاتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ حدیث نشر کرنے کے سلسلے

۱۔ حافظ ذہبی نے اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں عائشہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میرے والد نے رسولؐ کی پانچ سو حدیثیں جمع کی تھیں ایک روز ان کو رٹے بدل گئی اور مجھ سے کہا: بیٹی وہ حدیثیں میرے پاس لاؤ میں نے ان کے سپرد کر دیں تو انہوں نے انھیں نذر آتش کر دیا اور کچھ ڈر ہے کہ میں مرجاؤں اور یہ تمہارے پاس رہ جائیں اور اس میں ایسے آدمی کی حدیثیں موجود ہوں جن کو میں امین و موثق سمجھتا ہوں اور وہ ایسا نہ ہوں جیسا کہ مجھ سے حدیث بیان کی تھی اور میں اس کی تقلید میں اس جیسا بن جاؤں،

میں صحابہ نے صرف روایت پر اکتفا کیا اور جب میں ان تمام چیزوں پر عربی خطاب کے حکم کا اضافہ کرتا ہوں جو کہ انہوں نے صحابہ کے سامنے دیا تھا اور پہلی و دوسری صدی ہجری میں شہرہ و شہرہ علماء نے اس پر عمل کیا،

آپ کو ایسے علماء بھی ملیں گے، جنہوں نے متفقہ طور پر احادیث کو احکام شریعت کے اصول میں سے ایک اصل قرار دیا، حفاظ نے کتابوں میں جمع کرنے اور جس سے حجت قائم کی جاسکتی ہے اس کو اور جس سے نہیں کی جاسکتی دونوں کو بیان کرنے کے بعد صحیح کو مضبوط تحریر میں لانے اور ان پر عمل کرنے پر متفق نہ ہو سکے، مذاہب میں خصوصاً حنفی مالکی، شافعی میں جو فقہی کتابیں موجود ہیں ان میں سیکڑوں مسائل ایسے ہیں جو ان احادیث کے خلاف ہیں جن کو سب صحیح مانتے ہیں لیکن ان کو کوئی بھی اصول دین کے خلاف نہیں کہتا ہے،

ابو ہریرہ سے روایت کی گئی ہے کہ اس نے کہا: عبد اللہ بن عمر حدیث لکھ لیتا ہے اور میں نہیں لکھتا ہوں تو یہ کوئی حجت شرعی نہیں ہے اور نہ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابن عمر رسول اللہ کے حکم سے لکھتا تھا اور نہ ہی اس کو لکھتا ہوا دیکھ کر رسول اللہ خاموش رہتے تھے کہ جس سے حدیث نویسی کی ممانعت والی حدیث کے محارض قرار پائے پھر ابن عمر کا لکھا ہوا ہے وہ صرف ادعیہ ہیں، ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں کہ جہاں فقہان نے صحیح احادیث کو چھوڑ کر قیاس وغیرہ پر عمل کیا ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض فقہانے حدیث واحد کے ایک حصہ پر عمل کیا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے موصوف نے سانحہ سے زائد مثال پیش کی ہیں،

علماء نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ نے اس لئے اپنی حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ قرآن و احادیث مخلوط نہ ہو جائیں یہ ایسا سبب بیان کیا ہے جس سے نہ عالم و عاقل مطمئن ہو سکتا ہے اور نہ اسے محقق قبول کر سکتا ہے، مگر یہ کہ ہم بلاغت میں حدیث کو قرآن کے برابر اور اعجاز میں اس کے اسلوب کو قرآن کے اسلوب جیسا سمجھیں جب کہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے یہاں تک

کہ وہ بھی یہ کہتے ہیں جنہوں نے یہ رائے پیش کی ہے کیونکہ اس سے قرآن کا معجزہ ہونا ختم ہو جائیگا اور ساکھ گڑ جائے گی،

واضح رہے احادیث کو قلم بند کر لیا جاتا تو بھی وہ رسولؐ کی احادیث ہی رہیں اور قرآن و حدیث کے درمیان بہت فرق ہے اسے ہر وہ شخص جانتا ہے جو بلاغت و بیان کا ذوق رکھتا ہے اور پھر رسولؐ کے بعد صحابہ نے قرآن مجید کے مانند اس کے نسخے مختلف شہروں کو لکھوا کر پہنچا دیتے تو وہ حدیث ہی رہتی اور مسلمان انہیں کلام رسولؐ کی حیثیت سے لیتے اور سلا بعد سلا ایسا ہی ہوتا، نہ حدیث میں کسی چیز کو داخل کیا جاتا نہ اس میں تغیر ہوتا اور یہ سب کہ جس سے دشمن چمٹے ہوئے ہیں عہد ابوبکرؓ میں اس وقت ختم ہو گیا تھا جب قرآن کو ضبط تحریر میں لایا گیا تھا پھر عبداللہ بن عثمانؓ اس کی نسخہ برداری کی گئی اور شہروں میں اس کے نسخے پہنچائے گئے اس صورت میں قرآن مجید میں ایک حرف کا بھی اضافہ محال ہے اب کسی کے لئے اسباب و علل تراشنے کی گنجائش نہیں ہے پھر اصحاب کبار نے خود حدیث نہ لکھنے کا اصلی سبب بیان کیا ہے جسکو آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔

رسولؐ نے اپنی احادیث لکھنے سے اس لئے منع کیا تھا تاکہ تشریفی اوامر میں کثرت نہ ہو جائے اور اولہ احکام میں وسعت نہ ہو جائے یہ بات زیادہ صیح معلوم ہوتی ہے، اسی سے رسولؐ جتنے تھے یہاں تک کہ زیادہ سوال کرنے سے بھی کراہت کرتے تھے یا احادیث مخصوص امور سے متعلق ہوتی تھیں جن پر متعلق عمل کرنا صحیح نہیں تھا،

اس فصل کو ختم کرنے سے قبل ہم اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ جس کی اس لئے روایت کرتے ہیں کہ تمام احادیث کو قرآن کی طرح وحی رسولؐ قرار دے سکیں وہ حدیث یہ ہے:

مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور اس کا مثل اس کے ساتھ ہے،

دوسری روایت میں ہے کہ:

جان لو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کا مثل اس کے ساتھ ہے،

یہ حدیث اس سے زیادہ تعجب خیز ہے جو روایت کے سیلاب میں بہہ آتی ہے اسلئے کہ جب رسولؐ کو کتاب یا قرآن کے مثل ایک اور چیز دی گئی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چیز دین و شریعت کے بیان کیلئے قرآن کو کامل و تمام کرنے والی ہے اور جب وہ چیز اتنی اہم تھی تو رسولؐ نے اس کو خدا سے لیتے وقت اپنی حیات میں قرآن کی مانند اسے قلم بند کیوں نہ کر لیا؟ اور اس کیلئے ایسے کاتب کیوں نہ معین کئے جو اس کے نزول کے وقت اسے ضبط تحریر میں لاتے؟ جیسا کہ قرآن لکھنے کیلئے کاتب معین کئے تھے اور قرآن کے علاوہ تمام چیزوں کے لکھنے سے کیوں منع کیا اور ایسی اہم چیز سے غافل رہے اور فرمایا، قرآن کے علاوہ مجھ سے کوئی چیز نہ لکھا کرو یہ نہیں کہ مجھ سے قرآن اور اس چیز کے علاوہ کچھ نہ لکھا کرو جو مجھے عطا کی گئی ہے !!!

یہاں سائل کو یہ سوال کرنے کا حق ہے:

کیا یہ صحیح ہے کہ نبیؐ خدا کی وحی کو وہ چیزوں میں سے نصف کو بغیر قید و شرط کے اذہان کے اوپر چھوڑ دیں کہ بعض یاد رکھیں اور بعض کو فراموش کر دیں یا اس میں اضافہ کریں جیسا کہ غیر مدون کتاب میں ہوتا ہے کیا اس عمل کے ساتھ رسولؐ نے کما حقہ اپنی رسالت کی تبلیغ کر دی ہے اور مکمل طور پر امانتوں کو اس کے مستحقوں تک پہنچا دیا ہے !! اور پھر اس حدیث کی کیا حیثیت ہے جبکہ رسولؐ نے اپنی اس بیماری میں کہ جس کے بعد آپؐ اپنے رب سے جا ملے اور آیۃ الیوم نکلت کلم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا کے نزول کے بعد فرمایا تھا.....

میں نے اسی چیز کو حلال کیا ہے جس کو قرآن نے حلال کیا ہے اور اسی چیز کو حرام کیا ہے جس کو قرآن نے حرام کیا ہے اور پھر اس حدیث کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ لوگوں سے ابو بکرؓ فرماتے ہیں: ہمارے تمہارے درمیان قرآن ہے اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو!

اور پھر جب حالت احتضار میں رسولؐ نے » دوات و قلم مانگا تھا « تاکہ لوگوں کیلئے

ایک نوشتہ لکھ دی جس سے وہ آپ کے بعد گمراہ نہ ہوں تو عمر نے کہا تھا ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے،

اور عمر اس مثل کے ضائع ہونے سے کیوں نہیں ڈرے جو ان کے زعم میں رسول پر خدا کی نازل کردہ وحی کا نصف حصہ تھی اور جنگ یتامہ کے بعد جب ابو بکر قرآن جمع کرنے اور اسے رشتہ تحریر میں لانے کیلئے مجبور ہوئے تھے تو اس وقت اس مثل کا ان سے تذکرہ کیوں نہ کیا پھر جب عائشہ نے خلق نبیؐ کے بارے میں جواب دیا تھا تو اس وقت یہ کیوں نہیں کہا تھا کہ آپ کا خلق قرآن اور اس کے ساتھ اس کا مثل تھا؟ عائشہ نے صرف یہ کہنے پر اکتفاء کی کہ آپ کا خلق قرآن تھا،

اور اس مثل پر صحابہ نے کیوں توجہ نہ دی اور زمانہ ابو بکر میں اسے قرآن کی طرح کیوں نہ لکھا اور زمانہ عثمان میں قرآن کے ساتھ اس کی نسخہ برداری اور تقسیم کیوں نہ کیا؟ اگر جان بوجھ کر انہوں نے اتنا اہم کام چھوڑ دیا ہے تو انہوں نے وحی کے نصف حصہ کو نظر انداز کر دیا ہے اور سب گناہ گار ہوئے ہیں،

صحابہ اور روایت حدیث

اس سلسلے میں صحیح حدیثیں نقل ہوئی ہیں کہ رسولؐ نے اپنی حدیث لکھنے سے منع فرمایا ہے اور صحابہ نے اس ممانعت والی حدیث کو سنا ہے اور آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپؐ کی حدیث نہیں لکھی جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ بلکہ ہم صحابہ کو اس پر عمل پیرا نہیں بلکہ وہ روایات حدیث سے بھی اعراض کرتے ہیں اور دوسروں کو روایت حدیث سے منع کرتے ہیں اور اخبار قبول کرنے میں بے پناہ چھان بین کرتے تھے،

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تحریر کیا ہے ابن ابی ملیکہ کی مراسیل میں ہے کہ "ابو بکرؓ صدیق

نے اپنے نبی کی وفات کے بعد لوگوں کو جمع کیا اور کہا: تم لوگ رسولؐ سے حدیثیں نقل کرتے ہو اور ان میں اختلاف کرتے ہو تمہارے بعد اور شدید اختلاف ہوگا لہذا تم رسولؐ کی حدیثیں بیان نہ کرو جو تم سے سوال کرے اس سے کہدو: ہمارے تمہارے درمیان کتاب خدا ہے اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھو،

ابن عساکر نے محمد بن اسحق سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

مجھے صالح بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف نے خبر دی ہے عمر بن خطابؓ نے مرنے سے قبل اصحاب رسولؐ کی جانب عبداللہ حذیفہؓ، ابوذر اور ابوذر داء کو روانہ کیا اور سب کو جمع کیا اور کہا یہ کیسی احادیث ہیں جو تم رسولؐ سے دنیا میں پھیلا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کیا آپ ہمیں اس سے ڈرا رہے ہیں؟ عمر نے کہا: نہیں، لیکن میرے پاس ہی سکونت اختیار کرو اور مرتے دم تک میرے ساتھ رہو ہم تم سے کچھ حدیثیں لیں گے اور تمہیں کچھ حدیثیں دیں گے چنانچہ وہ عمر کے انتقال تک وہیں رہے،

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں شعبہ سے انہوں نے سعید بن ابراہیم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عمر نے ابوسعود، ابوذر داء اور ابوسعود انصاری کو قید کر لیا اور ان سے کہا: تم رسولؐ سے بہت زیادہ حدیث نقل کرنے لگے ہو مگر ان لوگوں کو مدینہ میں قید کیا تھا اور پھر عثمان نے انہیں رہا کیا تھا مگر

ابن عساکر نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے عمرؓ کو خطا ابوہریرہ سے یہ کہتے ہوئے سنا: تم رسولؐ کی حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں تمہیں تہاد وطن پہنچا دوں گا اور کعب الاحبار سے کہا: تم بالکل سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱، تاریخ التشریح الاسلامی للبخاری ص ۱۳۳، تمہید لتاریخ الفلسف الاسلامیہ ص ۱۴،

۲۔ النواصم من القواصم للابی بکر بن العربی ص ۷۵، ۷۶، ۷۷

تمہیں ارضِ قردۃ پر پہنچا دوں گا، اور ابوہریرہ اور کعب الا جبار سے یہی سلوک عثمان نے بھی کیا۔ ابن سعد اور ابن عساکر نے محمود بن لہید سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے عثمان کو منبر سے یہ کہتے ہوئے سنا: کس کیلئے ایسی حدیث بیان کرنا جائز نہیں ہے کہ جو عہد ابوہریرہ و زمانہ عمر میں نہیں سنی گئی نہ تو مجھے حدیث رسولؐ بیان کرنے سے منع کیا گیا اور نہ ہی میں آپ کے اصحاب سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوں لیکن میں نے رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: جس نے میری طرف اس بات کی نسبت دی جو میں نے نہیں کہی تھی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے،

حافظ مغرب بن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ میں قرظ بن کعب سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

ہم عراق کے قصد سے نکلے تو موضع صراط تک غرباء کے ساتھ آئے پھر ہم سے کہنے لگے کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں آیا ہوں ہم نے جواب دیا آپ ہمارے احترام و اکرام کیلئے آئے ہیں عمر نے کہا میں ایک حاجت کیلئے آیا ہوں یقیناً تم اہل شہر کے پاس پہنچو گے اور شہر کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح تم سے سوال کریں گے تو تم رسولؐ کی احادیث کے بارے میں گنگھو نہ کرنا اور میں تمہارے ساتھ ہوں، قرظ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں نے رسولؐ سے حدیث نقل نہیں کی،

دوسری روایت میں ہے کہ تم اہل قریہ کے پاس ضرور پہنچو گے جو کہ شہر کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح قرآن پڑھتے ہیں تم انہیں احادیث میں مشغول نہ کرنا قرآن کو بخوبی دیکھو کہ ساتھ پڑھا کرو اور رسولؐ سے تم بہت کم احادیث نقل کیا کرو میں تمہارا شریک ہوں جب قرظ پہنچے تو ان سے لوگوں نے کہا: ہم سے کوئی حدیث بیان کیجئے تو انہوں نے کہا: مجھے عمر نے منع کیا ہے۔

شافعی کی کتاب "ام" میں ربیع بن سلیمان کی روایت ہے کہ: جب قرظ آئے

۱ ابن عساکر ج ۲ ص ۱۲۰،

۲ حاکم نے مستدرک میں اسے صحیح کہا ہے ج ۱ ص ۱۰۲،

تو لوگوں نے کہا: ہم سے کوئی روایت بیان کیجئے تو انہوں نے کہا: ہمیں عمرؓ نے منع کیا ہے، عمرؓ کہتے تھے رسولؐ سے کم روایت کیا کرو مگر یہ کہ اس پر رسول اللہؐ نے عمل کیا ہو۔
 عمرؓ کے اس فعل پر تعجب نہ کیجئے، کیونکہ انہیں قرآن اور سنت علیہ ہی پر یقین تھا چنانچہ بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جب رسولؐ کا وقت آخر قریب آیا تو اس وقت گھر میں بہت سے لوگوں کے ساتھ عربی خطاب بھی موجود تھے رسولؐ نے فرمایا: لاؤ میں تمہیں ایک توشہ لکھ دوں کہ جس سے تم کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے اس پر عمرؓ نے کہا: رسولؐ پر درد کا غلبہ ہے اور تم لوگوں کے پاس قرآن موجود ہے، ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے دوسری روایت میں ہے کہ نبیؐ ہذیان بک رہے ہیں،

ابن سعد نے اپنی طبقات میں سائب بن زیاد سے روایت کی ہے کہ وہ مدینہ سے مکہ تک سعد بن وقاص کے ساتھ گئے لیکن ان سے رسولؐ کی کوئی حدیث نہیں سنی یہاں تک کہ ایسے ہی ٹوٹ آئے، جب اللہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو وہ عاجز آکر خاموش ہو جاتے تھے اور کہتے تھے مجھے خوف ہے کہ میں تم سے ایک بیان کروں اور تم اس میں سیکڑوں کا اضافہ کر دو گے اور سعد اصحاب کبار میں سے ہیں اور ان دس افراد میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے ۱

عمر بن یسوع سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

میں ایک سال تک عبد اللہ بن مسعود کے پاس آتا جاتا رہا لیکن پورے سال میں میں انہیں رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہوئے نہیں سنا اور نہ ہی یہ کہتے تھے کہ رسولؐ نے فرمایا: مگر یہ کہ دن نیا سا ڈھپیش آیا اور انہوں نے حدیث بیان کی کہا: قال رسول اللہؐ اور ان پر کرب طاری ہو گیا،

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۷،

۲۔ ص ۱۰۲،

یہاں تک کہ میں نے ان کا پیشانی سے پسینہ پیتے ہوئے دیکھا ہے، اس کے بعد کہا: انشاء اللہ یہ اس کے اوپر ہے یا اس سے قریب ہے یا اس سے دور ہے،

ابن سعد نے علقمہ بن قیس سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود شہر شب جمعہ شام کے وقت کھڑے ہوتے تھے، یعنی کچھ بیان کرتے تھے لیکن کبھی حدیث رسولؐ بیان نہیں کی صرف ایک یا دو قال رسولؐ کہیں نے ان کی طرف دیکھا تو عصا کے سہارے کھڑے تھے میں نے عصا کو منتشر نزل دیکھا دارقطنی نے عبدالرحمن بن کعب سے روایت کی ہے انہوں نے کہا: میں نے ابو قتادہ سے عرض کی مجھے کوئی ایسی چیز سنائیے جو آپؐ نے رسولؐ سے سنی ہو، کہنے لگے: میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میری زبان سے کوئی ایسی چیز نہ نکل جائے جو رسولؐ نہ کہتا ہو،

بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں طلحہ بن عبداللہ بن عمرو بن ابی وقاص، مقداد بن اسود اور عبدالرحمن بن عوف، کی صحبت میں رہا لیکن میں نے کسی سے بھی رسولؐ کی حدیثیں نہیں سنی وہ حدیث میں کچھ بیشی کے خوف سے بیان نہیں کرتے تھے۔

احمد اور ابویعلیٰ نے جہین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں مدینہ آیا اور عمر بن خطاب کے غلام اسلم سے ملاقات کی میں نے کہا: عمر کے توسط سے مجھے کوئی حدیث سنائیے انہوں نے کہا ڈرتا ہوں کہ کہیں کئی بیشی نہ ہو جائے، جب ہم عمر سے عرض کرتے تھے کہ ہمیں رسولؐ کی کوئی حدیث سنائیے تو وہ کہتے تھے، ڈرتا ہوں کہ میں اس میں کئی زیادتی نہ کر دوں، رسولؐ کا اثر ہے: جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا شہکانہ جہنم ہے،

ابن ماجہ نے عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں نے زید بن ارقم سے عرض کی: ہمیں رسولؐ سے نقل کر کے کوئی حدیث سنائیے انہوں نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں

بھول گیا ہوں، رسولؐ سے حدیث نقل کرنا بہت بڑا کام ہے،
ابن قتیبہ اپنی کتاب تادل مختلف الحدیث ۱ میں لکھتے ہیں: بہت سے بڑے
صحابہ اور رسولؐ کے خاص آدمی، جیسے ابو بکر، زبیر، ابو عبیدہ اور عباس بن عبدالمطلب
آپؐ سے بہت کم روایت کرتے تھے بلکہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ تو بالکل روایت
نہیں کرتے تھے جب کہ یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے،
اگر آپؐ بخاری و مسلم کی درق گردانی کریں گے تو ان میں اس امت کے امین ابو عبیدہ
عامر بن عبداللہ بن الجراح کی ایک بھی حدیث نہیں ملے گی، اسی طرح صحیحین میں رسولؐ کے غلام عبثہ
بن غزوہ، ابی کبشہ وغیرہ کی بھی روایت نہیں ملے گی،
اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں ہیں ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے آپؐ کے
سامنے ایک چھوٹی سی بات پیش کر کے اس فصل کو ہم ختم کرتے ہیں، ابن قیم کہتے ہیں: صحابہ
رسولؐ سے روایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسے بہت عظیم سمجھتے تھے، کم ہی بیان کرتے تھے
کہ اس میں کئی بیشی نہ ہو جائے اور جو چیز رسولؐ سے بارہا سنی ہوئی اسے بیان کرتے تھے اور صراحت نہیں
کرتے تھے کہ میں نے سنی ہے،

اخبار قبول کرنے میں صحابہ کا موقف

آپؐ جانتے ہیں کہ خلفاء راشدین اور بڑے صحابہ اور ان میں سے اہل فتویٰ رسولؐ سے
روایت نقل کرنے کے سلسلہ میں پرہیز کرتے تھے بلکہ بیان کرنے سے اعراض کرتے تھے کیوں کہ وہ

جاتے تھے کہ جو کچھ رسولؐ سے سنا ہے اسے صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ حافظ میں ہستی ہوئی بات محفوظ نہیں رہتی ہے اور جو سنی ہوئی بات کو محفوظ کر لیتا ہے اس کا اصلی حالت پر باقی رہنا ممکن نہیں ہے خواہ سنی والا کتنا ہی قوی حافظ کا حامل کیوں نہ ہو، اسی طرح وہ اس بات سے بھی مطمئن و مامون نہیں تھے کہ سنی والا اس میں رد و بدل نہیں کر لگا اور رسولؐ سے منقول چیز کو انہوں نے مکمل اصول و فروع دین کے عنوان سے پیش کیا ہے وہ بالمعنی حدیث کے بارے میں جانتے ہیں کہ اس میں لفظ بدل گئے ہیں اور لفظ بدل جانے سے اکثر معنی بدل جاتے ہیں، پھر رسولؐ کا کلام دوسروں کے کلام کی مانند نہیں ہے ممکن ہے آپؐ کے کلام کے ہر لفظ سے مخصوص معنی مراد ہو اور اسی لئے صحابہ اپنے دوسرے بھائیوں سے اخبار قبول کرنے میں سختی سے کام لیتے اور بے پناہ احتیاط کرتے تھے خود ابو بکر تنہا کسی سے اس وقت تک حدیث قبول نہیں کرتے تھے جب تک دوسرا اسکی گواہی نہیں دیتا تھا یہی صحیح اسناد کی شرط ہے ابو بکر کے حالات میں ذہبی لکھتے ہیں، اخبار قبول کرنے میں سب سے پہلے انہوں نے ہی احتیاط سے کام لیا ہے۔

ابن شہاب نے قبضہ سے روایت کی ہے کہ ان کی دادی ابو بکر کے پاس آئیں اور کہا: مجھے میرات دلو ایسے تو ابو بکر نے کہا: کتاب خدا کی رو سے تو تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے اور یہ میر علم میں نہیں کہ رسولؐ نے فرمایا ہو کہ فلاں چیز تمہاری ہے اس کے بعد لوگوں سے سوال کیا تو مغیرہ اٹھے اور کہنے لگے: رسولؐ نے اسے چھٹا حصہ دیا ہے، ابو بکر نے ان سے کہا کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔؟ محمد بن مسلمہ نے اس کی گواہی دی تو ابو بکر نے اس کا حصہ دلوادیا،

یہ تھا ابو بکر کا عمل، لیکن عمر اس سلسلہ میں بہت احتیاط کرتے تھے، ابن قتیبہ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیثؒ میں لکھتے ہیں زیادہ حدیث بیان

کرنے والے یا ایسی حدیث پیش کرنے والے پر کہ جس کے ساتھ کوئی گواہ نہ ہوتا تو عمر اس پر بہت سختی کرتے تھے اور انہیں کم روایت بیان کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس سے ان کا متعدد حدیث بیانی میں افراط کو اور اس کو منافق و فاجر اور کاذب کے جھوٹ سے محفوظ رکھنا تھا،

حدیث کو محفوظ رکھنے میں وہ اتنے حریص تھے کہ ایک روایت کے اوپر انہوں نے ابو ہریرہ کو مارا تھا اور کہا تھا کہ اگر اب روایت کرو گے تو تمہیں تمہارے شہر بیچ دوں گا، طبقات الحفاظ میں ذہبی لکھتے ہیں کہ نقل میں تثبیت کو محمد بن یحییٰ انہوں نے سخت قرار دیا اور جب خبر واحد میں شک ہوتا تھا تو توقف کرتے تھے،

بخاری نے سعید بن خدری سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں انصار کی ایک مجلس میں شریک تھا کہ حیران و پریشان ابو موسیٰ آئے اور کہنے لگے میں نے عمر سے تین مرتبہ اجازت مانگی نہ ملی تو لوٹ گیا، عمر نے کہا تمہیں کس نے منع کیا ہے؟ میں نے کہا: میں نے تین مرتبہ اجازت طلب کی جب نہ ملی تو واپس لوٹ گیا، رسول کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ اجازت طلب کرے اور اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جانا چاہیے عمر نے کہا اس پر بیٹہ قائم کرنا پڑے گا، مسلم نے مزید لکھا ہے۔ ورنہ تمہیں سزا دوں گا، ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم میں تمہارے پیٹ اور کمر میں درد پیدا کر دوں گا یا ایسا شخص لاؤ جو اس سلسلہ میں تمہاری گواہی دے، کیا تم میں سے کسی نے رسول سے یہ حدیث سنی ہے؟ ابی بن کعب نے کہا: خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ چلوں گا اگرچہ میں سب سے چھوٹا ہوں میں ان کے ساتھ گیا اور عمر سے کہا کہ رسول نے یہ فرمایا تھا،

دیکھو عمر اس چیز کے بارے میں کتنی سختی سے کام لیتے ہیں جس میں حلال و حرام کی بات نہیں ہے سوچئے کہ اگر حدیث اصول یا فروع دین سے متعلق ہوتی تو عمر کیا کرتے،

اس سے اس قصہ پر استناد کیا جاسکتا ہے کہ عمر خبر واحد قبول نہیں کرتے تھے اس سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ تنہا عادل کی خبر کو بھی اس وقت تک نہیں مانتے تھے جب تک کہ

دوسرا کوئی گواہی نہیں دیتا تھا، جیسا کہ شہادت میں ہے، ابن بطلال کہتے ہیں: اس سے خبر دلوانا
تثبت اخذ ہوتا ہے اس میں سہو وغیرہ جائز نہیں ہے، اس سے قبل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ عمر نے
ابو ہریرہ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا اور ابو ہریرہ کو جب پناہ حدیثیں ملتی ہیں یہ سب عمر کے انتقال
کے بعد کی ہیں، ابی سلمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہ سے کہا: کیا زمانہ عمر میں
بھی آپ ایسی ہی حدیث بیان کرتے تھے؟ کہنے لگے اگر زمانہ عمر میں اتنی حدیثیں بیان کرتا جتنی
تمہارے سامنے کرتا ہوں تو وہ مجھ پر کوڑے برسا دیتے،

رسول پر جھوٹ باندھنا

تمام برائیوں، رذیلتوں، کی جڑ جھوٹ ہے، اس میں کمی کو اختلاف نہیں ہے
اور انسان کی عادتوں میں انحراف سے بری عادت نہیں ہے اور جماعتوں میں بہتان سے برادر مخالفین
ہے، افراد و جماعت کے درمیان اگر کذب قابل علاج ہے تو اس کا علاج کرنا چاہیے ورنہ اس
سے ناقابل تلافی نقصان ہوگا اور سب اس کی پیٹ میں آجائیں گے لیکن جب رسول پر جھوٹ
باندھا جائے گا تو دوسروں پر جھوٹ باندھنے کے برابر نہیں ہوگا کیونکہ وہ عام دین رسول ہیں اور
تمام لوگوں کیلئے شریعت لانے والے ہیں،

طبرانی نے رافع بن خدیج سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول کا ارشاد ہے:
جھ پر جھوٹ نہ باندھو کیونکہ مجھ پر جھوٹ باندھنا دوسروں پر جھوٹ باندھنے کی مانند نہیں ہے
در پھر رسالت محمدیؐ نے عقائد میں کچھ ایسے اصول رکھے ہیں کہ جن میں سے ایک

۱۔ تاریخ ابو ہریرہ، شیخ المفیرۃ، میں اس سلسلہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے شائقین ملاحظہ فرمائیں،

۲۔ تذکر الخواص ص ۱۰۱، ۱۱،

اصول میں بھی بڑے سے بڑا عالم رد و بدل نہیں کر سکتا ہے اور عبارت میں کچھ ایسے احکام پیش کئے ہیں کہ جن میں کئی بیشی کرنا کسی کیلئے بھی جائز نہیں ہے اور نہ ان کی صورتوں اور زمانوں کو بدلنا جائز ہے یہ اس لئے ہے کہ دینی اعمال دو قاعدوں پر مبنی ہیں،

① عبادت صرف خدا کی ہوگی،

② ایسے کی جائیگی جیسے اس نے بتائی ہے،

عرائی اور اجتماعی نظم و نسق وغیرہ کیلئے دین نے عدل و رحمت خیر و مصلحت مساوات و حریت اور صدق و امانت کی ایک عام بنیاد قائم کر دی ہے،

چونکہ تدوین اور حفظ کے ذریعہ قرآن مجید محفوظ ہے اور احادیث رسول کی تدوین نہیں ہوتی ہے اور رسولؐ نے اس بات سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے کہ کوئی ان پر جھوٹ نہ باندھے اور خاص کر منہ کیلئے کہ بغیر تحریر کے آپ کی حدیث محفوظ رکھیں اور اس بات میں بڑی سختی کی ہے۔ یہاں تک رسولؐ پر جھوٹ باندھنے کی دنیا میں قتل اور آخرت میں عذاب جہنم کی سزا رکھی گئی ہے،

بخاری نے ربیع بن خراش سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے علیؑ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو! کیونکہ جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا وہ جہنم میں جائے گا اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ: اس حدیث کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو کہ مسلم نے غندر کے طریق سے شعبہ سے لفظ ”یلج النار“ کے ساتھ نقل کی ہے،

بخاری نے اس اور ابو ہریرہ سے لفظ ”متعداً“ کے اضافہ کے ساتھ نقل کی ہے اسی بخاری کے علاوہ دیگر کتب میں بھی مذکورہ لفظ کے اضافہ کے ساتھ نقل ہوئی ہے لیکن جو دقت نظر سے کام لے گا وہ اس حقیقت سے واقف ہو جائے گا کہ جو صحیح روایات اصحاب کبار کہ جن میں سے تین خلفاء راشدین ہیں سے نقل ہوئی ہیں ان کی دلالت اس بات پر ہے کہ اس حدیث میں لفظ ”متعداً“ نہیں تھا اور ہر صاحب عقل اس کو بعید از عقل سمجھتا ہے کہ رسولؐ نے یہ بات کہی ہوگی کیونکہ یہ عقل و اخلاق کے منافی ہے اور یہ دونوں چیزیں رسولؐ میں بدرجہ اتم موجود

تھیں کیونکہ کذب کے معنی کسی چیز کو واقع کے خلاف بیان کرنے کے ہیں یہ فعل عَمْدًا انجام پائے یا غلطی سے یہ نقطہ علماء کی مشہور اصطلاح، اور لاج، کے راستہ سے اس حدیث میں داخل ہو گیا ہے تاکہ اس لفظ کے ذریعہ وہ لوگ بری ہو جائیں جو کہ غیر عمدی طور پر رسولؐ کی طرف سے حدیث گڑھتے ہیں جیسا کہ مؤئین میں صالح لوگ گڑھتے تھے اور کہتے تھے: ہم رسولؐ کے حق میں حدیث وضع کرتے ہیں ان کے خلاف نہیں یا اس لفظ پر وہ روایت تکیہ کر سکیں جو کہ دوسروں سے غلطی یا وہم سے روایت کرتے ہیں تاکہ اس سلسلہ میں ان کو نقصان پہنچے کیونکہ محضی گناہ گار نہیں ہے، اور اس لئے روایت نے یہ مشہور قاعدہ بنایا ہے، جھوٹ وہ ہے جو جان بوجھ کر بولا جائے،



حدیث من کذب کی حقیقت

ہم یہاں اپنے مسلک پر چند دلیلیں پیش کرتے ہیں،
ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں اور ابن عساکر نے محمود بن لبید سے روایت
کی ہے ابن سعد نے اس طرح نقل کیا ہے،
لبید کہتے ہیں میں نے منبر سے عثمان بن عفان سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کھایا کیلے بھی
اس حدیث کو نقل کرنا جائز نہیں ہے جو ابو بکر و عمر کے زمانہ میں نہ سنی گئی ہو بلکہ مجھے رسولؐ سے حدیث
نقل کرنے سے منع نہیں کیا گیا ہے میں آپ کے اصحاب میں زیادہ محفوظ رکھنے والا نہیں ہوں مگر میں نے
رسولؐ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ جس نے میری طرف اس بات کا نسبت دی جو میں نے نہیں کہا ہے
تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے،
احمد دارمی، اور ابن ماجہ وغیرہ نے یہی قول روایت کیا ہے اور انہوں نے رسولؐ سے نقل کیا ہے کہ

آپ نے فرمایا: مجھ سے زیادہ روایت نقل کرنے پر بزرگروہیں جو مجھ سے نقل کرے اسے حق و صدق بیان کرنا چاہئے پھر اگر کسی نے میری طرف اس بات کی نسبت دی جو میں نے کبھی تھی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے،

اس موضوع پر بہترین دلیل وہ حدیث ہے جو بخاری نے عامر بن عبد اللہ بن زبیر سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں: میں نے زبیر سے کہا: میں نے آپ سے فلاں فلاں کی طرح رسول کی حدیث نہیں سنی ہے کہنے لگے میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس نے جہنم میں اپنا گھر بنایا ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں تحریر کیا ہے: اس حدیث کو زبیر بن بکارت نے اپنی کتاب النسب میں ہشام بن عروہ سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن زبیر سے بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے اپنے والد سے کم روایت نقل کرنے کا سبب معلوم کیا تو کہا بیٹے میرے اور رسول کے درمیان قرابت تھی جیسا کہ تم جانتے ہو، ان کی بھوپھی میری والدہ ہیں اور ان کی زوجہ خدیجہ میری بھوپھی ہوتی ہیں اور آپ کی والدہ آمنہ اور میری جدہ حارہ و ہب بن عبد مناف بن زہرہ کی بیٹیاں تھیں اور اب میری زبیر بن ہارہ کی والدہ کی بہن عائشہ ان کے — نکاح میں ہیں میں نے انہیں فرماتے ہوئے سنا جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ دارمی نے اس حدیث کو دوسرے طریقہ سے نقل کیا ہے ابو داؤد، نسائی ابن ماجہ، دارمی اور دارقطنی نے اسی طرح حدیث نقل کیا ہے اور کہا: خدا کی قسم انہوں نے مستحداً نہیں کہا تھا اور تم مستحداً کہتے ہو، ابن قتیبہ نے اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں روایت کی ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ابن قتیبہ کہتے ہیں میرے خیال میں مستحداً کی لفظ حدیث میں لوگوں نے بڑھا دی ہے میں نے نہیں سنا کہ مستحداً کہا ہو ابن حجر نے اس حدیث کی شرح

میں تحریر کیا ہے کہ یہ حدیث اس بات پر بہترین دلیل ہے کہ جھوٹ وہ چیز ہے کہ جو آپ کی طرف نسبت دے جائے اور وہ آپ نے نہ فرمائی ہو خواہ جان بوجھ کر نسبت دی جائے یا غلطی سے اگرچہ اس بات پر اجماع ہے کہ غلطی پر گناہ نہیں ہے ہو لیکن زبیر نے اسی لئے زیادہ حدیث بیان نہیں کی کہ کہیں غلط واقع ہو جائے اور اسے خبر بھی نہ ہو سکے، اگرچہ جھوٹ سے کسی فعل کا انجام دینے والا گناہ گار نہیں ہے لیکن اس وقت یقیناً گناہ گار ہو گا جب وہ یہ جانتا ہو کہ زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے غلطی ہوتی ہے اور اس سے ایسی چیز نقل ہو جائے کہ جس پر ہمیشہ عمل ہوتا رہے تو یہ اس چیز پر عمل کا باعث قرار پائے گی شارع نے نہیں بیان کی تھی جو شخص زیادہ حدیث بیان کرنے سے نہیں ڈرتا ہے کہ جس میں خطا کا امکان ہے تو گناہ سے محفوظ نہیں ہے ممکن ہے آپ اس حدیث کے سلسلے میں زیادہ غور و فکر کریں اور اسے غیر کیلئے آئینہ قرار دیں،

حاکم نے مدخل میں تحریر کیا ہے کاذب کی وعدہ گاہ جہنم ہے اور اس سلسلہ میں مزید شدت کے ساتھ کہا گیا ہے جھوٹا جہنم میں جائے گا خواہ اس نے عمدی طور پر جھوٹ بولا ہو غلطی سے ابن عمر کی روایت کے مطابق رسولؐ نے فرمایا ہے: جو مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے اس کیلئے جہنم میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اپنے اس قول سے جسے عثمان بن عفان نے نقل کیا ہے اور شدت بڑھا دی ہے جس نے ایسی بات کہی جو کہ میں نے نہیں کہی تھی پس جو شخص رسولؐ سے بغیر کذب کے قصد کے کوئی چیز نقل کرے گا وہ بھی اسی زمرہ میں آئے گا،

ایک حدیث یہ بھی ہے کہ جس نے مجھ سے ایسی بات نقل کی جو میں نے نہیں کہی تھی تو اس

کا ٹھکانہ جہنم ہے،

علامہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کے سخت ترین الفاظ پڑھنے یا لکھنے میں غلطی کرنے والے غلط اعراب پڑھنے والے کو بھی شامل ہیں، یہ امام شافعی ہیں جن کے بارے میں علماء کہتے ہیں، وہ عالم قریش ہیں، وہ صاف و ستھری سنت کے معین بخاری و مسلم اور تمام اصحاب سنن سے قریب ہیں اور امام احمد کے استاد ہیں، اگر ہم ان سے رجوع کرتے تو ہم دیکھتے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے

کیا کیا ہے اور ان سے بہت سی احادیث کو پالتے جو کہ اس منہ میں نقل کی ہیں اور ان میں لفظ مستعد اکبریں نہیں ہے،

اب ہم آپ کے سامنے ان کے مشہور رسالہ ۱۷ سے چند روایات نقل کرتے ہیں،
 وائل بن الاسقع نے رسول سے روایت کی ہے کہ کہا: سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ جو بات میں نے نہیں کہی تھی اس کو میری طرف منسوب کیا جائے اور جس کی آنکھوں نے وہ دیکھا جو دیکھا نہیں جاسکتا اور جس نے اس کے باپ کے علاوہ دوسرے منسوب کیا
 ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: جو شخص مجھ پر جھوٹ کا بہتان باندھتا ہے اس کے لئے جہنم میں گھر بنایا جاتا ہے،

ام اسید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو قتادہ سے کہا: آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ رسول سے حدیث نہیں نقل کرتے جیسا کہ دوسرے لوگ نقل کرتے ہیں؟ قتادہ نے کہا: میں نے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اسے اپنے پہلو میں لگ کا بستر محسوس کرنا چاہیے،

یہ چیزیں شافعی نے اپنے رسالہ میں نقل کی ہیں اور کسی میں بھی لفظ مستعد وارد نہیں ہوا ہے لہذا عقل والے سے سننا چاہیے،

اسی طرح یہ لفظ ان کتابوں میں بھی نہیں ہے جن سے اس کی روایت کی گئی ہے،
 نووی حدیث من حدیث عثمانی بحديث یروى انہ کذب فهو احد الکاذبین، کی شرح میں لکھتے ہیں رسول پر احکام میں اور اس چیز میں جھوٹ باندھنے میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جس میں کوئی حکم نہیں ہے جیسے ترغیب و ترہیب اور وعظ و غیرہ اور ان مسلمانوں کے اجماع سے جھوٹ حرام ہے بہت بڑا گناہ اور بری چیز ہے کہ جن کے اجماع کی حیثیت ہے، یہاں تک لکھتے ہیں:

اہل حل و عقد نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ تمام لوگوں پر جھوٹ باندھنا حرام ہے تو اس پر جھوٹ باندھنا کتنا سنگین جرم ہوگا جس کا قول شرع اور کلام وحی ہے اس پر جھوٹ باندھنا خدا پر جھوٹ باندھنا ہے ۱

سید طحی کہتے ہیں: اس احتساز کی بنا پر خلفاء راشدین اور منتخب صحابہ رضوان اللہ علیہم رسولؐ سے زیادہ روایت کرنے سے ڈرتے تھے ان ہی میں سے ابو بکر، عمر، عثمان، علیؓ، طلحہ و زبیر، عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن مسعود، مقداد بن الاسود ابو ایوب انصاری، غلام رسولؐ ثوبان اور زید بن ارقم ہیں ... الخ۔

ابو بکرؓ کے سامنے اگر کوئی رسولؐ سے ایسی حدیث نقل کرتا تھا جو انہوں نے آنحضرتؐ سے نہیں سنی تھی تو دونوں خلیفہ اس حدیث پر اس سے بینہ طلب کرتے تھے اور حدیث نقل کرانے سے ڈراتے تھے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب قسم دیتے تھے، اور عبد اللہ بن مسعود رسولؐ سے نقل ہونے والی حدیث کے ذکر ہی سے متغیر ہو جاتے، سانس پھول جاتی، پسینہ پسینہ ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے اور کہتے تھے، یا یہ ہے یا اس جیسی ہے یہ سب کچھ کم و زیادتی سہو و نسیاں دین کیلئے احتیاط، شریعت کی حفاظت کے خوف سے اور طمع کرنے والے کی طمع کا قلع قمع کرنے کے لئے کرتے تھے تاکہ حق سے منحرف نہ ہو، یا رسولؐ سے ایسی چیز کے نقل کرنے کی جرأت نہ کرے جو آپؐ نے نہ فرمائی ہو یا دین میں ایسی چیز داخل کرے جس کا آنحضرتؐ سے تعلق نہ ہو اور ان ہی کے مسلک کی پیروی ہونے لگے،

مالک بن عبادہ سے مروی ہے کہ جبہ الوداع میں رسولؐ نے ہم سے عہد لیا تھا اور فرمایا تھا: تمہارے اوپر قرآن سے تمسک ضروری ہے تم عنقریب ایسی قوم کی طرف پلٹائے جاؤ گے جو مجھ سے حدیث نقل کرنے کو زیادہ دوست رکھتی ہوگا پس جس نے کچھ سمجھا ہے وہ حدیث بیان

کے لیکن جو مجھ پر جھوٹ باندھے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے
 یہ تھیں دو بیس جنہیں ہم نے رسولؐ کی اس حدیث من کذب علیؑ کہ جس میں لفظ
 "متمعداً" نہیں ہے "پر پیش کرنا مناسب سمجھا جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں آپؐ کو اصحاب
 کبار خلفاء راشدین، حواری رسولؐ زبیر بن العوام سے منقول ایسی روایات ملیں گی جن سے ثابت
 ہوگا کہ صحیح روایت میں لفظ متمعداً نہیں ہے، بے شک صاحبان عقل سلیم خلق کریم روایت میں متمعداً نہیں
 قبول کریں گے اس لئے کذب خواہ جان بوجھ کر بولا جائے یا غلطی سے تمام برائیوں کی جڑ ہے،

رسولؐ پر آپؐ کی حیات میں جھوٹ کا بہتان

شاید رسولؐ نے اس لئے جھوٹ سے ڈرایا تھا کہ آپؐ نے اپنی حیات ہی میں بعض لوگوں
 کو اپنے اوپر جھوٹ باندھتے ہوئے سنا یا تھا، ابن حزم ظاہری نے کتاب الاحکام فی اصول الاحکام
 میں لکھا ہے:

عبداللہ بن بریدہ، ابن الخطیب اسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: بخاریت
 میں جی، مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر رہتا تھا اس کے پاس ایک آدمی آیا جو طہ پہنے ہوئے تھا
 اس نے کہا: یہ حلقہ مجھے رسولؐ نے پہنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ تمہارے خون و اموال کے بارے میں
 جیسا چاہوں حکم دوں اصل میں زمانہ جاہلی میں اس نے ان میں سے ایک عورت سے پیغام دیا تھا،
 خاندان والوں نے اسے ٹھکرا دیا تھا اب وہ شخص اس عورت کے پاس گیا لوگوں نے رسولؐ کو مطلع
 کیا تو آپؐ نے فرمایا: دشمن خدا جھوٹا ہے، پھر ایک شخص کو بھیجا اور اس سے کہا: اگر وہ تمہیں
 زندہ ملے تو اس کی گردن مار دینا اور اگر مردہ پاؤ تو اس کی لاش کو جلا دینا،

ابن سعد نے طبقات میں اور طبرانی نے معنی تمیمی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسولؐ کی خدمت میں اپنے اونٹوں کا صدقہ سیکر حاضر ہوئے ... میں نے عرض کی ان میں دو اونٹ آپ کے لئے ہدیہ ہیں، فرمایا ہدیہ کو صدقہ سے جدا کر دو، لیکن میں چند روز تک رکارہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ رسول اللہؐ کی رقیق مضر کے پاس زکات وصول کرنے کیلئے خالد بن ولید کو بھیجا ہے میں نے کہا: خدا کی قسم ہم لوگوں کے پاس مال نہیں ہے میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: لوگ ایسی ایسی چہ میگوئیاں کر رہے ہیں رسولؐ نے اپنے ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ بٹل کی سفیدی نظر آنے لگی اور فرمایا: اے اللہ میں نے ان کے لئے یہ حلال نہیں کیا کہ مجھ پر جھوٹ باندھیں، مقنع کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ سے حدیث نقل نہیں کی مگر یہ کہ قرآن اور سنت علیہؑ سے بیان کیا ہوا اور شخص آپؐ کی حیات میں آپؐ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے وفات کے بعد اس کا کیا حال ہوگا؟ اس سلسلے میں بہت سی حدیثیں ہیں،

وفات رسولؐ کے بعد

جب آپؐ کی حیات ہی میں آپؐ پر جھوٹ باندھا جاتا تھا تو وفات کے بعد اس جھوٹ میں اضافہ ہونا ہی تھا، صحابہ کی کثرت تھی لوگ لوگ ہیں اور عمر کی موت کے بعد یہ جھوٹ اپنے عروج کو پہنچ گیا کیونکہ ان سے لوگ ڈرتے تھے یہاں تک کہ بے پناہ حدیثوں کو رسولؐ کی طرف منسوب کرنے سے بڑے بڑے صحابہ بھی گھبراتے تھے، سلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اپنی سند سے طاؤس سے نقل کیا ہے، بشیر بن کعب ابن عباس کے پاس آئے اور اس سے حدیث بیان کرنے لگے ابن عباس نے ان سے کہا: اس حدیث کو اس طرح دھراؤ انہوں نے دھرا دیا انہوں نے اس حدیث کو اس طرح دھراؤ انہوں نے دھرا دیا کہنے لگے میں نہیں جانتا؟ آپ میری کل حدیث جانتے ہیں؟ اس کا انکار کرتے ہیں یا میری کل حدیث کا انکار کرتے ہیں اور اسے جانتے ہیں؟ ابن عباس نے کہا:

ہم رسولؐ سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن جھوٹ نہیں باندھتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے ہرزم و سخت کو اختیار کرنا شروع کر دیا ہم نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی،

بشیر بن کعب عدوی ابن عباس کے پاس آئے اور حدیث بیان کرنے لگے اور کہنے لگے قال رسول اللہ: قال رسول اللہ: ابن عباس نے ان کی حدیث پر نہ کان دھرے اور نہ ان کی طرف نگاہ کی تو انہوں نے کہا: ابن عباس! آپ میری حدیث کو سن نہیں رہے ہیں؟ میں رسول اللہ کی حدیث سنا رہا ہوں اور آپ ہی کہہ رہے ہیں! ابن عباس نے کہا: ایک مدت تک ہمارا یہ طریقہ تھا کہ جب ہم کسی شخص سے یہ سنتے ہیں: قال رسول اللہ: تو ہم آنکھیں بند کر کے کانوں سے بنور سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے ہرزم و سخت کو اختیار کر لیا ہے اس وقت سے ہم لوگوں سے ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے ہیں کہ جن کو ہم جانتے ہیں،

ابو بکر بن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے منیر سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے علیؑ عکسی حدیث کی تصدیق نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ عبد اللہ ابن مسعود اس حدیث کی تصدیق کرتے تھے،

ہمارے لئے یہی نصوص کافی ہیں جو کہ اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ رسولؐ کی حیات اور بعد از وفات رسولؐ پر جھوٹ باندھا گیا ہے اور یہ جھوٹ بدعت گزاروں، ہوس پرست اور دشمنان دین نہیں بلکہ صالحین نے باندھا ہے، صالح حدیث گڑھنے والی فصل میں یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے گی،

جس نے رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا

سمعی کہتے ہیں: جس نے خبر واحد میں رسولؐ پر جھوٹ کا بہتان باندھا اس کی پہلی حدیثوں کو ساقط کر دینا واجب ہے، اور احمد بن حنبل، ابو بکر جمیدی اور ابو بکر صیرفی کہتے ہیں جس

نے حدیث رسول میں جھوٹ کو شامل کیا اس کی روایت کو قبول نہیں کرنا چاہیے خواہ اس کے بعد وہ جھوٹ سے توبہ بھی کرے ۱۔

ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں : علماء کا اتفاق ہے کہ رسول پر جھوٹ کا بہتان باندھنا سنگین جرم ہے کیونکہ یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے، شیخ ابو محمد جوینی نے تو جھوٹ باندھنے والے کو کا فر قرار دیا ہے، قاضی ابو بکر بن عربی کا بھی یہی نظریہ ہے، بعض کرامیہ اور خشک زاہدوں نے جو یہ جہالت کی بات کہی ہے کہ امر دین کی تقویت اور ترغیب و ترہیت کیلئے رسول کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا جائز ہے انہوں نے یہ علت بیان کی ہے کہ جھوٹ باندھنے پر عذاب سے اسے ڈرایا گیا ہے جو آپ کے فائدے کے لئے جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف دیتا ہے ان کی یہ علت باطل ہے کیونکہ عذاب ہر اس شخص کیلئے بیان ہوا ہے جو کہ آپ کی طرف جھوٹ کی نسبت دیتا ہے خواہ آپ کے فائدے کیلئے دیتا ہے یا ضرر کی خاطر، خدا کا شکر ہے کہ دین کامل ہے وہ جھوٹ کے ذریعہ اپنی تقویت کا محتاج نہیں ہے ۲۔

رسول پر جھوٹ باندھنا گناہ کبیرہ

ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں وائلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ : گناہ کبیرہ یہ بھجا ہے کہ آدمی میری طرف اس بات کی نسبت دے جو میں نے نہ کی ہو، نودی نے شرح مسلم میں جعلی حدیث کی روایت کو حرام قرار دیا ہے،

۱۔ اختصار علوم الحدیث ص ۱۱۱،

۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۹،

اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جھوٹ کی نسبت آپ کی طرف احکام میں دی جائے ترغیب و مواعظ وغیرہ میں مسلمانوں کے اجماع سے سب میں حرام ہے، گناہ کبیرہ ہے مزید فرماتے ہیں: اہل حل و عقد کا اجماع ہے کہ تمام لوگوں کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا حرام ہے تو اس شخص کی طرف جھوٹ کی نسبت دینا بدرجہ اعلیٰ حرام ہے کہ جس کا قول شرع اور کلام الہی ہو اور اس پر جھوٹ باندھنا گویا خدا پر جھوٹ باندھنا ہے،

صحابہ کے درجات

فقہ و علم میں تمام صحابہ کیساں نہیں تھے اور نہ ہی فہم و ادراک میں مساوی تھے بلکہ اس سلسلے میں ان کے مختلف طبقات اور متبائن درجات تھے طول تاریخ میں لوگوں کی یہی حالت رہی ہے اور یہی سنت اللہ اس کی مخلوق میں ہے اور سنت خدا میں آپ کو تبدیلی نہیں ملے گی: ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تمام صحابہ اہل فتویٰ نہیں تھے اور نہ ہی ان سب سے دین یا گیا ہے بلکہ یہ چیز ان لوگوں سے مخصوص تھی جو کہ حامل قرآن اور اس کے نسخ و منسوخ اور اس کے حکم و مشابہ اور بنی سے ملنے والی ساری دیلوں کے عالم تھے یا وہ لوگ تھے جو ان علماء سے منکر یاد کر لیتے تھے، اور اسی لئے ان یاد کر لینے والوں کو قراء کہا جاتا تھا یعنی وہ لوگ جو قرآن کو یاد کرتے تھے کیونکہ قوم عرب کی اکثریت ان پڑھ تھی لہذا ان میں سے جو قرآن پڑھتا تھا اسے قاری کہا جاتا تھا،

محمد بن سہل بن ابی خیشمہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: محمد رسول میں تین آدمی مہاجرین میں سے، عمر، عثمان، اور علیؓ اور تین انصار میں سے

ابی بن کعب ، معاذ بن جبل ، اور زید بن ثابت فتویٰ دیتے تھے ،
عبدالرحمن بن قاسم نے اپنے والد سے روایت کی ہے : جب ابوبکر صدیقؓ کو پاس
کوئی مسئلہ آتا تھا اور وہ اس سلسلہ میں مشورہ کرنا چاہتے تھے تو مہاجرین و انصار میں سے کچھ
لوگوں کو عمر ، عثمان ، علیؓ ، عبدالرحمن بن عوف ، معاذ بن جبل ، ابی بن کعب ، اور زید بن ثابت
بلاتے تھے اور یہ سب ابوبکرؓ کی خلافت کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے لوگوں کے فتویٰ کا کام ان
ہی میں منحصر تھا ، ابوبکرؓ کا عہد خلافت اسی نہج سے گزرا ،

پھر خلیفہ بنے تو وہ ان لوگوں کو بلاتے تھے ،
مسلم میں مسروقؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا : میں نے رسولؐ کے تمام صحابہ کو آزمایا ،
لیکن ان میں سے چھ ، عمرؓ ، عبداللہؓ ، معاذؓ ، ابی دردارؓ ، اور زید بن ثابتؓ کو سب سے
زیادہ با علم پایا پھر میں نے ان چھ کو پرکھا تو علیؓ اور عبداللہؓ کو سب سے بڑا عالم پایا
ابن تیمیہؒ نے اعلام الموقعین میں مسروقؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا : میں رسولؐ
کے صحابہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا ، اصحاب رسولؐ کی مثال تالاب کی سی ہے ، ایک تالاب ایک سوار کو
سیراب کرتا ہے دوسرا دوسروں کو سیراب کرتا ہے اور ایک تالاب ایسا ہوتا ہے کہ اگر تمام اہل زمین
اس سے پانی پئیں تو سب کو سیراب کرے گا عبداللہؓ ایسے ہی تالاب ہیں ،

بخاری و مسلم نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا : خدا نے مجھے جس علم و ہدایت
کے ساتھ مبعوث کیا ہے اس کی مثال بہت زیادہ بارش کی ہے جو کسی زمین پر برساتی جاتی ہے پس جو
زمین صاف ہوتی ہے وہ پانی کو جذب کر لیتی ہے اور بے پناہ نباتات و سبزہ اگاتی ہے ، لیکن گہری
زمین پانی کو جمع کر لیتی ہے جس سے خدا لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ اس سے پتے ہیں اور کھیتوں

۱۔ ابن تیمیہؒ کی اعلام الموقعین میں معاذؓ کے بجائے ابی بن کعبؓ مرقوم ہے ،

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۰۹ و ۱۱۰ ،

کو سیراب کرتے ہیں، زمین کی ایک قسم اود ہے وہ ہے بلند زمین نہ اس پر پانی ٹھہرتا ہے اور نہ اس سے سبزہ اگتا ہے،

عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ کے بعد اس امت میں چھ علما تھے عمر، عبداللہ، زید بن ثابت، جب عمر کوئی بات کہتے تھے اور یہ دونوں کوئی ایک بات کہتے تھے تو ان کا قول عمر کے قول کا تابع ہوتا تھا، اور علیؓ، ابی بن کعب اور ابو موسیٰ اشعری، جب علیؓ کوئی بات کہتے تھے تو ان دونوں کا قول آپؐ کے قول کا تابع ہوتا تھا، راوی کہتا ہے کہ اس امت میں چار قاضی تھے، عمر، علیؓ، زید اور ابو موسیٰ اشعری، اس امت میں چار آدمی دانا و زیرک تھے عمرو بن عاص، معاویہ بن ابی سفیان، مغیرہ بن شعبہ اور زیاد

بعض صحابہ بعض سے زیادہ سچے

عمرؓ نے عبدالرحمن بن عوف کو سچا قرار دیا اور ان سے کہا: تم ہمارے نزدیک عادل ہو شرح انجریں ذہبی کہتے ہیں: اصحاب رسولؐ سبھی عادل تھے لیکن بعض دوسروں سے زیادہ عادل تھے، عمر عبدالرحمنؓ کی خبر وحدیث سے مطمئن ہو جاتے ہیں اور قصہ اذن میں ابو موسیٰ اشعری سے گواہ طلب کرتے ہیں۔

بعض سے بعض روایت کرتے ہیں

جو احادیث اصحاب کے ذریعہ آئی ہیں اور کتابوں میں مرقوم ہوئی ہیں ان سب کو انہوں نے

بالمشافہ رسولؐ سے اپنے کانوں سے نہیں سنا تھا، اور نہ ہی آپؐ سے تلقینی طور پر لیا تھا، بلکہ وہ بعض بعض سے روایت کرتے تھے، جس نے رسولؐ سے حدیث نہیں سنی تھی وہ اس سے روایت کرتا تھا جس نے رسولؐ سے سنی تھی اور جب وہ دوسرے سے حدیث بیان کرتا تھا تو اسے اس صحابی کی طرف منسوب نہیں کرتا تھا جس سے حدیث سنی تھی اس کے ذکر کے بغیر براہ راست رسولؐ سے نقل کرتا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ رسولؐ کی مختلف جگہوں اور متعدد زمانوں میں مجالس منعقد ہوتی تھیں، تمام صحابہ ہر مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے، اگر ایک جگہ بعض حاضر ہوتے تو دوسرے غائب ہوتے تھے،

آمدی نے کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں تحریر کیا ہے، ابن عباس اپنی کمسنی کی وجہ سے رسولؐ سے صرف چار حدیثیں سن پائے تھے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ: رہا صرف اداھا میں ہے،

رسولؐ رمی حجر عقبہ تک تبلیغ کرتے تھے، پہلے جزم میں کہتے ہیں یہ مجھ سے زید بن اسامہ نے بیان کیا ہے دوسرے جزم میں کہتے ہیں: یہ مجھ سے میرے بھائی فضل ابن عباس نے نقل کی ہے ابو ہریرہ رسولؐ سے روایت کرتے ہیں کہ: جو ماہ رمضان میں صبح تک مجنب تھا اس کا روزہ نہیں ہے جب اس سلسلہ میں ان سے باز پرس ہوئی تو کہنے لگے، رب کعبہ کی قسم یہ میرا قول نہیں ہے بلکہ محمدؐ نے فرمایا ہے، پھر کہتے ہیں یہ مجھ سے فضل ابن عباس نے بیان کی تھی،

براد بن عازب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ہم جو حدیثیں آپ حضرات سے بیان کرتے ہیں وہ سب ہم نے رسولؐ سے نہیں سنی ہیں بعض ہم نے خود سنی ہیں اور بعض ہمارے ساتھیوں نے ہم سے بیان کی ہیں،

تابعین کی تو عادت ہی تھی کہ وہ مرسل طریقہ سے روایت کرتے تھے اس پر اعرش کا قول

دلائل کر رہا ہے وہ کہتے ہیں : میں نے ابراہیم غنمی سے کہا: جب آپ مجھ سے حدیث بیان کریں تو اسے اس کے مبداء تک پہنچایا کریں، کہنے لگے جب میں تم سے یہ کہوں کہ مجھ سے فلاں نے عبد اللہ کے واسطے سے حدیث بیان کی ہے تو تم یہ سمجھو کہ خود انہوں نے ہی مجھ سے بیان کی ہے اور جب یہ کہوں عبد اللہ نے مجھ سے بیان کیا ہے تو وہ مجھ سے ایک جماعت نے بیان کی ہے، اس کے بعد آمدی کہتے ہیں، یہ چیز صحابہ و تابعین کے درمیان مشہور تھی اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا گویا اس بات پر اجماع تھا جس طرح صحابہ بعض، بعض سے روایت کرتے تھے اسی طرح تابعین سے بھی روایت کرتے تھے اس پر علماء حدیث نے اپنی کتابوں میں نص کی ہے، شائقین ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں،

ابن اصلاح و غیرہ کے کلام میں ہے کہ اکابر اصغر، «بڑے چھوٹوں سے» روایت کرتے تھے، ابن عباس، عبداللہ الشائث اور ابو ہریرہ وغیرہ نے کعب الاحبار سے روایت کی جو کہ عمر کے زمانہ میں مسلمان ہوا، سے روایت کی ہے اور اسے بڑے تابعین میں شمار کیا ہے اور پھر اسے سارے مسلمانوں پر فضیلت دی اس کے بارے میں سیوطی کا قول ملاحظہ فرمائیں،

وقد روی الکبار عن صغار
فی اسن او فی العلم والمقدار
ومنہ اخذ الصحب عن اتباع
وتابع عن تابع الاتباع
کالبحر عن کعب والزمہری
عن ملک ویحیی الانصاری
بڑوں نے چھوٹوں سے روایت کی ہے، خواہ وہ سن، علم، اور قد کے لحاظ سے چھوٹے ہوں،

صحابہ نے تابعین سے اور تابعین سے تابع الاتباع سے روایت کی ہے، جیسے ابن عباس نے کعب الاحبار سے اور زمہری نے مالک و یحییٰ انصاری سے روایت کی ہے،

الفیہ کے شارح احمد محمد شاکر لکھتے ہیں صحابہ تابعین سے روایت کرتے تھے جیسے
بحر الامۃ عبداللہ ابن عباس، عبادہ الثمالثہ، ابو ہریرہ، معاویہ، اور انس وغیرہ کعب الاحبار
سے روایت تھے تھے،

اور جس طرح صحابہ اپنے ساتھیوں یا تابعین سے حدیث لیتے تھے لیکن بیان کرتے
وقت یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ حدیث ہم تک فلان کے طریق سے پہنچی ہے بلکہ اس مقضائے حدیث کے
لحاظ سے براہ راست بیان کرتے تھے اور حدیث کو اس کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے جس سے سنی تھی
بلکہ خود قال رسول اللہ کہتے تھے یہاں تک کہ فتنہ پیا ہونے تک وہ لوگ اسی طریقہ پر رہے یہاں سے
یہ کہا جانے لگا کہ اپنے رجال کے نام بیان کرو،

ابن سیرین کہتے ہیں: اسناد کے بارے میں پہلے سوال نہیں کیا جاتا تھا جب فتنہ اٹھ کھڑا
ہوا تو لوگوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے رجال کے نام بیان کرو مسلم نے ابن سیرین سے روایت
کی ہے کہ انہوں نے کہا: یقیناً لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آیا ہے جب وہ اسناد حدیث کے
بارے میں نہیں پوچھتے تھے جب فتنہ کھڑا ہو گیا تو اسناد حدیث کے بارے میں سوال ہونے لگا،
ابن سیرین ہی سے ترمذی میں مروی ہے: پہلے زمانہ میں لوگ اسناد کے بارے میں
چھان بین نہیں کرتے تھے لیکن جب فتنہ کھڑا ہو گیا تو اسناد کے بارے میں پوچھنے لگے جو شخص مجھ سے
بیان کرتا ہے میں اسے متہم نہیں کرتا ہوں لیکن اس سے پہلے والے کو متہم کرتا ہوں،

اور تابعین تبع تابعین سے روایت کرتے تھے اور تابعین کی تبع تابعین سے روایت
زہری اور یحییٰ انصاری کی مالک سے روایت ہے جب کہ مالک ان دونوں کے شاگرد ہیں،

اذہان کے لئے عجیب بات یہ ہے جیسا کہ سیوطی نے الفیہ میں تحریر کیا ہے، صحابی تابعی سے
اور دوسرے صحابی سے حدیث کی روایت کرتا ہے اس کی مثال سائب بن یزید صحابی کی حدیث ہے
جو انہوں نے عبدالرحمن بن عبدالقاری تابعی کی عمر بن خطاب سے اور انہوں نے رسولؐ سے نقل
کی ہے حدیث یہ ہے، ”من نام عن حزبہ او عن شی منہ فقراء فیما بین صلاۃ الفجر و صلاۃ

انظر کتبہ کا مآثرہ فی ایل»

اس کو مسلم نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، ایسے ہی یہ حدیث » لایستوی القاعدون
حافظ عراقی نے ایسی ہی بیس حدیثیں جمع کی ہیں،

بعض صحابہ نے بعض صحابہ پر تنقید کی

اسی پر بات منقطع نہیں ہوتی ہے کہ بعض صحابہ اپنے ساتھیوں کی بیان کردہ اور نقل کی
ہوئی حدیثوں کو قبول نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، بلکہ بعض بعض پر تنقید بھی
کرتے تھے،

یقیناً عمر، علیؓ عثمان، عائشہ اور ابن عباس وغیرہم صحابہ ہی میں سے تھے اور دوسرے
صحابیوں میں نمایاں تھے لیکن وہ بعض صحابہ کی اس حدیث میں شک کرتے تھے جو کہ وہ رسولؐ سے
نقل کرتے تھے اور بیان کرنے والوں پر ٹوٹا دیتے تھے،

محمود بن ربیع » جو کہ رسولؐ کے زمانہ میں کسفی کے باوجود سمجھدار تھے، سے
منقول ہے کہ انہوں نے عثمان بن مالک انصاری بدری سے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا: بے شک
اللہ نے اس شخص پر آگ کو حرام کیا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ، کہا، اور اس سے اس کا قصد و نیت
خدا ہے، اور رسولؐ نے یہ حدیث عثمان کے گھر میں بہت سے لوگوں کے سامنے بیان کی تھی ان ہی
میں صحابی رسولؐ ابو ایوب بھی تھے،

ابو ایوب نے اس حدیث کو جھٹلایا اور کہا: خدا کی قسم میرے گمان میں رسولؐ
نے یہ نہیں فرمایا، جو تم نے بیان کیا ہے!

اس حدیث سے مراد فرقہ پٹنے اپنے مذہب پر استدلال کیا ہے اور عائشہ نے عربوں
 عمر کی اس حدیث "میت پر اس کے عزیز کے رونے سے عذاب ہوتا ہے" کو جھٹلایا اور
 کہا: تم جو چیزیں بیان کرتے ہو ان میں جھوٹ نہیں ہو لیکن سننے میں غلطی ہو جاتی ہے، خدا کی قسم
 رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میت پر اس کے عزیز کے رونے سے عذاب ہوتا ہے پھر کہا: تمہارے
 لئے قرآن کافی ہے، کوئی ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا،

ایک روایت میں اس طرح ہے کہ جب عائشہ نے یہ سنا کہ ابن عمر اس حدیث کو
 بیان کرتے ہیں تو انہوں نے کہا: یہ غلط ہے، رسولؐ نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس میت کی خطاؤں
 اور گناہوں سے اس پر عذاب ہوتا ہے اور اس کے عزیز اس پر روتے ہیں، تیسری روایت میں
 ہے: وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ بھول گئے ہیں یا خطا ہوئی ہے اور ابن عمر جیسی حدیث بیان کی
 ہے ٹھیک رسولؐ اس گروہ سے پرکھڑے ہوئے جس میں، بدر میں مارے جانے والے مشرکین کو ڈالا گیا
 تھا اور فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں اسے یہ سن رہے ہیں، پھر عائشہ نے کہا: رسولؐ نے فرمایا:
 اب انہیں یہ معلوم ہوا کہ جو میں نے ان سے کہا تھا وہ حق تھا، پھر فرمایا: آپ مردوں کو نہیں
 سنا سکتے اور نہ اسے سنا سکتے ہیں جو قبر میں ہے، ان سب کا ٹھکانہ جہنم ہے، دونوں حدیثیں
 بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں،

اسی طرح عائشہ نے اس حدیث کو جھٹلایا ہے کہ شب معراج رسولؐ نے اپنے رب
 سے ملاقات کی تھی جب کہ اس حدیث کو شیخان نے عامر بن مسروق سے نقل کیا ہے، عامر
 نے عائشہ سے کہا تھا: اے اما جان! کیا محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ گہنے لگیں تمہاری بات
 سے میرے دو گئے دکھڑے ہو گئے ہیں تم میں سے جس نے سچی باتیں حدیثیں بیان کیں اس نے جھوٹ باندھا

۱۔ مرحہ اسلام کے بڑے فرقوں میں سے ایک ہے وہ کہتا ہے کہ ایمان کے ساتھ مصیبت ضرر نہیں پہنچا سکتی ہے
 اور کفر کے ساتھ طاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی، ۲۔ مسلم میں ہے کہ اس نے خدا پر عظیم بتان باندھا ہے

جو تم سے یہ کہے کہ محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے بعد یہ آیت پڑھی و ماتدری نفس ماذا نکسب خدا " کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا، جو تم سے یہ کہے : رسولؐ نے کوئی چیز مخفی رکھی ہے اس نے جھوٹ کہا: پھر یہ آیت پڑھی " یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک " اے رسولؐ اے پہنچا دیجئے جو آپؐ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے،

مسلم میں ہے کہ میں نیک لگائے بیٹھا تھا عائشہؓ بیٹھ گئیں تو میں نے کہا: کیا خدا یہ نہیں فرماتا: " ولقد راہ نزلہ اخری " عائشہؓ نے کہا: میں نے سب سے پہلے اس سلسلہ میں رسولؐ سے سوال کیا تھا: میں نے عرض کی اے اللہ کے رسولؐ! کیا آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ فرمایا: نہیں میں نے جبریلؑ کو ہوا کرتے دیکھا ہے، مسلم میں ابو ذرؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسولؐ سے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو آپؐ نے فرمایا: ایک نور دیکھا ہے اور تم نے احمد کا نور دیکھا ہے، اسی طرح عائشہؓ نے ابن عمرؓ و ابو ہریرہؓ کی حدیث الشوم الثلاث کو رد کیا ہے انہوں نے کہا رسولؐ صرف جاہلیت کے احوال بیان فرما رہے تھے اور پھر یہ حدیث اصل قطعی " تمام چیزیں اللہ کے اختیار میں ہیں کے خلاف ہے،

اور جب عائشہؓ نے ابو درداءؓ کا یہ قول سنا کہ جو صبح کو اٹھے اس پر وتر نہیں ہے تو کہا: نہیں، ابو درداءؓ نے جھوٹ کہا ہے، نبیؐ صبح کرتے اور وتر پڑھتے تھے اور جب یہ سنا کہ ابن عمرؓ کہتے ہیں: رسولؐ نے ایک مرتبہ رجب میں عرو کیا ہے تو کہا ان سے غلطی ہوئی ہے اور ابن مالکؓ اور ابی سعیدؓ کے بارے میں کہا کہ انہیں حدیث رسولؐ کا علم نہیں ہے یہ دونوں تو چھوٹے بچے تھے، اسی طرح عائشہؓ ہر اس حدیث کو رد کر دیتی تھیں جو قرآن کے خلاف ہوتی اور سچے صحابہؓ کی روایت کو خطا پر غلط فہمی پر محمول

روایت سے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابن قیمؒ نے حادی الارواح میں تیس حدیثیں نقل کی ہیں ان میں سے مرفوع میں سے زیادہ ہیں، موقوف آثار کو چھوڑے،

کرتی تھیں، اور عمران بن حصین نے اس حدیث کے سلسلہ میں ”کہ رسول قرات میں دو کثرت کرتے تھے“ کو جھٹلایا، ایسی بہت سی مثالیں ہنئے تاریخ ابو ہریرہ میں ان احادیث میں بعض وہ احادیث نقل کی ہیں جن پر انہوں نے تنقید کی ہے اور رد کر دیا ہے ملاحظہ فرمائیں شیخ المفیرہ کا تیسرا ایڈیشن،

عدالت صحابہ

عدالت صحابہ کے سلسلے میں ہم نے اسی کتاب میں دوسری جگہ بحث کی ہے،

رسول کے منع کرنے کے بعد کیوں حدیث بیان کی جاتی ہے؟

جن لوگوں کو علم میں مہارت نہیں ہے ان کا گمان ہے کہ رسول کی جن احادیث کو ہم کتابوں میں پڑھتے ہیں یا ان کے بیان کرنے والوں سے سنے ہیں وہ سب صحیح طریقوں سے آئی ہیں اور راویوں تک ان احادیث کے الفاظ محفوظ طریقہ سے ایسے ہی پہنچے ہیں جیسے رسول نے بیان فرمائے تھے ان میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی ہے،

ایسے ہی ان کا یہ بھی خیال ہے کہ رسول کی احادیث کو صحابہ اور ان کے بعد تدوین کے زمانہ تک حدیث بیان کرنے والوں نے ان کو ایسے ہی نقل کیا ہے جیسے سنی تھی اور جیسے پایا تھا ویسے ہی پہنچا دیا ہے لہذا ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوا ہے جس چیز نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ وہ راوی جو دت حفظ اور کمال ضبط میں بنی آدم کے درمیان مخصوص صنف تھے ان کے ذہنوں کو اس زاویہ پر پیدا کیا گیا تھا جس پر تمام انسانوں کے ذہنوں کی تخلیق نہیں ہوتی وہ جو سنتے تھے وہ ان کے ذہن پر نقش ہو جاتا تھا، کوئی کلمہ اس سے محو نہیں ہوتا تھا اور نہ کوئی حرف مٹتا

تھا،

یقیناً دین کے شیوخ کے انکار میں اس فہم کا عظیم اثر تھا مگر جسکو تمہارا رب محفوظ رکھے، لہذا وہ ان احادیث کو قرآن کی آیتوں کے برابر سمجھنے لگے کہ جن کا قبول کرنا واجب اور ان کے احکام پر یقین ضروری ہے اور ان کی مخالفت گناہ، ارتداد اور فسق ہے اور جو ان کا انکار کرے یا ان میں شک کرے اسے توبہ کرنا چاہیے،

ان ہی باتوں کی بنا پر ہم نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کرنا ضروری سمجھا تاکہ اس سلسلے میں لوگ حق کو پہچان لیں اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ جو احادیث رسول سے نقل ہوئی ہیں کبھی انہیں معاً نقل کیا جاتا ہے، کیونکہ ساری احادیث کو ان کے منی سے نقل کرنا راویوں کے امکان میں نہیں ہے کہ وہ اس کی اصل کو چھو ل چکے ہیں یا اسے ان کے ذہنوں میں زمانے گزر گئے ہیں یا ہر راوی حدیث کا الفاظ یاد رکھنے سے عاجز ہونے کی بنا پر اپنے ذہن میں معاً اسے محفوظ رکھتا ہے، راویوں نے پہلی فرصت میں اسے قلم بند کرنے کا اہتمام نہیں کیا، اس بنا پر معاً حدیث کو معاً بیان کرنے کی رسم جاری ہوگئی اور اب اس سلسلہ میں عارفین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، پھر علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ معاً حدیث کو بیان کرنا صحیح ہے یا نہیں بعض نے کہا صحیح نہیں ہے، بعض نے کہا جائز ہے، ہم یہاں فریقین کی دلیلوں کو پیش کر رہے ہیں، اس موضوع پر علامہ شیخ طاہر جزائری نے اپنی کتاب ”توجیہ النظر“ میں جو تحقیق کی ہے ایسی کسی اور نے پیش نہیں کی ہے ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے لکھا ہے،

۱۔ ابن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ بہت سے لوگ مختلف الفاظ سے ایک چیز کے بارے میں ایک ہی معنی نقل کرتے ہیں وہ اس لئے ایسا کرتے ہیں کہ وہ معنی کو مد نظر رکھتے ہیں لفظ کو نہیں،

منا حدیث بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کا اختلاف

منا حدیث بیان کرنے کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، ابن سیرین، ابوبکر رازی نے کہا ہے کہ منا حدیث بیان کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اور اس سلسلے میں ابن عمر سے روایت کی ہے، اکثر لوگوں کا نظریہ کہ منا حدیث بیان کرنا جائز ہے لیکن اس کے لئے یہ شرط ہے کہ راوی الفاظ کی باریکی سے واقف ہو اور الفاظ کے درمیان کے اختلاف کو سمجھتا ہو اور اسے بھی جانتا ہو جس سے معنی بدلے ہیں بس جب کسی لفظ کو دوسرے لفظ سے بدلا جائے تو یہ پہلے معنی کو ادا کرتا ہو اور اس کے مطابق ہو۔

اس مسئلہ کو علماء علم اصول نے بیان کیا ہے، چونکہ بہت اہم مسئلہ ہے اس لئے میں یہاں علماء اصول کی کیفیت کماں عبارت نقل کر رہا ہوں،

ابو اسحاق شیرازی الصبیح میں فرماتے ہیں: روایت میں ہمارا موقف یہ ہے کہ حدیث کو بلفظ بیان کیا جائے کیونکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے: خدا اس شخص کو مسرور کرتا ہے جو کہ میری بات سنا ہے اسے حفظ کرتا ہے اور پھر اسے جیسے سنا تھا ویسے ہی ادا کرتا ہے اس نے بہت سے نئے والے راوی سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں روایت کو وارد کرنے میں نظر ہے اگر روایت کرنے والا حدیث کے معنی کو نہیں جانتا ہے تو روایت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ معنی حدیث میں تفسیر کر سکتا ہے اور اگر معنی

۱۔ صحابہ کی ایک جماعت، جس میں ابن عباس اور انس بن مالک شامل ہیں، منا حدیث بیان کرنے کو جائز مانتے ہیں، لیکن تابعین میں سے جو لوگ حدیث کو بلفظ بیان کرنے کے سلسلے میں سخت ہیں ان میں سے محمد بن سیرین، فاسم بن محمد اور جابر بن جہاد ہیں اور بن لوگوں نے اس سلسلے میں تسامح سے کام لیا ہے ان میں حسن شیبی مدنی ہیں،

کراچی کے لیے، اہمیت ہے، اور کہ یہ ایک بڑی چیز ہے اور اسے
 دیکھنا ہے کہ اس کی کیا چیز ہے اور اس کی کیا چیز ہے
 (۱)

॥

[illegible]

‘بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِينَ

۱- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۲- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۳- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۴- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۵- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۶- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۷- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۸- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۹- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب
 ۱۰- در مورد این که در این کتاب چه چیزهایی گفته شده است و چه چیزهایی که در این کتاب

[illegible][illegible]

بالمعنی حدیث نقل کرنے کو ہم جائز سمجھتے ہیں تو بہت بڑا تفاوت ہو جائے گا جبکہ راوی تفاوت محسوس نہیں کرتا،

② اگر راوی رسولؐ کے لفظ کو اپنے لفظ سے بدل سکتا ہے تو دوسرا راوی اس لفظ کو اپنے لفظ سے بدل سکیگا جو اس نے سنا تھا بلکہ یہ اولیٰ ہے کیونکہ راوی کے لفظ کو بدلنا اشارہ کے لفظ کو بدلنے سے اولیٰ ہے اور اگر یہ تبدیلی تیسرے اور چوتھے طبقے میں ہوئی تو پہلا کلام کا عدم ہو جائیگا اس لئے کہ اگر انسان ترجمہ کی تطبیق میں کوشش کرے گا تب بھی کسی نہ کسی حد تک تفاوت رہے گا اور جب تفاوت ہوتا چلا جائیگا تو پھر آخر میں ایسا واضح تفاوت ہوگا کہ پہلے اور آخری کلام میں کسی قسم کی مناسبت باقی نہ رہے گی، نتیجہ الفصول فی الاصول میں قرآنی فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور بعض محدثین کے برخلاف ابو الحسن والوحیفہ اور شافعی کے نزدیک معنی حدیث نقل کرنا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کے ترجمہ میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو اور اگر راوی کی عبارت میں کمی زیادتی ہوگی تو اس سے شرح میں کمی زیادتی ہوگی اور شرع میں کمی زیادتی کرنا اجماعاً حرام ہے، اور جب حدیث کی عبارت جلی ہوگی اور پھر اسے خفی سے بدلا جائے گا تو اس سے حدیث میں نقص واقع ہوگا اور اس پر مخفی چیز مقدم ہوگی اور جب ایک حکم کے بارے میں دو متعارض حدیثیں ہوتی ہیں تو وہاں جلی حدیث کو مخفی پر مقدم کیا جاتا ہے بس جب اصلی جلی اور واضح ہوگی اور اپنے خفی چیز سے بدلا جائیگا تو اس کا وہ امتیاز ختم ہو جائیگا کہ جس سے تعارض کے وقت گلو خلاصی ہوتی ہے، اس طرح جب حدیث خفی عبارت والی ہوگی اور اسے جلی عبارت سے بدلا جائیگا تو حدیث کو دوسری چیز پر مقدم کیا جائیگا اور حکم خدایہ ہے کہ تعارض کے وقت اس پر دوسری چیز کو مقدم کیا جائے لہذا اس تغیر سے حکم خدائیں تغیر لازم آتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے، حدیث بالمعنی نقل کرنے کے لئے اتنے شرائط ہیں جب یہ شرائط موجود ہوں تو جواز کے بارے میں اختلاف ہوگا لیکن اگر یہ شرائط حاصل نہ ہوں تو اجماع ہے کہ معنی حدیث بیان کرنا صحیح نہیں ہے جو لوگ معنی حدیث بیان کرنے کے مخالف ہیں ان کی دلیل بڑا بن عازب کی حدیث ہے ۔

جو لوگ معنا حدیث نقل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ احادیث سے تھے اور انھیں قلم بند نہیں کرتے تھے نہ انہیں دہرات تھے، پھر عرصہ دراز کے بعد ان کی روایت کرتے تھے، اس صورت میں انسان کے ذہن میں عبارت تو نہیں آسکتی ہے ہاں معنا عبارت محفوظ ہو جاتی ہے ایک ہی واقعہ اور قصہ کے بارے میں بہت سی مختلف العبارات احادیث نقل ہوئی ہیں یہ معنا حدیث نقل کرنے کے جواز کی دلیل ہے اور پھر قرآن کی طرح سنت کے لفظ توقیفی نہیں ہیں لہذا اگر معنی محفوظ ہو گئے ہیں اور غیر مقصود چیزیں چھوٹ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے،

فاسحا اپنی کتاب قواعد التحذیر میں فرماتے ہیں :-

اصل عبارت کے بغیر بالمعنی حدیث نقل کرنے کی ایک جماعت نے اجازت دی ہے اس جماعت میں سے علیؓ، ابن عباسؓ، انس بن مالکؓ، ابوذر دلد، وائل بن الاسقعؓ، اور ابوہریرہؓ ہیں پھر تابعین میں سے امام الامام حسن بصریؒ، شعبیؒ، عمرو بن دینارؒ، ابراہیم بنیؒ، مجاہد اور عکرمہؒ ہیں، رسول مکرمؐ صحابہ نے جو حدیث نقل کی ہے ان کے الفاظ مختلف ہیں، بعض صحابہ نے مکمل طرز پر بیان کی ہے، بعض بالمعنی نقل کی ہے کچھ نے اختصار سے بیان کی ہے، مختلف الفاظ میں بیان کی ہے، جب کہ وہ مخا کے خلاف نہ ہو اور جان بوجھ کر ان میں سے کوئی بھی دروغ گوئی سے کام نہیں لیتا ہے ہر ایک کا مقصد صدق اور سنے ہوئے کو بیان کرنا تھا لہذا اس کی کوشش کرتے تھے، اور

ابوہریرہؓ کی روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے: جس کا ترجمہ یہ ہے: رسولؐ نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر کلام کیلئے پہنچو تو ایسے ہی وضو کرو جیسے نماز کیلئے کرتے ہو، پھر دائیں کروت لیٹ جاؤ اور یہ پڑھو اللھم سلمت وجی الین و نوضت امری الیک و اجات لھری الیک رنجتہ و رحبتہ الیک و لا منجا الا الیک و امننت بکناک الذی انزلتہ و بنیک الذی ارسلتہ»

ترمذی نے اس حدیث اس طرح نقل کیا ہے: معنی روایات میں آیا ہے کہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس طرح پڑھو و بنیک الذی ارسلتہ» رسولؐ بنی بھی ہوتا ہے جب کہ بنی رسولؐ نہیں ہوتا ہے، اگر معنی محفوظ ہو جائیں مگر افسوس،

کہتے تھے، جھوٹ وہ ہے جو جان بوجھ کر بولا جائے،

عمر بن مسلم سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: حسن سے ایک آدمی نے کہا: اے ابوسعید آپ بہترین حدیث بیان کرتے ہیں، بہترین تعبیر لاتے ہیں اور فصیح زبان میں حدیث بیان کرتے ہیں انہوں نے کہا: جب تم معنی سمجھو تو پھر کوئی حرج نہیں ہے، نصر بن شمیل نے کہا ہشیم اصلی حدیث میں خلط ملط کرنے والا تھا میں نے اس کی حدیث کو تمہارے سامنے بہترین پیرایہ میں پیش کیا ہے، یعنی اعراب سے، نصر بن شمیل ایک نحوی تھا، سفیان کہتا ہے: جب تم کسی شخص کو حدیث میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ خود کو پہچنانا چاہتا ہے، ایک شخص نے یحییٰ بن سعید قطان سے حدیث بلغظ کے بارے میں معلوم کیا تو انہوں نے کہا: دنیا میں کتاب خدا سے زیادہ روشن کچھ نہیں ہے لیکن اس کی بھی سات حروف پر قرات کی اجازت دی گئی ہے پس زیادہ سختی سے کام نہ لو!

بیہقی نے محول سے روایت کی ہے اس نے کہا: میں اور ابو الازہر وائل بن الاسقع کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ ہمیں وہ حدیث سنائیں جو آپ نے خود رسول ص سے سنی ہو اور اسیں

یعنی ہی دیلوں پر اکتفا کی جاتی ہے: جزائری کی کتاب میں اس سلسلہ کی بہت سی دلیلیں بیان ہوئی ہیں تفصیل کے خواہاں مذکورہ کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں،

۱۔ ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدلنے میں کوئی حرج نہیں ہے ذی الزمر سے روایت ہے کہ اس نے قیس ابن عرس سے کہا کہ میرا ایک شعر لکھو کیونکہ مجھے حفظ سے زیادہ کھانا پسند ہے اس نے کہ اگر عربی اس کلمہ کو بھول جائے جس کو اس نے رات بھر بیدار رہ کر حاصل کیا تھا تو اس نے اس کی جگہ اس وزن کا دوسرا کلمہ رکھ دیا پھر لوگ اسے پڑھنے لگے، ص ۱۸، دس ۱۸۱، کتاب تنفیذ الشعر الجاہلی، مؤلف الشیخ الخضر حسین،

کوئی وہم و زیادتی اور نسیان نہ ہو ! انہوں نے کہا : کیا تم دونوں میں سے کسی نے کچھ قرآن پڑھا ہے ؟ ہم نے کہا ہاں ، ہم اس سے اچھے حافظ ہیں ، کہیں واو اور الف کا اضافہ کر دیتے ہیں ، کہیں حذف کر دیتے ہیں ، انہوں نے کہا : یہ لکھا ہوا قرآن تمہارے پاس موجود ہے اسے تم حافظ سے بھی نہیں پڑھتے ہو اور اس میں بھی تم کئی زیادتی کر دیتے ہو تو ان احادیث کی کیا کیفیت ہوگی جن کو ہم نے رسول ص سے سنا تھا اکثر ہم نے آپ سے ایک ہی بار حدیث سنی ہے ؟ تمہارے سامنے جب ہم بالمخفی حدیث بیان کریں تو تمہارے لئے وہی کافی ہے ،

ابن ابی یعلیٰ ایک حبیر کبھی اس طریقہ سے اور بار دیگر دوسرے طریقہ سے ، اسناد کے بغیر بیان کرتے تھے اور یہ ان کے حفظ کی وجہ سے ہوتا تھا کیونکہ پہلے اکثر اہل علم لکھتے نہیں تھے ، اور جو ان میں سے لکھتا تھا وہ سماع کے بعد لکھا جاتا تھا ، اکثر بالمخفی روایت کرتے تھے ، زیادہ تر اپنی طرف سے ایسا لفظ بڑھا دیتے تھے جو کہ مکمل معنی سمجھانے سے قاصر ہوتا تھا اور کبھی مختصر سرائیر بہت سے اعتراض کا باعث ہوتا تھا ،

اور جمہور نے منہا حدیث بیان کرنے کی اجازت دی ہے ۔
سنن ترمذی میں مکحول سے اور انہوں نے واٹر بن الاستیع سے روایت کی ہے کہ
انہوں نے کہا : جب ہم تمہارے سامنے منہا حدیث بیان کریں تو وہی تمہارے لئے کافی ہے ،
ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں روایت کی ہے کہ جب میں تمہارے سامنے منہا حدیث بیان کروں تو تمہارے لئے وہی کافی ہے ۔
وکیع بن زید بن ربیع بن حبیب اور حسن سے روایت کی ہے کہ

۱۔ توجیہ النظر ص ۷۶ ،

۲۔ ص ۲۵۹ ، ج ۳ ،

۳۔ وکیع بن ابی عمار کے محدث اور حافظ و ائمہ ہیں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم کو محفوظ رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا ہے ، یہ نفع تھے ۱۹۷ھ میں وفات پائی ،

انہوں نے کہا: اگر تم معنی سمجھ لیتے ہو تو کافی ہے، نیز کہا: اور معنی کی کثرت نہ ہوتی تو لوگ ہلاک ہو جاتے، اہل علم کی فضیلت، حفظ آقاں اور سنتے وقت اسے لکھنے سے

اس کے باوجود آئمہؑ حدیث میں سے ”کوئی بھی غلطی اور خطا سے محفوظ نہیں ہے

سفیان شوری کہتے ہیں: اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں نے تمہارے سامنے ایسے ہی حدیث بیان کی ہے جیسے سنی تھا تو تم میری تصدیق نہ کرنا کیونکہ میں اسے معنی بیان کرتا ہوں، ان سے کہا گیا: اے ابو عبد اللہ ہمارے سامنے ایسے حدیث بیان کیجے جیسے آپ نے سنی ہے، کہا: خدا کی قسم یہ ممکن نہیں ہے، صرف معنی حدیث بیان ہوتا ہے، ان ہی کا قول ہے اگر تم تمہارے سامنے اسی طرح حدیث بیان کرنے کا ارادہ کریں جیسے سنی تھا تو ایک حدیث بھی بیان نہیں کر سکتے ہیں،

علماء میں سے ثقہ اشخاص کا قول ہے: اولیٰ یہ ہے کہ حدیث کو اس کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جائے اس میں تصرف نہ کیا جائے لیکن عمل اس چیز پر ہوتا ہے جو اولیٰ نہیں ہے،

قاضی عیاض کہتے ہیں: بہتر ہے کہ حدیث بالمعنی کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے تاکہ وہ غیر مستحسن چیز غالب نہ آئے جس کے مستحسن ہونے کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ پہلے اور آج کے روات نے کیا ہے خدا ہی توفیق دینے والا ہے،

محققین کا قول ہے کہ ان چیزوں کو بالمعنی بیان نہیں کیا جاسکتا ہے جن میں لفظ کو تبدیلی طور پر بیان کرنا ضروری ہے جیسے تکبیر و شہادت واضح رہے کہ شہادت مختلف الفاظ میں وارد ہوئے ہیں ان میں سے اکثر درج ذیل ہیں،

۱۔ سفیان شوری، سید الحفاظ اور فقہ تھے ان کے بارے میں قطان کہتے ہیں: میں نے ان سے بڑا حافظ نہیں دیکھا ہے یہ ہر چیز میں مالک سے بڑے تھے ۷۱ھ میں بصرہ میں انتقال کیا،

تشہد کے صیغے

ابن مسعود کا تشہد، صحیحین میں عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا، رسولؐ نے مجھے تشہد سکھایا جب کہ میرا ہاتھ آپ کے دست مبارک، میں تھا جیسا کہ مجھے سورہ قرآن کی تعلیم دی تھی: **التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا ابْنُ وَرَثَةِ اللَّهِ وَبَرَكَاةُ السَّلَامِ عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ**، اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدؐ اعبده ورسوله،

ایسے ہی اصحاب سن نے بھی روایت کی ہے، ایک روایت میں ہے، انھیں کلمہ کی تلقین کی ہے، دوسری روایت میں ہے جب تم نے یہ کہہ دیا اور اسے تمام کر دیا تو تم نے اپنی نماز تمام کر دی، اسی کو ابو حنیفہ، احمد و کثر علماء محدثین نے اختیار کیا ہے،

ابن عباس کا تشہد: مسلم اور ابن ابی شیبہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور اسی طرح ثنائی نے، ام میں، روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ نے ہمیں اسی طرح اس تشہد کی تعلیم دی ہے جس طرح قرآن کے سورتوں کی تعلیم دی ہے فرماتے تھے: **یہ کہو! التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا ابْنُ وَرَثَةِ اللَّهِ وَبَرَكَاةُ السَّلَامِ عَلَيْنَا وَ عَلَى عِبَادِ اللَّهِ الصَّالِحِينَ** اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمدؐ رسول اللہ،

عمر ابن خطاب کا تشہد: مالک نے موطا میں ابن شہاب سے، عروہ سے، ابن زبیر سے عبد الرحمن بن عبد القاری سے روایت کی ہے انہوں نے عمر بن خطاب سے سنا، جبکہ وہ منبر سے کہہ رہے تھے، **کہو! التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ**

سرخسی نے مبسوط میں روایت کی ہے، **التَّحِيَّاتُ لِلَّهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلَامُ عَلَيْكَ** ایسی روایت کی ہے، مالک کہتے ہیں کہ عمر ابن خطاب کا تشہد تمام تشہدات سے افضل ہے اسلئے کہ عمر نے اسے منبر سے صحابہ کے سامنے بیان کیا تھا اور کسی صحابی نے ان پر اعتراض نہیں کیا تھا، ابو داؤد اور

ابن مردویہ نے مرفوع طریقہ سے اسے نقل کیا ہے،
 ابوسعید خدری کا تشہد: اتحیات الصلوات الطیبات السلام علیک ایھا النبی
 ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین الشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول اللہ
 ابوسعید کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن اور تشہد لکھتے تھے،
 جابر کا تشہد: جابر کی حدیث، جو کہ نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی کے نزدیک مرفوع
 ہے اس میں فرماتے ہیں رسولؐ ہمیں اسی طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کے سورے کی تعلیم
 دیتے تھے۔ باسم اللہ وباللہ اتحیات... الخ،
 اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے،
 عائشہ کا تشہد: مالک نے موطا میں زوجہ رسولؐ عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ اس
 طرح تشہد پڑھتی تھیں اتحیات الطیبات الزکیات للہ
 یہاں تحیات و صلوات کے بعد للہ حذف ہو گیا ہے جبکہ عمر اور ابن مسعود دونوں
 کی حدیث میں للہ باقی ہے، یہ حدیث مرفوع ہے، عمر کی حدیث میں اتنا اضافہ ہے "وحدہ
 لا شریک لہ" اسی طرح ابو موسیٰ کی حدیث میں بھی جو کہ مسلم کے نزدیک مرفوع ہے یہ اضافہ ہے،
 ابو موسیٰ اشعری کا تشہد: مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ ابو موسیٰ کے نزدیک تشہد
 یہ ہے ۱۔ اتحیات الطیبات الصلوات للہ وحدہ لا شریک لہ"
 ثمر بن جذب کا تشہد: اتحیات الطیبات والصلوات والملك للہ الخ،

۱۔ تعقید العلم خطیب بغدادی میں ۹۳،
 ۲۔ خطان بن عبد اللہ رقاشی کہتے ہیں میں نے ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ نماز پڑھی نماز کے بعد انہوں نے کہا:
 کیا تم جانتے ہو کہ ہمیں نماز میں کیا کہنا چاہیئے، رسولؐ نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور ہماری سنت بیان کی اور
 ہماری نماز کا تشہد سکھایا اور وہ یہ ہے اتحیات الطیبات الصلوات للہ السلام علیہ وسلم ج ۲ ص ۱۳،

۱۵۷۵ م ۱۲ سنه ۱۲ سپه ۱۲ سنه ۱۲

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

۱- اکثر اشیاء امر بنیہ پر نہ ہوتی ہیں، لہذا اگر ان کو امر بنیہ کہیں تو اس میں غلطی ہے۔
۲- اکثر اشیاء امر بنیہ پر نہ ہوتی ہیں، لہذا اگر ان کو امر بنیہ کہیں تو اس میں غلطی ہے۔
۳- اکثر اشیاء امر بنیہ پر نہ ہوتی ہیں، لہذا اگر ان کو امر بنیہ کہیں تو اس میں غلطی ہے۔

[illegible]

ہے اسلئے کہ امر کو دلائل تکرار پر نہیں ہے اور اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے،
 سرخسی نے مبسوط میں اور ابن ہمام نے شرح فتح القدر میں دعوتِ خلافت نے ارشاد ساری
 میں اور قاضی عیاض نے شفا میں یہی تحریر کیا ہے لیکن تہا شافعی نے ان کے برخلاف نقل کیا ہے کہ
 جو مجھ پر صلوات نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے لیکن اس سلسلہ میں ان کے پاس نہ کوئی دلیل ہے اور سنت
 متبع ہے چنانچہ ان کے اس مسلک کی بنا پر طبری اور قشیری وغیرہ ان پر تنقید کی ہے اور ان کے مذہب
 والوں میں سے خطابی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ واجب نہیں ہے اور نہ مجھے اس حدیث
 کی اصل کی خبر ہے، اور صحابہ سے مروی شہادت میں صلوات کا ذکر نہیں ہے لیکن حدیث "لا
 صلوات لمن لم یصل لہ" کو اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے اور ابن مسعود کی حدیث "من
 صلی صلوٰۃ لم یصل فیہا علی وعلی اہل بیتہ لم تقبل منہ" کے بارے میں دارقطنی نے کہا ہے کہ یہ
 ابوجعفر محمد باقر بن علی ابن الحسین کا قول ہے بوری حدیث اس طرح ہے، "لو صلیت صلوٰۃ
 لم اصل فیہا علی ابنی وعلی اہل بیتہ لرایت اسخا لا تتم،
 اگر میں کسی نماز میں رسول اور آپ کے اہل بیت پر درود نہ بھیجوں تو اس نماز کو میں
 کامل نہیں سمجھتا ہوں،

کلمہ توحید

رسول پر صلوات کے بارے میں جو کچھ ان ائمہ نے بیان کیا ہے بالکل اسی کے مثل کلمہ توحید
 "لا الہ الا اللہ" کے بارے میں — بھی بیان ہوا ہے، علامہ سعید بن حجاج رسالہ "الکلام المنقذی
 فیما یتعلق بکلمۃ التَّقْوٰی" لا الہ الا اللہ اور جو اس کے حکم میں ہے، کے بارے میں "فاکھتہ

انقلاب والا فواہ « میں لکھتے ہیں: اصلی مومن پر عمر بھر میں ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہنا واجب ہے اور پڑھنے کیلئے واجب کی نیت کرنا چاہیئے، اس موضوع کو طول دیکر ہم غیر متعلق بحث میں داخل نہیں ہونا چاہتے،

فقہ محدث رشید رضا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں،
اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکثر احادیث بالمعنی نقل ہوئی ہیں جیسا کہ واضح ہے اور علم کا اس پر اتفاق ہے اور بالمعنی حدیث پر ایک ہی حدیث کے الفاظ کے بارے میں صحاح کے روایات کا اتفاق دال ہے، اگرچہ اختلاف مختصر کیوں نہ ہو
موصوف سے جب اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا تو کہ یہ کہتا ہے کہ رسولؐ سے نقل ہونے والی، صرف ۱۲/۱۲ یا ۱۲/۱۲ احادیث ثابت ہیں تو جواب دیا بات صحیح نہیں ہے، اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے یہ اور اس کے علاوہ ان احادیث کے بارے میں ہے جن کے الفاظ سے بھی تواتر سے نقل ہوئے ہیں،

یہاں ہم اپنے اس مقالہ کو نقل کرتے ہیں جو کہ استاد عبدالسلام ہارون کے مقالہ البیان والتبیین للجاہلۃ کی رو میں مجلہ الرسالہ کے شمارہ ۹۵، نومبر ۱۹۵۷ء میں شائع کیا تھا،

یہ سماع حدیث ہے، سماع غناء نہیں

کبھی انسان کتابوں کے مطالعہ کے دوران ایسی چیزوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو تنقید کی دعوت دیتی ہیں اور تصحیح کی محتاج ہوتی ہیں، لیکن قاری انہیں اہمیت نہ دیکر آگے بڑھ جاتا ہے اس لئے کہ اگر وہ ان تمام چیزوں پر تنقید کرنے یا ان کی تصحیح کرنے کی ذمہ داری قبول کرے کہ جن میں غلطی واقع ہوتی ہے تو اس کے پاس اشاد وقت نہیں ہے اور نہ ہی اسودہ حالی ہے کہ اسکی مدد کر سکے کبھی عزم محکم کے ساتھ غلطیوں کو بیان کرنے کیلئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے خصوصاً جب وہ کوئی ایسی بات دیکھتا ہے

کہ جس پر خاموش رہنا یا چشم پوشی کرنا صحیح نہ ہو،
ایسے ہی میں جا حظ کی ایمان والتین کا دوسرا حصہ پڑھ رہا تھا، یہ کتاب
استاد عبدالسلام ہارون کی تحقیق کے ساتھ چھپی تھی، مطالعہ کے دوران ص ۳۲ پر میری نظروں
سے اس مضمون کی تحریر گزری:

ابن عون کہتے ہیں کہ تین اشخاص، سماع کے سلسلہ میں بہت سخت تھے اور تین اشخاص
غنا کے بارے میں تساہل سے کام لیتے تھے جو لوگ تساہل سے کام لیتے تھے وہ حسن شیبی اور غنی ہیں جو
شدت پسند تھے وہ محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجا بن حیوہ ہیں۔

استاد ہارون یہ سمجھے کہ اس خبر میں سماع سے مراد گیت و سربے لہذا انہوں نے
کلمہ منافی نقل کر دیا جو کہ اصول کے بعض نسخوں میں موجود ہے، ایسے ہی اصول کے دوسرے
نسخوں میں لفظ مہملہ کے ساتھ مرقوم ہے، چنانچہ موصوف نے اس کی تفسیر و تشریح کر ڈالی نہیں
معلوم اس سے ائمہ لغت خوش ہونگے یا ناراض،

کلمہ منافی کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ، منافی، منفی کی جمع ہے، اس میں میم
صدری ہے اور یہ غنی یعنی سے ہے، یہ کلمہ اس نسخہ میں مرقوم ہے جو کہ کتابخانہ کوبرنی میں ہے اور نسخہ
تیموریہ میں کلمہ منافی تحریف شدہ ہے،

بالمعنی روایت حدیث کی مثالیں

مسلم نے طلحہ بن عبید اللہ سے روایت کی ہے کہ رسول ص کی خدمت میں اہل نجد سے
ایک شخص آیا جس کے سر کے بال سفید تھے ہم اس کے بولنے کی آواز تو سن رہے تھے لیکن یہ نہیں سمجھ رہے

۱۔ ملاحظہ فرمائیں اس کتاب کا ص ۷۷،

تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ وہ رسولؐ کے قریب پہنچ گیا اور اسلام کے بارے میں سوال کیا تو رسولؐ نے فرمایا: شب و روز میں پانچ نمازیں، اس نے کہا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ اور ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ رضا کارانہ طور پر کچھ انجام دو اور ماہ رمضان کے روزے، پھر اس نے کہا: اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ اور ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ رضا کارانہ طور پر رکوع دو، پھر اس نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ ہے؟ فرمایا: نہیں مگر یہ کہ بمثل کچھ انجام دو یہ سنکر وہ شخص یہ کہتا ہوا واپس چلا گیا خدا کی قسم نہ میں اس سے زیادہ کروں گا اور نہ کم، رسولؐ نے فرمایا: اگر یہ سچا ہے تو کامیاب ہو گیا، دوسری روایت میں ہے یہ اور اس کا باپ کامیاب ہو گیا، اگر سچا ہے تو، اور تیسری روایت میں ہے کہ اگر یہ سچا ہے تو یہ اور اس کا باپ جنت میں داخل ہوں گے،

ابو ہریرہ سے حدیث جبرائیل میں منقول ہے،

رسولؐ نے فرمایا: مجھ سے سوال کرو تو لوگ آپ کی طرف پڑھنے لگے، ایک شخص آیا اور آپ کے زانوں کے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسولؐ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: کسی چیز کو خدا کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو رکوع ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اس شخص نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: پھر کہا اے اللہ کے رسولؐ ایمان کیا ہے؟ فرمایا: اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتاب و ملاقات اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا غیب پر ایمان رکھنا اور پوری قدر پر ایمان رکھنا، اس نے کہا: آپ نے سچ فرمایا: پھر پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ احسان کیا ہے؟ فرمایا: خدا سے اس طرح ڈرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اگرچہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ نہیں دیکھ رہا ہے، اس حدیث کے سلسلہ میں ہم نے اپنی کتاب ”شیخ المصیرہ“ میں بحث کی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں، اور اس کے بارے میں ڈاکٹر طحسین کا مطالعہ فرمائیں ۱

ابو ایوبؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسولؐ کی خدمت میں ایک آدمی آیا اور کہنے لگا مجھے ایسا کام بتائیے کہ جسکی انجام دہی مجھے جنت سے نزدیک اور جہنم سے دور کر دے، فرمایا: خدا کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو، اور صلہ رحم کرو رسولؐ نے فرمایا: اگر تم نے اسے انجام دیا جسکا تمہیں حکم دیا گیا ہے تو جنت میں جاؤ گے،

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ کی خدمت میں ایک دیہاتی و اعرابی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایسا کام بتائیے کہ جسکو انجام دے کر جنت میں پہنچ جاؤں فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ واجب غازیں پڑھو! مفروض زکوٰۃ دو رمضان کا روزہ رکھو، آنے والے نے کہا: قسم اس ذات کی کہ جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے نہ اس سے زیادہ کچھ ہے اور نہ کم جب وہ چلا گیا تو رسولؐ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس شخص کو دیکھے،

ان احادیث پر حاشیہ لگاتے ہوئے امام نوویؒ کہتے ہیں، واضح رہے طلحہ کی حدیث میں حج کا ذکر نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ذکر ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ تمبریل والی حدیث میں ہے اسی طرح دوسری احادیث میں بھی ذکر نہیں ہے بعض میں روزہ کا ذکر نہیں ہے بعض میں زکات کا ذکر نہیں ہے، بعض میں صلہ رحم کا ذکر ہے، کچھ میں خمس دینے کا ذکر ہے جبکہ بعض میں ایمان کا ذکر نہیں ہے پس ان احادیث میں خصال ایمان کے عدد میں کم و زیادتی اور اثبات و حذف کے لحاظ سے اختلاف ہے۔
قاضی عیاضؒ وغیرہ نے اس کا جواب دیا ہے اور شیخ ابو عمرو بن اصلاحؒ وغیرہ نے اس کی تفسیر کی ہے کہتے ہیں: یہ رسولؐ سے صادر ہونے والے اختلاف کے سبب نہیں ہے بلکہ روایت کے حفظ

۱۔ یہ خالد بن زید انصاریؒ ہیں، شرح النووی علی مسلم ج ۱ ص ۱۷۲، المعارف لابن قتیبہ ص ۱۱۹،

۲۔ شرح النووی المسلم علی ہاشم القسطلانی ج ۱ ص ۲۱۵،

وضبط کے تفاوت کے سبب سے ہے ان میں سے بعض کم سمجھے تو انہوں نے اسی پر اکتفا کی جتنا سمجھے تھے اور اس بات کو بیان نہ کیا کہ دوسرے نے حدیث کے اثبات یا نفی کے بارے میں کیا کہا ہے، اس اختصار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہی کل حدیث ہے اور ثقات میں سے دوسرے نے جو اضافہ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے تو اس سے یہ آشکار ہوتا ہے کہ یہ کل حدیث نہیں ہے اگرچہ اختصار کی وجہ یہ تھی کہ وہ پوری حدیث کو یاد نہیں کر سکتا تھا،

کیا آپ نے نعمان بن قطل کی حدیث نہیں دیکھی ہے، ان کی خصال میں کمی و زیادتی کے اعتبار سے اختلاف ہے جب کہ سب کا راوی ایک ہے،

یہ ہے نعمان بن قطل کی حدیث ابو سفیان اور جابر سے مروی ہے کہ نعمان بن قطل بنی مکہ پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول آپ کیا فرماتے ہیں کہ جب میں واجب نماز ادا کروں اور حرام کو حرام اور حلال کو حلال سمجھوں تو کیا میں جنت میں داخل ہوں گا؟^۹
بنی نے فرمایا: ہاں!

اعش ابی صالح ابو سفیان و جابر سے منقول ہے کہ نعمان بن قطل نے رسول اللہ کی خدمت میں مثل حدیث سابق عرض کی اور یہ اضافہ کیا کہ میں اس میں کسی چیز کا اضافہ نہیں کیا ہے،

اس کا نکاح ہم نے آپ سے کیا ہے

بنی مکہ کی خدمت میں ایک عورت آئی جو کہ رسول سے نکاح کرنا چاہتی تھی ایک

۱۔ شرح نووی مسلم ج ۱ ص ۵۱۷

۲۔ ہم نے یہاں اس حدیث کے الفاظ مختلف کی وجہ سے جو فقہاء میں اختلاف ہے اسے بیان نہیں کیا ہے اس سلسلہ میں ان کی دوسری کتب ملاحظہ فرمائیں تاکہ روایت بالمتنی کو شرمازی سے آگاہ ہو سکیں، فتح الباری ج ۱ ص ۸۷ تا ۸۸،

شخص آگے بڑھا اور عرض کی اے اللہ کے رسول ص کیا میں اس سے نکاح کر لوں؟ قرآن کے بعض حصے کے علاوہ اس کا کچھ مہر نہ تھا، رسول نے اس سے فرمایا: میں اس کا نکاح قرآن کے بعض حصہ کی تعلیم پر کرتا ہوں، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے قرآن کے عوض اس کا نکاح کیا تیسری روایت میں ہے کہ میں نے تم سے اس کا نکاح کیا، چوتھی روایت میں ہے کہ میں نے اسے تمہاری ملکیت میں دیا یا پھر یہ روایت میں ہے، میں نے اسے قرآن کے عوض تمہاری ملکیت میں دیا چھٹی روایت میں ہے کہ میں نے تم سے اس کا نکاح کیا کہ تم اسے قرآن پڑھلاؤ سکھاؤ، ساتویں روایت میں ہے کہ میں نے اسے تمہارے اختیار میں دیا، آٹھویں روایت میں ہے کہ اسے اپنے ساتھ لے جاؤ، یہ آٹھ اختلاف ایک نفظ کے بارے میں ہے،

ابن دقیق العبد کہتا ہے، یہ ایک نفظ ایک ہی قصہ میں ہے باوجودیکہ حدیث کے سرچشمہ پر سب کا اتفاق ہے

علانی کہتے ہیں: واضح ہے کہ یہ سب گھڑی ہوئی ہیں بنی نے یہ تمام الفاظ نہیں فرمائے تھے یقیناً ان میں سے صرف ایک ہی نفظ فرمایا ہوگا باقی الفاظ اسی محی کے راویوں نے ایجاد کر لئے، کس نے کہا: نفظ نفلک سے نکاح ہو جاتا ہے پھر اس پر مذکورہ حدیث سے حجت قائم کی اگر وہ بقیہ الفاظ میں بیان کرتا تو اس کی حجت قائم نہیں ہو سکتی تھی لہذا میں نے یقین کے ساتھ کہہ دیا کہ بنی نے ہی فرمایا تھا، اس راوی کے غیر نے دوسرے معنی بیان کئے، یعنی راوی کا مخالف اس کے برخلاف حدیث پیش کرتا ہے اور اس کے دعوے کے برعکس دعویٰ کرتا ہے، یہاں امر خارجہ کے دریدہ دونوں میں سے ایک کو ترجیح دی جائے گی، اسی بنا پر سیوریہ وغیرہ نے اثبات اللفظ وغیرہ میں اس اور ایسی دوسری احادیث کو مثال کے طور پر پیش نہیں کیا ہے،

حدیث نماز بنی قرظیر میں

بخاری نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ روز احزاب آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی

[illegible]

شیخین نے اپنی صحیح لفظ کے " لایزال ہذا الامر فی قریش مابقی منہم اثنان " کے ساتھ نقل کیا ہے جبکہ دونوں نقطوں اور محمول میں زمین آسمان کا فرق ہے،

پیوند نخل

مسلم نے اپنی کتاب میں موسیٰ بن طلحہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسول اللہ کے ساتھ ان لوگوں کے پاس سے گزرا جو کھجوروں کی پیوندکاری کر رہے تھے رسول نے فرمایا: یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کی: یہ پیوندکاری کر رہے ہیں نہ کو مادہ سے ملا کر پیوندگار ہے ہیں اس پر رسول اللہ ص نے فرمایا: میرے خیال میں اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں کو رسول کے قول سے آگاہ کیا گیا ہے تو انہوں نے اس کام سے ہاتھ کھینچ لیا، ان کی دست کشی کو رسول ص کو خبر دی گئی تو فرمایا: اگر اس میں ان کا فائدہ ہے تو اسے انجام دیں یہ تو میرا ایک گمان تھا، گمان میں میری اتباع نہ کیا کرو، لیکن جب میں خدا کی طرف سے کوئی بات کہوں تو اس پر عمل کیا کرو کیونکہ میں خدا پر جھوٹ نہیں باندھوں گا،

رافع بن خدیج سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ص مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ کھجوروں کی پیوندکاری میں مشغول تھے، دریافت کیا: تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم اسے بنا رہے ہیں، فرمایا: اگر تم یہ کام انجام نہ دیتے تو شاید تمہارے حق میں بہتر ہوتا، راوی کہتا ہے کہ ان لوگوں نے پیوند کاری سے ہاتھ کھینچ لیا، جس سے پھل ہی نہ آیا، راوی کہتا ہے کہ رسول ص کو بھی اس کی خبر دی گئی تو آپ ص نے فرمایا: میں بھی بشر ہوں، اگر میں نہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی خبر دوں تو اس پر عمل کیا کرو، اور اگر اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں صرف بشر ہوں، اسے مسلم، انسائی نے نقل کیا ہے،

ہشام نے ابن عرقہ سے، انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے عائشہ سے و انس سے روایت کی ہے کہ بنی ان لوگوں کے پاس گئے جو پیوندکاری میں مشغول تھے، فرمایا: اگر تم یہ کام انجام نہ دیتے تو بہتر تھا، راوی کہتا ہے کہ اس سال ردی کھجوریں لگیں، کہ دوبارہ ادھر سے رسول ص کا گزر ہوا تو فرمایا: تمہاری کھجوروں کو کیا ہوا؟

میں نے کہا آپ نے فرمایا تھا، فرمایا: اپنے دینی کلم کو تم مجھ سے بہتر جانتے ہو،
احمد کی روایت میں ہے کہ جو بھی تمہارے دین کا معاملہ ہے وہ مجھ سے متعلق ہے لیکن جو تمہاری دنیا
کا معاملہ ہے اسے تم مجھ سے بہتر جانتے ہو، کتاب النخعیل والیمان میں ابن رشد سے روایت کی گئی ہے، نہ میں
کانتکار ہوں اور نہ کھجور والا ۛ

حدیث صحیفہ علیؑ

اس حدیث کو احمد، شیعین اور ارباب سنن نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے بخاری نے کتاب
العلم میں ابو جحیفہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ سے عرض کی: کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے فرمایا
نہیں سوائے کتاب خدا اور اس فہم کے جو اس نے ایک مسلمان کو عطا کیا ہے یا جو کچھ اس صحیفہ میں ہے ہمارے پاس
اور کچھ نہیں ہے ۛ میں نے عرض کی اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: عقل، اسیر کو چھڑانا، اہیرہ کہ کافر کے عوض مسلمان
قتل نہیں کیا جائیگا،

اور باب دیات میں ہے کہ میں نے علیؑ سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہے جو
قرآن میں نہیں ہے؟ فرمایا: قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو ٹوٹا کھا دیا اور انسانوں کو پیدا کیا ہے ہمارے پاس
اسکے علاوہ کچھ نہیں ہے جو قرآن میں ہے اور اس فہم کے سوا جو اس نے ایک مسلمان کو عطا کیا ہے اور جو کچھ اس
صحیفہ میں ہے ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے میں نے عرض کی اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا عقل، اور اسیر کی رہائی۔
کتاب الحج کے باب حرم المدینہ میں ابراہیم تیمی سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ آپؐ
نے فرمایا: ہمارے پاس کتاب خدا اور اس صحیفہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے رسولؐ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:
کوہ عائر سے فلاں جگہ تک حرم مدینہ ہے، جس نے اس کی حد دو میں کوئی مظلم و جرح کیا کسی ظلم و جرح
کرنے والے کو پناہ دی، اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے جزیرہ وغیرہ قبول نہیں کیا جائے گا اور
جس نے کسی مسلمان کی ہتک عزت کی اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس پر اس سے کوئی جزیرہ وغیرہ

قبول نہیں کیا جائے گا اور جس نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر کسی غیر کا کام انجام دیا اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے جزیرہ و بدلہ قبول نہیں کیا جائیگا،

اور کتاب انجریہ کے باب ذمہ المسلمین میں ہے کہ علیؑ نے ہمارے درمیان خطبہ دیا اور فرمایا: ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے کہ جس کو ہم پڑھتے ہیں مگر کتاب خدا اور اس صحیفہ کے لوگوں نے کہا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: اس میں جراحات، اونٹ کے دانت اور یہ کہ مدینہ غیر سے فلاں جگہ تک حرام ہے پس جس نے اس میں حدیث کیا یا حدیث والے کو اس میں پناہ دی تو اس پر خدا اس کے ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اسے اس کی قیمت و روپیہ پیسہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اپنے مولیٰ کے غیر سے محبت کی اس کیلئے بھی ایسا ہی ہے، اور تمام مسلمانوں کا ایک عہد ہے پس جو بھی کسی مسلمان سے عہد توڑے گا اس کیلئے بھی ایسا ہی ہے،

باب من عاهدہم عذر میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہم نے نبیؐ سے قرآن اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے، کے علاوہ کچھ نہیں لکھا ہے، رسولؐ نے فرمایا: مدینہ عائر سے فلاں جگہ تک حرام ہے جس نے بھی اس علاقہ میں جرم و ظلم کیا یا ظلم جرم کرنے والے کو پناہ دی تو اس پر خدا اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس پر اس سے کوئی جرمانہ و جزیرہ قبول نہیں کیا جائے گا اور تمام مسلمانوں کا ایک عہد ہے ان کا ادنیٰ بھی کرکتاب ہے اور جو کسی مسلمان کے عہد کو توڑے گا تو اس پر خدا، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس پر اس سے کوئی درہم و دینار قبول نہیں کیا جائے گا اور جو کوئی اپنے موالیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم کا کام کرے یا گناہ تو اس پر بھی خدا، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس پر اس سے کوئی درہم و دینار قبول نہیں کیا جائے گا،

باب اثم من تبرئ من موالیہ میں ہے کہ ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے، جبکو ہم پڑھتے ہیں سولے کتاب خدا اور اس صحیفہ کے، پھر اسے نکالا تو اس میں جراحات، اونٹ کے دانتوں کا بیان تھا، اور اس طرح مدینہ کی حرمت، الحج، اور ولا کے مسئلہ کا ذکر تھا اور سابق کی طرح مسئلہ ذمہ تھا، کتاب اعتصام کے باب کراہت التمتع والتنازع و انخلو فی الدین میں ہے کہ علیؑ نے انبؤا کے منبر سے خطبہ دیتے ہوئے کہا: خدا کی قسم ہمارے پاس کتاب خدا اور اس صحیفہ کے علاوہ کوئی کتاب

نہیں ہے جو روپی جاتی ہے اس کے بعد اس صحیفہ کو دکھایا تو اس میں اونٹ کی عمر اور یہ کہ عائر سے فلاں جگہ تک مدینہ حرم ہے جس نے اس میں جرم کیا تو اس پر خدا کی لعنت، مسلمانوں کا ایک عہد ہے ان کا اوٹ بھی اسے کر سکتا ہے اور جو مسلمانوں کے عہد کو توڑے گا اس پر ... صحیفہ میں یہ بھی تھا: جو اپنے موابیوں کی اجازت کے بغیر کسی قوم سے لگاؤ پیدا کر لیا اس پر ... یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: خدا اس سے درہم و دینا قبول نہیں کرے گا۔ یہ بخاری کی روایات ہیں»

بخاری و دار باب سنن کی روایات بخاری کی روایات ہی کے مخی میں ہیں، مسلم نے مدینہ کی دونوں حدوں کی تصریح کی ہے کہ وہ کھو میر سے کھو نور تک ہے، حافظ ابن جریر نے حضرت علیؓ کی حدیث کو براہیم میں سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے اس صحیفہ میں وہ سب کچھ تھا جو وار د ہوا ہے، راوی کو اس میں سے کوئی چیز بیان کرنا چاہیے تھی لیکن معتضائے وقت کی بنا پر ایک نے بیان کی دوسرے نے نہیں یا ان میں سے بعض نے اس کے مواد کو مکمل طور پر حفظ نہیں کیا تھا یا اسے نہیں سنا تھا، اس میں بھی کوئی مشک نہیں ہے کہ انہوں نے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بالمشنی نقل کیا ہے کلی طور پر لفظ کا التزام نہیں کیا ہے اسی لئے ان کے الفاظ میں اختلاف ہو گیا ہے راویوں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آپ نے پورے صحیفہ کو ان کے سامنے پڑھا تھا اور انہوں نے اسے حفظ کر لیا تھا یا اسے لکھ لیا تھا بلکہ ان کے الفاظ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، آپ نے اس کے مضمون یا اس کی بعض چیزوں کو اپنے حافظ سے بیان کیا تھا، اور جس نے ان کے سامنے پورے صحیفہ یا اس کے بعض حصہ کو پڑھا تو انہوں نے لکھا نہیں، بلکہ وہی بیان کیا جو انہیں حفظ تھا اس میں سے بعض رسولؐ کے لفظ ہیں بعض اجالی معنی ہیں جیسے، قتل اور اسیر کی رہائی، عقل سے مراد قتل کی دیت ہے، اسے عقل اس لئے کہتے ہیں کہ اصل میں قتل کی دیت اونٹ کو باندھنا ہے یعنی اونٹ کو مقتول اس وارثوں کے جو کہ مستحق اسکے ہیں ان کے صحن میں اونٹ باندھیں اور یہ اونٹ کے دانت تو بعض روایات میں وار د ہوا ہے،

مختصر یہ کہ ہم امیر المومنینؓ کی کسی کتاب کو اس صحیفہ کے نام سے نہیں پہچانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ اسے آپؐ نے رسولؐ کے حکم سے تحریر فرمایا تھا کیونکہ قتادہ کی روایت ابی حسان سے منقول ہے کہ آپؐ نے کوئی چیز سنی تو اسے لکھ لی، مختصر،

اگر کوئی بات کہنے کا میں حق ہے تو اس صحیفہ پر جو کہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب ہے اور اس میں بیان ہونے والی روایات پر جو کہ بعض حدیثوں کی کتب میں نقل ہوئی ہیں ان پر حاشیہ لگائیں گے، حاشیہ یہ ہے کہ ہم اس صحیفہ کی روایات سے مطمئن نہیں ہیں خواہ ان کے راوی کوئی بھی ہوں۔۔۔ قاری کیلئے وہی کافی ہے جو کہ ان روایات کے بارے میں ابن حجر نے کہا ہے،

ہمیں اس بات میں شک ہے کہ حضرت علیؓ رسولؐ کی اس حدیث کو قلم بند کرتے تھے جو دین و مسلمین کیلئے مفید سمجھتے تھے تو اس کیلئے مایہ صحیفہ کافی نہیں ہے کہ جسے لوگوں کے بقول اپنی تلوار کی میان میں رکھتے تھے بلکہ آپؐ اپنے مسلمانوں کے فائدہ کیلئے ہزاروں احادیث لکھی ہوں گی اور جو کچھ لکھنا چاہتے تھے اس میں آپؐ صادق ہیں اس صحیفہ کے اخبار سے ہم بڑا فائدہ اٹھاتے لیکن جب یہ بات ہو جاتا کہ روایت بالمعنی کا اثر ہوتا ہے اس سے دین میں ضرر، لغت و ادب کا نقصان ہے جیسا کہ ہم عنقریب انشاء اللہ بیان کریں گے اس فصل کو ہم حافظ ابن کثیرؒ کی ایک چھوٹی لیکن جامع بات پر ختم کرتے ہیں جو کہ کتاب الباء الحثیثہ میں نقل ہوئی ہے ان لوگوں کے بارے میں بحث کرنے کے بعد جو کہ حدیث کو بالمعنی نقل کرنا جائز سمجھتے ہیں فرماتے ہیں؛

محدثین و فقہاء اور اصولیوں کی ایک جماعت نے بالمعنی حدیث نقل کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی سختی سے ممانعت کی ہے، بہتر یہی تھا کہ بالمعنی حدیث بیان نہ کی جاتی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حدیث کو بالمعنی بیان کرنے کا طریقہ جاری ہو گیا ہے، اس چیز کو آپؐ بلا اشتاء حدیث کی تمام کتابوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں، تاریخ بخاری سے آپؐ سمجھ سکتے ہیں وہ بھی بالمعنی حدیث کی روایت کرتے تھے، اسی کتاب کی فصل کتب حدیث کے مقابلہ میں غویوں کا موقوف ملاحظہ فرمائیں،

ہامنی حدیث کی روایت کا ضرر

جب رسول مکی حدیث کو ہامنی بیان گیا گیا ہے ، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور جب انہوں نے راویوں کیلئے یہ مباح کر دیا ہے کہ وہ اپنی طرف سے حدیث میں اضافہ کر سکتے ہیں ، اسے مختصر کر سکتے ہیں ، اور اس کے الفاظ کو مقدم و مؤخر کر سکتے ہیں بلکہ غلط پڑھنے والوں سے حدیث لے سکتے ہیں ، جب اس پر عمل ہونے لگا تو پھر اس کے نتیجہ میں ساری باتیں وجود میں آگئیں اور یہ سب ہامنی روایت نقل کرنے کی وجہ سے ہوا آہ اور یہ عظیم نقصان ہے ،

بحث و تتبع کے بعد واضح ہو گیا کہ جس نے ہامنی حدیث کی روایت کی اس سے ادائیگی میں بہت زیادہ کوتاہی ہوئی اسی لئے بعض علماء نے کہدیا ہامنی روایت کا سد باب کر دینا چاہیئے تاکہ وہ مسلط نہ ہو جو مستحسن ہونے کا گمان کرتا ہے حالانکہ مستحسن نہیں ہے ، جیسا کہ قدیم و جدید علماء سے ایسا ہوا ہے ، ہامنی روایت سے کبھی بہت بڑا نقصان ہوا ہے ، یہاں تک ہامنی روایت کو امت کے اختلاف کا سبب قرار دیا گیا ہے اس سلسلہ میں بعض مؤلفین نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے : امت میں آئندہ وجوہ سے اختلاف رونما ہوا

۱۔ اس مولف کے بارے میں جستجو اور محض کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ابو محمد عبداللہ بن اسید بطلمیوسی اندلسی متوفی ۵۷۱

ہے اور تمام وجوہ کا سرچشمہ یہ ہیں :

- ① الفاظ کا مشترک ہونا، اور ان کی تاویلات کا احتمال،
- ② حقیقت و مجاز،
- ③ مفرد و مرکب،
- ④ عام و خاص،
- ⑤ نقل و روایت،
- ⑥ جس کے بارے میں نص نہ ہو اس میں اجتہاد،
- ⑦ ناسخ و منسوخ،
- ⑧ اباحت و وسعت،

اور روایت و نقل کے اعتبار سے جو اختلاف ہوتا ہے اس کے بارے میں فرمایا : اس باب کا کوئی فائدہ نہیں ہے ہم نے اس سے ان علتوں کو پہچاننے کیلئے منعقد کیا ہے جو کہ حدیث کو عارض ہوتی ہیں، اور اسکے معنی بدل دیتی ہیں، بسا اوقات اس سے یہ وہم ہوتا ہے بعض بعض کے خلاف و معارض ہے اور اکثر اس میں اشکال پیدا ہوتا ہے جس سے علماء کو دور کی تاویل لانا پڑتی ہے، ہم ان علتوں کو بیان کرتے ہیں کہ کتنی ہیں ؟ اور ہر ایک قسم کی ایک مثال یا چند مثالیں بیان کریں گے کہ جن سے ان کے غیر پر دلیل قائم کی جاتی ہے۔

بطایکوس کہتے ہیں کہ : جان لو کہ : رسول آپ کے اصحاب اور ان تابعین سے منقول حدیث پر آٹھ علل طاری ہوتی ہیں ،

ہیں، یہ بات انہوں نے نہ الانصاف فی التبیہ علی الاسباب اتی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی کواثمہم میں بھی ہے یہ کتاب شیخ احمد عمر الجمہانی ازہری کی تصحیح کے ساتھ مصر میں ۱۳۱۷ھ میں چھپ چکا ہے ،

۲ بطایکوس کی کتاب سے چند علتیں لکھتے ہیں

- ① اسناد کا فاسد ہونا،
- ② حدیث بالمعنی نقل کرنا،
- ③ اعراب سے ناواقفیت،
- ④ قرأت و املا میں غلطی،
- ⑤ حدیث سے ایسی چیز کو ساقط کرنا جسے بغیر معنی کی تکمیل نہ ہو سکے،
- ⑥ محدث کسی حدیث کو نقل کرے لیکن نقل سبب کو فراموش کر دے،
- ⑦ محدث حدیث کا بعض حصہ سنے اور بعض حصہ نہ سن سکے،
- ⑧ صحیف سے حدیث نقل کرے نہ کہ مشائخ سے۔

پہلی وجہ

وہ اسناد کا فاسد ہونا ہے، لوگوں کے نزدیک یہ مشہور ترین وجہ ہے یہاں تک کہ اکثر کو یہ توہم ہو گیا کہ اگر اسناد صحیح تو حدیث صحیح ہے جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے روایت عدالت کے لحاظ سے مشہور اور امانت داری و دیانت میں معرو ف ہوتے ہیں، مطعون بھی نہیں ہوتے، ان کی نقل میں شک بھی نہیں کیا جاتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کی بیان کردہ احادیث پر مختلف قسم کے ایسے اعتراضات وارد ہوتے ہیں، جس کا ارادہ بھی انہوں نے نہیں کیا ہوگا، اسناد پر چند طریقوں سے فساد طاری ہوتا ہے،

- ① مرسل ہونا متصل نہ ہونا،
- ② بعض راویوں کا بدعتی ہونا، کذب سے متہم ہونا، ثقہ نہ ہونا، لا پر والی میں مشہور ہونا بعض صحابہ سے منحرف ہونا اور بعض سے تعصب رکھنا، اگر تعصب میں مشہور اور پھر اس کی فضیلت میں حدیث بیان کرے جس سے تعصب رکھتا ہے اور وہ حدیث اس کے علاوہ دوسرے طریقہ سے وارد نہ ہوئی ہو تو اس میں شک کی گنجائش ہے اس لئے کہ جو شخص کسی سے تعصب

رکھتا ہے اگر وہ اپنے دشمن کے بارے میں حدیث بیان کرے تو واضح ہے کہ حدیث گمراہی گئی ہے اور اگر گمراہی نہیں ہے تو اسکو بدل دیا گیا ہے یا اسکے بعض حروف میں تغیر کر دیا گیا ہے اور ناقول کی نقل پر جس چیز پر ترک پیدا ہوتا ہے وہ اس کا دنیا میں حریفوں ہونا ہے اور با دشمن ہوں کے پاس اس کی آمد و رفت اور ان کی نظروں میں عظمت بڑھتا ہے جس شخص میں یہ اوصاف ہوں گے وہ قابل اعتبار نہیں ہے، وہ حدیث میں رد و بدل کر سکتا ہے وہ حدیث گمراہ سکتا ہے اور اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بول سکتا ہے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں رسولؐ نے خبری تھی میرے بعد احادیث کی اس طرح بہتات ہو جائیگی جس طرح مجھ سے پہلے والے انبیاء کی حدیث میں بہتات ہو جاتی تھی لہذا تمہارے سامنے اگر میرا قول نقل کیا جائے تو تم اسے کتاب خدا سے ملانا اگر کتاب خدا کے موافق ہو تو وہ میرا قول ہے جو میں نے کہا ہے اور اگر موافق نہ ہو تو میرا قول نہیں ہے،

لوگوں نے روایت کی ہے کہ جب مجوسیوں اور یہودیوں کی ایک قوم نے دیکھا کہ اسلام غلبہ پا رہا ہے ستون بلند ہو رہے ہیں اور علم امتوں کو ذلیل کر رہا ہے اور اس سے منسلک ہوئے بغیر کوئی چلہ نہیں ہے تو انہوں نے کفر فریب سے کام لیا اور اسلام کا انہماک کیا حالانکہ دلی طور پر اسلام کی طرف راغب نہ تھے، بہت زیادہ جہاد کرنے لگے جب لوگوں نے ان کی روش کو دیکھا اور ان کی باتوں کو سنا تو لوگوں میں تفرقہ پڑ گیا،

حدیث کے سلسلے میں طرآن خطاب بہت سخت تھے، اس باب میں لوگوں کو ڈراتے تھے و حذران تھا، صحابہ کی شیر تودا تھی، بدعتیں نہیں ابھری تھیں لوگ اس صدی میں زندگی گزار رہے تھے جس کی رسولؐ نے تعریف کی تھی تو اس زمانہ کی کیا کیفیت ہوگی جس کی مذمت کی تھی، بدعتوں کی کثرت ہو چکی تھی اور امانتدار نا پیدا ہو چکی تھی ..،

دوسری وجہ

بینیہ الفاظ کے بجائے باطنی حدیث نقل کرنا ہے، اس باب میں بہت غلطیاں ہیں ان لوگوں میں بھیانک فتنے پیدا ہو گئے اسکی وجہ یہ ہے کہ اکثر محدثین نبیؐ نے ان الفاظ کا لحاظ نہ کیا جو آپؐ نے بیان کئے

تھے، پھر بعد والے لوگوں نے ان ہی معانی کو دوسرے الفاظ میں بیان کیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں ایک حدیث ایک ہی متن میں نہیں ملتی بلکہ مختلف الفاظ اور مختلف لغات میں وارد ہوئی ہے، بعض کے الفاظ زیادہ ہیں حدیث کے الفاظ کا اختلاف کبھی رسولؐ کی نگار سے پیدا ہوتا ہے مثلاً آپؐ نے مختلف مجالس میں حدیث بیان کی ایسی حدیثوں سے ہماری بحث نہیں ہے،

ہماری بحث تو ان الفاظ کے اختلاف سے ہے جو باطنی نقل حدیث سے پیدا ہوئے اور اس الفاظ سے غلطی ہوئی ہے، رنگ و صورت اور امور و احوال کے اعتبار سے لوگ مختلف ہیں، اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک راوی نے رسولؐ یا کسی اور سے ایک حدیث سنی اور پھر اپنے تئیں اسے وہ معانی تصور کئے جو مراد نہیں تھے اور جب اپنے تصور کئے ہوئے معانی کو دوسرے الفاظ کے پیرے میں ڈھالا تو جو سنا تھا اس کے خلاف بیان کیا یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث دو یا تین معانی کی حامل نظر آتی ہے، کبھی اس میں ایسا شکر لفظ ہوتا ہے کہ جو متضاد چیزوں پر دلالت کرتا ہے، مثلاً رسول اللہؐ کا ارشاد ہے "قصوا الشارب و لفظوا الخی" ممکن ہے یہاں رسولؐ نے ایک معنی مراد لئے ہیں اور راوی نے اس کے برخلاف معنی سمجھیں ہوں، پس جب راوی سے ہوئے معنی بعینہ لفظ کے تفسیر بیان کر گیا تو رسولؐ کے معنی کی ضد بیان کرے گا، اگر بعینہ لفظ بیان کر دیتا تو ممکن ہے آئے والا اس معنی و مفہم کو سمجھ جاتا جسے پہلا نہیں سمجھا تھا، رسولؐ جانتے تھے کہ میرے بعد کیا ہوگا اسی لئے اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا تھا، "نضر الله امرًا سيعتقني فو عاصوا و ادعوا كما سمعوا فرب مبلغ أوعى من سامع"۔

خدا خوش رکھے اس شخص کو جو میری حدیث سے اور اسے محفوظ رکھے اور اسے ایسے ہی ادا کرے جیسے تمہی تھی کیونکہ بہت سے پہنچانے والے سننے والے سے زیادہ ذہین ہوتے ہیں،

تفسیر کا وجہ

کلام عرب کے معرب و منہی اور مجاز سے ناواقفیت ہے حدیث کے بہت سے راوی وہ

لوگ ہیں جو کہ عربی زبان سے واقف نہیں ہیں، وہ نہیں جانتے کہ مرفوع کیا ہے، منصوب کسے کہتے ہیں اور مفعول کیا ہے، اپنی جان کی قسم اگر عرب ایک منہ کیلئے ایک لفظ وضع کرتے جو اسکے مفہوم کو ادا کر دیتا اور دوسرے سے متکلس نہ ہوتا تو خود صرف کے علم کی تعلیم حاصل نہ کرنے کے بارے میں ان راویوں کے پاس غدر ہوتا اور انہیں صحیح غلط کی معرفت کی ضرورت پیش نہ آتی مگر عرب نے صرف حرکات و زبیر، پیش و کے ایک لفظ کے بہت سے معنی ایجاد کئے ہیں، کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ فاعل و مفعول کے درمیان اکثر رفع و نصب کا فرق ہوتا ہے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک محدث حدیث بیان کرتا ہے اور وہ اسکے فاعل کو رفع کے ساتھ، اور مفعول کو نصب کے ساتھ پیش کرتا ہے اور پھر اس سے اس حدیث کو سامع نقل کرتا ہے اور وہ نادانی میں اس کے برعکس منصوب کو مرفوع اور مفعول کو منصوب کی صورت میں بیان کرتا ہے اسے نہیں معلوم کہ دونوں میں کیا فرق ہے، پس معنی برعکس ہو گئے، پہلے محدث کا یہ مقصد نہیں تھا،

چوتھی وجہ

تصعیف ہے یہ بھی باب حدیث میں فساد کی جڑ ہے اکثر محدثین حروف کو یاد نہیں کرتے پہلا پھر اسے بغیر قید کے اپنے حافظ پر اتمام کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں چنانچہ جب محدث مدتوں پہلے لکھی ہوئی چیز سے غافل ہو جاتا ہے اور پھر اسے اس نوشتہ کو پڑھنے کی ضرورت پیش آتی ہے یا غیرے نے اسے پڑھایا تھا تو اس وقت منصوب کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے جس سے معنی ہی الٹ جاتے ہیں اور کبھی وہ ایک حرف کے بجائے دو سرائے جاتا ہے جس سے معنی مقصود کے برعکس معنی ہو جاتے ہیں اور ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ عربی رسم الخط میں بہت زیادہ شبہات کبھی تو دو متضاد معنی میں صرف حرکت یا نقطہ کا فرق ہوتا ہے جیسے مکرم، رکے کسرہ کے ساتھ فاعل ہے اور یہی لفظ، کے فتح کے ساتھ مفعول ہے ایسے ہی افرع، ف کے ساتھ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پورے سر پر بال ہوتے ہیں اور افرع، ق کے ساتھ، گنجے کو کہتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ رسول افرع تھے، یعنی آپ کے پورے سر پر بال تھے، اور اس باب میں محدثین سے عجیب چہنیز نقل ہوئی ہے

مثلاً یزید بن ہارون سے روایت ہے کہ اس نے بیان کیا: ہم بسر بن معاویہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، یہ قول بسر بن معاویہ ہے، ایسے ہی عبدالرزاق نے روایت کی ہے ”یقاً تلون خور کرمان جبکہ خوزہ زاع مجہ کے ساتھ، ہے،

ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنہیں دارقطنی نے اپنی مشہور کتاب ”نصیحت الحافظ“ میں جمع کیا ہے، اس سے زیادہ تعجب خیز تو وہ چیزیں ہیں جو ”صحیح“ مسلم اور مسند میں نقل ہوئی ہیں مثلاً: نحن يوم القيامة على كذا... اس کا کوئی مفہوم و معنی نہیں ہے، ایسے ہی آپ اکثر نسخوں میں دیکھیں گے: ”نحن يوم القيامة على كذا“ کوم کو مد کی جمع ہے جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں جسکو بعض غلط املاء لکھنے والوں نے نحن يوم القيامة على كذا، لکھ دیا ہے اور پڑھنے والے بھی نہ سمجھے کہ یہ کیا ہے، جیسا کہ مقدمہ کتاب میں لکھا ہے اور حاشیہ کو متن میں شامل کر دیا ہے

پانچویں وجہ

حدیث سے کسی ایسی چیز کو حذف کرنے جسے غیر حدیث کا مل نہ ہو اس سے بھی حدیث میں بہت سی چیزیں داخل ہو گئی ہیں، جیسے ابن مسعود سے کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ ان سے لیلۃ الجن کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: ہم سے کسی نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے، دوسرے طریق سے ان ہی سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے افریقی میں سے ایک قوم کو دیکھا، کہتے ہیں یہ ایسے تھے جیسے میخ لیلۃ الجن میں جنوں کو دیکھا تھا یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ انہوں نے لیلۃ کا مشاہدہ کیا ہے اور پہلی حدیث سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مشاہدہ نہیں کیا ہے،

دونوں حدیثیں متعارض ہیں اور دونوں میں تعارض کا سبب وہ شخص ہے جس نے پہلی حدیث بیان کی اور اس نے غیری کا کلمہ حذف کر دیا،

چھٹی حدیث

چھٹی وجہ یہ ہے کہ محدث ایک حدیث نقل کرے اور اس نقل سبب سے چشم پوشی کرے، اس سے بھی حدیث میں اسکا ل پیدا ہوتا ہے یا دوسری حدیث کی معارض ہو جاتی ہے جیسا کہ کچھ لوگوں نے روایت کی ہے کہ رسول اسلام سے پھر جانے والے عربوں کے پاس آئے وہ اس وقت کھجوروں کے جوڑے لگا رہے تھے آپ نے ان کے ہاتھ پیر قطع کئے، آنکھیں پھوڑنے اور انھیں گرمی میں چھوڑ دینے کا حکم دیا، انہوں نے پانی مانگا تو انہیں پانی نہ پلایا، یہاں تک وہ موت کے گھاٹ اتر گئے جبکہ آپ سے مختلف طرق سے ایسی روایات نقل ہوئی ہیں جن میں آپ نے شلہ کرنے سے منع کیا ہے، اس تعارض کے پیدا ہونے کا سبب وہ شخص ہے جس نے پہلی حدیث کو نقل کیا اور اس کے سبب کو نقل نہیں کیا کہ جسکی وجہ سے انہیں شلہ کیا گیا دوسرے راوی نے اس کو بیان کیا ہے کہ رسول نے ان کے ساتھ ایسا اسلہ کیا تھا کہ انہوں نے اسکو شلہ کر دیا تھا لہذا ان کا شلہ کرنا جائز تھا کیونکہ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا،

ساتویں وجہ

ساتویں وجہ یہ ہے کہ حدیث کا بعض حصہ سنے اور بعض نہ سن سکے جیسا کہ روایت کی گئی ہے کہ عائشہ کو خبر دی گئی کہ ابو ہریرہ نے نقل کیا ہے کہ رسول نے فرمایا: بدشگونئی تین چیزوں میں ہے، گھبر، عورت اور سواری۔ یہ حدیث رسول مکی اس حدیث کے معارض ہے نہ متعدی مرض ہے نہ بدشگونئی ہے اور نہ کوئی دیوبہ، اور آپ کی اکثر احادیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ نے بدشگونئی لینے سے منع فرمایا ہے، اس پر عائشہ کو غیض آگیا اور کہنے لگی، خدا کی قسم یہ رسول نے ہرگز نہیں فرمایا ہے، آپ نے تو صرف یہ فرمایا

تھا: کہ جاہلیت والے کہتے ہیں کہ تین چیزیں میری ہیں، گھر، عورت، اور گھوڑا، اسی اثنا میں ابوہریرہؓ آئے اور حدیث سنی انہوں نے حدیث کا ابتدائی حصہ نہیں سنا تھا اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ رسولؐ اپنی مجلس میں اخبار و حکایت بیان فرماتے تھے اور ایسی باتیں بھی کہتے تھے جس سے مروی نہی مراد نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی اسے دین کی اصل بتاتے تھے اور یہ بات تو آپؐ کے فعل سے واضح اور قول سے مشہور ہے،

آٹھویں وجہ

شیوخ سے ملاقات کے بعد اور ائمہ سے سنے بغیر حدیث کو کتابوں سے نقل کرنا یہ دین میں بہت بڑی بلا ہے اور بڑا نقصان ہوا ہے، اس سلسلہ میں اکثر لوگ تسامح سے کام لیتے ہیں اور زیادہ تشریح کے اجازت ہی کو کافی سمجھتے ہیں اس کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے لکھنے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں پھر ان کے علم کو ان مسودوں اور کتابوں سے حاصل کرتے ہیں کہ جبکہ صحیح اور غلط ہونے کو نہیں جانتے،

بسا اوقات ان کے شیخ کی روایت کے خلاف ہوتا ہے نوافل یا بدل دیتے ہیں اور پھر شیخ بظلم ہوتے اسے اس کی طرف منسوب کر دیتے ہیں چنانچہ ہمارے زمانہ کے اکثر لوگوں کا علم ایسا ہی ہے، مکتب کے اساتذہ کے علاوہ ان کے پاس علم نام کی کوئی چیز نہیں ہے،

یہاں تک ہم نے کتاب البطلیموس سے اس اختلاف کے متعلق نقل کیا ہے جو کہ روایت کی وجہ سے مسلمانوں میں رونما ہوا ہے اب ہم علامہ جزائری کی طرف پلٹتے ہیں جو کہ ہمارے منتظر ہیں تاکہ ہم نقل بالمعنی حدیث کے ضرر کے بارے میں ان کے بقیہ کلام کو سنیں: جان لو کہ اکثر علماء نے بالمعنی حدیث نقل کرنے کے نقصان کو محسوس کیا ہے اور اپنے علوم کے اختلاف کے بارے میں اس کی سکایت کی ہے یہ الگ بات ہے کہ اس سے حدیث و فقہ کا بہت نقصان پہونچا ہے کیونکہ ان کی حیثیت بھی زیادہ ہے، بہت علماء اعلام کی طرف ایسے اقوال کی نسبت بھی دی گئی ہے جو کہ صحت سے بہت دور ہیں اور انہیں ان کے دشمنوں نے ان پر سن طعن کا ذریعہ بنالیا تھا، پھر بحث و تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ انہوں نے یہ نہیں کہا

[illegible]

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

والتحقيق في هذه المسألة هو الذي ينبغي ان يكون في اول الامر
والتحقيق في هذه المسألة هو الذي ينبغي ان يكون في اول الامر
والتحقيق في هذه المسألة هو الذي ينبغي ان يكون في اول الامر

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله الذي جعل القرآن الكريم
موسى عليه السلام في القلعة الحصينة
التي لا يدخلها الا من يشاء الله تعالى

ایک طرف سے کہہ دے کہ میں نے تم کو کبھی نہیں دیکھا ہے۔

حکم قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں جو چیز واجب ہے رسولؐ سے صحیح طریقہ سے نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے: اور ایسا ہی حکم قرآن کے بارے میں بھی ہے دونوں قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں ہے، انسان تجھ کو خبر دے سکتا ہے، عین لفظ کے بغیر اس کا مفہوم بیان کر سکتا ہے، اس کے مباح ہونے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن جو شخص رسولؐ سے حدیث نقل کرتا ہے اور نبیؐ کی طرف قول کو منسوب کرتا ہے اور وہ رسولؐ کی بات کو دوسروں تک پہنچانا چاہتا ہے تو اسے بعینہ الفاظ، جیسا کہ سنے تھے، نقل کرنا چاہئے الفاظ میں رد و بدل جائز نہیں ہے اگرچہ دونوں الفاظ کے معنی ایک ہی ہوں اور نہ حرف میں تقدیم و تاخیر کرنا جائز ہے اور یہی حکم اس شخص کے لئے ہے جو قرآن کی کسی آیت کی تلاوت کرنا چاہتا ہے یا اس کو سکھانا چاہتا ہے، اس بات پر دوسری دلیل یہ ہے کہ رسولؐ نے براہ بن عازب کو ایک دعا عظیم دی اس میں ایک لفظ ”و نَبِیکَ“ ”الذی ارسلت“ تھا، جب براہ نے رسولؐ کو دعا سنائی تو انہوں نے بجائے نَبِیکَ کے کہا، و برسولک الذی ارسلت، رسولؐ نے فرمایا: نہیں، و نَبِیکَ الذی ارسلت ہے، رسولؐ نے فرمایا: کہ لفظ نبیؐ کی جگہ رسولؐ نہ رکھو، جبکہ اس سے معنی میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، آنحضرتؐ کے رسولؐ ہیں، تو آپؐ چاہوں گے یہ کیسے جائز کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن مجید میں عزیر حکیم کی جگہ غفور رحیم یا سید و علیم رکھ دیں، آپؐ دعا میں بھی الفاظ کی تحریف کی اجازت نہیں دیتے جبکہ وہ قرآن نہیں ہے خدائے رسولؐ کے بارے میں فرما رہا ہے میں قرآن کو اپنے نفس و اختیار سے نہیں بدل سکتا جبکہ تبدیلی صرف اتنی تھی کہ ایک لفظ دوسرے کی جگہ پر رکھ دیا۔

تعب ہے ان لوگوں پر جو اس سلسلہ میں جھگڑتے ہیں کہ حدیث کبھی کبھار معنی بیان ہوئی ہے کیا انہوں نے مساجد سے جمعہ کے خطبوں میں خطبہ اسے نہیں سنا ہے کہ خطبہ جمعہ میں بیان کرتے ہیں اور وہی چیز آج اصل حدیث بن گئی ہے،

مجھے جوامع الکلم کے ساتھ معبود کیا گیا ہے،

ابن حجر عسقلانی رسولؐ کے اس قول ”بعثت جوامع الکلم“ کی شرح کرتے ہوئے فتح الباری میں رقم طراز ہیں: انبیاء میں سے کوئی نبیؐ نہیں ہے مگر یہ کہ اسے کچھ ایسی آیات عطا کی گئی ہیں کہ جس سے اس پر انسان ایمان لے آئے لیکن مجھے وحی سے نوازا گیا ہے، خدا نے مجھ پر وحی نازل کی ہے، امید ہے کہ روز قیامت میرا اتباع کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے،

آپؐ کے قول کے یہ معنی ہیں کہ قرآن مجید سب سے بڑا مجزہ ہے، سب سے زیادہ فائدہ رسالہ اور دائمی قرآن میں دعوت و حجت ہے، رہتی دنیا تک اس سے فائدہ حاصل کیا جاتا رہے گا، کوئی شئی اس کے قریب نہیں ہے چہ جائے کہ اس کے برابر ہوگی اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا جب اس سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ پوچھ نظر آتی ہیں، بخاری کہتے ہیں کہ اس حدیث ”بعثت جوامع الکلم“ سے جوامع القرآن مراد ہے بے شک قرآن مجید بھی آپؐ کے اس قول ”بعثت جوامع الکلم“ میں داخل ہے لیکن نزاع اس میں ہے کہ اس حدیث میں قرآن کے علاوہ آپؐ کا دوسرا کلام بھی داخل ہے یا نہیں؟ علماء نے قرآن مجید سے جوامع الکلم کی مثالیں پیش کی ہیں مثلاً ”ولکم فی القصص حیاة یا اولی الابواب لعلمکم تتقون“ اور دوسرا قول ہے ”ومن یطع اللہ ورسولہ وحیش اللہ ویتقہ فاولئک ہم الفائزون“

اسی طرح احادیث نبویؐ سے بھی جوامع الکلم کی مثال لائے ہیں، عائشہؓ سے مروی ہے: کل لیل لیس علیہ امرنا فہوردد“ وحیث ”کل شرط لیس فی کتاب اللہ فہو باطل“

ایسے ہی مقدم کی نقل کردہ حدیث ”ما ملأ ابن آدم وعاء شراً من بطنہ“

تلاش کرنے سے ایسی بہت سی حدیثیں مل جائیں گی ان میں وہی حدیث سالم ہیں جس کے الفاظ میں روات نے تصرف نہ کیا ہو اور ان احادیث کو پہچانتے کا طریقہ، کہ جن میں روات نے تصرف نہ کیا ہو، یہ ہے کہ

[illegible]

[illegible]

عجب و جبر کی پستی و پستی

علماء اسی کو اصل سمجھتے تھے کہ محدث حدیث کے معنی حفظ کر لے لیکن الفاظ وہاں معتبر ہوتے ہیں جہاں وہ نص کے موافق ہوں بالخصوص آنحضرتؐ کی مختصر احادیث اور کلمات حکمت اور مثال میں معتبر ہیں لیکن جو نص سے مستفاد نہ ہوں اس میں راوی کی عبارت مل جاتی ہے اسی لئے سفیان ثوری نے کہا ہے: اگر میں یہ کہوں کہ میں تم سے ایسے ہی حدیث بیان کرتا ہوں جیسے رسولؐ سے سنی ہے تو تم میری بات کی تصدیق نہ کرنا کیونکہ وہ معنی حدیث ہے اس سلسلہ میں بحث طویل ہو گئی کیونکہ یہ باب اس کتاب کا اہم باب ہے،

حدیث میں اعراب کی غلطیاں

انہوں نے باطنی حدیث کی روایت کو اپنے لئے مباح سمجھ لیا تھا، ایسے ہی حدیث میں غلطی کرنے کو بھی جائز سمجھ لیا تھا، اور اس کی غلطی کی اصلاح میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، حافظ ابن عبد البرؒ کی کتاب جامع البیان العلم وفضلہ میں لکھتے ہیں، ولید بن مسلم نے کہا: میں نے آوزئی سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے، حدیث کی غلطی کی اصلاح میں کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح میں نے آوزئی سے سنا کہ انہوں نے کہا: حدیث پر اعراب لگاؤ اگرچہ قوم عرب تھی

جابر بن عبد اللہ نے کہا: میں نے عامر بن شعیبؒ اور جعفر بن محمد بن علیؒ اور ابوالقاسم بنی بن محمد اور ابن ابی رباح سے اس شخص کے بارے میں پوچھا جو حدیث بیان کرنے میں غلطی کرتا ہے کیا میں ایسے ہی حدیث بیان کر سکتا ہوں جیسے سنی ہے یا اس پر اعراب لگا کر؟ کہا نہیں بلکہ اعراب لگا کر،

یہی بن معین کہتے ہیں: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ انسان اپنی بات عربی میں کہے،
نصر بن شکیل کہتے ہیں: ہشیم حدیث میں غلطی کرتا تھا میں نے تمہارے لئے حدیث پر اعراب
لگا کر بہترین بنادیا، علی ابن الحسن نے کہا: میں نے ابن مبارک سے کہا: حدیث میں غلطی ہوتی ہے کیا
میں اسے صحیح کر سکتا ہوں؟ کہا ہاں! کیوں کہ اس میں تو غلطی نہیں ہے بلکہ ہماری غلطی ہے،
امام ابن فارس نے اس امر سے اپنے رسالہ ”ما خدا علم“ میں بحث کی ہے کہتے ہیں:
لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی محدث روایت کرے اور اس میں غلطی ہو جائے تو سامع کیلئے جائز نہیں
ہے کہ وہ اس سے روایت کرے مگر اس غلطی کے ساتھ جو کہ اس نے سنی ہے،
یعنی دوسرے لوگوں کا کہنا ہے کہ سامع کیلئے ضروری ہے کہ اگر وہ عربی جانتا ہو تو حدیث پر
اعراب لگا کر اسے صحیح کر کے بیان کرے، دلیل یہ ہے کہ رسول تمام عربوں سے افصح تھے اور خدا نے انہیں منزه کیا
ہے لہذا آپ کے کلام کو ہر قسم کی غلطی سے پاک و محفوظ ہونا چاہیے،
شیخ ابوالحسن علی ابن ابراہیم قطان ایسے ہی حدیث لکھ لیتے تھے جیسے غلط اعراب کے
ساتھ سے تھے اور کتاب کے حاشیہ پر لکھ دیتے تھے حدیث اس طرح ہے ادیب یہ ہے، یہ بہترین چیز ہے
جو میں نے اس سلسلے میں سنی ہے،

انصاف میں انباری نے خبر کا ذکر کیا ہے کہتے ہیں اس حدیث: کلا الفقراء یكون
کھڑا، میں راویوں نے رد وہل کی ہے کیونکہ رسول بہترین فصیح عربی بولتے تھے اسی ہی بہت سی مثالیں
ہیں،

حدیث میں تقدیم و تاخیر

اسی طرح حدیث کی تقدیم و تاخیر میں بھی لوگ کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں،

۱۔ توجیہ النظر ص ۱۳۸، ۱۳۹،

ابو بکر ابن ابی شیبہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم جسے شخص نے بتایا کہ اشعث کہتے تھے کہ حسن شیبی حدیث کی تقدیم و تاخیر میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
 جابر ابن عبد اللہ خزیمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم عرب میں حدیث میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں۔

روایت حدیث میں یہاں تک کر ڈالا ایک راوی حدیث میں اس حیمہ کا اضافہ کر دیتا ہے جو دوسرے راوی کی روایت میں نہیں ہے اور سونے میں سہلو گ یہ ہے کہ اس کیلئے زیادہ من الفاظ مقبولہ کا قاعدہ بھی ایسا کر لیا،

حدیث میں اختصار

انہیں حدیث میں اختصار کرنے اور اس کے بعض حصے کی روایت کرنے کی کس نے اجازت

دی ہے، سنن ترمذی میں مجاہد سے روایت ہے کہ ضرورت کے وقت حدیث میں کمی کر سکتے ہو

لیکن اضافہ نہیں

شرح نخبہ میں ابن حجر فرماتے ہیں،

حدیث میں اختصار کو تو اکثر نے جائز قرار دیا ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اختصار کرنے

والا عالم ہو،

۱۔ جامع البیان العلم ج ۱ ص ۸۰،

۲۔ عیون الاخبار ج ۳ ص ۱۳۶،

۳۔ سنن ترمذی ص ۲۳۷، طبع ہند،

شرعی مسلم میں نووی فرماتے ہیں: صحیح مسلک تمہود اور اصحاب حدیث میں سے محققین کا ہے کہ انہوں نے عالم کیلئے جائز قرار دیا ہے کہ وہ حدیث کے بعض حصہ کی روایت کر سکتے ہیں، پھر کہتے ہیں لیکن صنف مصنفین جو ابواب میں حدیث کی تفسیر کرتے ہیں وہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے بلکہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور اسی پر حفاظ و محدثین اور علماء نے عمل کیا ہے،

جن لوگوں نے حدیث کے اختصار کو جائز قرار دیا ہے ان میں سے ایک مسلم بھی ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے اپنے مقدمہ میں اشارہ کیا ہے،

ابو ثمامہ کتاب المومل میں فرماتے ہیں ع

احادیث نبوی اور اخبار مروی کے بارے میں جو بڑے فقیر کرتے ہیں اس پر وہ ضعف احادیث سے استدلال کرتے ہیں، کبھی احادیث کے الفاظ کم کر دیتے ہیں اور کبھی اس میں اضافہ کر دیتے ہیں اور ابو ہریرہ اور ان کے ساتھی ابو حامد کی کتابوں میں تو اس کی بہتات ہے، اس سے زیادہ قبیح بات تو یہ ہے کہ ضعیف حدیث سے استدلال کرتے ہیں جبکہ وہ حدیث اس کے خلاف مد مقابل کی دلیل ہے اور دونوں ایک دوسرے پر اسی سے جہت قائم کرتے ہیں جسے ضعیف سمجھتے ہیں،

تساحل

ابن مہدی کہتے ہیں: جب ہم حلال و حرام اور احکام کے بارے میں رسولؐ سے روایت کرتے ہیں اسانید کی بہت چھان بین کرتے ہیں، رجال پر تنقید کرتے ہیں اور جب فضائل ثواب و عقاب کے بارے میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں تساحل کرتے ہیں اور رجال میں تسامح کرتے ہیں بیہقی نے مدخل میں بیان کیا ہے،

جن لوگوں نے روایت حدیث میں تساهل کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ وہ فضائل اعمال کے بارے میں ہو، ان میں سے احمد بن حنبل اور عبد اللہ ابن مبارک ہیں، حاکم کہتے ہیں میں نے ابو ذکریا غبریری سے سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں، جب حدیث حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کر رہی ہو اور نہ کسی حکم کی ترغیب و ترہیب کا سبب ہو تو اسکو آنکھیں بند کر کے بیان کیا جاسکتا ہے،

اس سلسلے میں احمد کا نظریہ دوسرے جواز مندہ بیان ہوگا،

ابن عبد البر کہتے ہیں: فضائل والی احادیث میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے، مزید کہتے ہیں فضائل والی حدیث کی روایات میں پہلے ہی سے علامہ تساحلی سے کلام پتے رہے ہیں اور ان پر اس لحاظ سے تنقید نہیں کی ہے جیسا کہ احکام والی احادیث پر کی ہے۔

رشید رضا نے، صاحب ادب الشرعیہ، ابن مفلح، کی تحریر پر جو حاشیہ لگایا ہے اس میں لکھا ہے کہ امام احمد سے جو نقل ہوا ہے اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے، فضائل و مستحبات میں احمد بن حنبل ضعیف حدیث پر عمل نہیں کرتے تھے، خدا احمد سے رخصی ہو سکتے وسیع اعلم اور فہم تھے! یہ بات کہ وہ ضعیف حدیث پر عمل کرتے تھے اور روایت میں تسامح سے ان میں غلو کا امت کیلئے ایک دہاب کھل گیا اور ایسی حرج اور عبادات کی تہیات ہو گئی ہے جو اسلام کے منافی ہیں یہاں تک بعض نے تو اس میں شعائر بھی ایجاد کر لئے ہیں اور فرائض کی ادائیگی اور واجبات کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے لگے ہیں اور اس سے جو آثار و ترتیب ہوئے ہیں انہیں مصنف نے قبول اسرائیلیات و المنامات و اغرافات میں ابن تیمیہ سے نقل کیا ہے،

بے شک جو عبادات و فضائل یقین کے ساتھ کتاب و سنت سے ثابت ہیں وہی امت کیلئے کافی ہیں اے کاش امت میں اکثر لوگ ایسے ہوتے جو ان میں کوتاہی نہ کرتے ...،

جو کچھ ان ائمہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے لیکن انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ ضعیف احادیث نقل کرنے سے امت کو کتنا نقصان پہونچا ہے بلکہ ان سے بھی ضرر ہوا ہے جن پر فضائل میں عمل کیا ہے،

יוסף בן יצחק

وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو دیکھا ہے کہ وہ ایک بڑی بڑی سیڑھی پر چڑھ کر اپنے ہاتھوں میں ایک بڑی بڑی سیڑھی لے کر اپنے گھر میں آ گیا ہے۔

یہ ہے اس وقت کہ اس

[illegible]

اس زمانہ میں سربراہ آورده افراد باقی تھے، شاخیں ہری ہری تھیں لوگ ایک حالت پر تھے کہ نولرج نے خروج کیا، لوگ جماعتوں اور برائیوں میں تقسیم ہو گئے اپنے اپنے گروہ بنائے ہر ایک نے حدیث کو صنعت سمجھ لیا حدیث گڑھنے لگے اور اسے جھوٹ سے متصف کرنے لگے، اس کے بعد تھہر گئے، زناد تو اور اگلے لوگوں کے واقعات بیان کرنے والے ظاہر ہوئے ان ہی وجوہ سے مختلف زمانوں میں حدیث میں خلط ملط و فساد واقع ہوا، قصہ گو قوم سرداروں کی طرف مائل تھی، اور اپنی جھوٹی و عجیب و غریب باتوں کو دہرایا کرتی تھی اور علوم کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر اس قصہ گو کے پاس بیٹھتی ہے، کہ جس کی بات عجیب و دالمر عقل سے خارج بدولیا کو تڑپانے اور آنکھوں کو دلانے والی ہوتی ہیں، اس فن کے ماہروں کے پاس جھوٹ کا پلندہ اور بے سرو پا حکایتوں کا ذخیرہ ہوتا ہے، زناد تو اسلام کے خلاف سازش کرنے اور یونان و روم کی خرافات جیسی شیخ و محال باتیں اور ہندو اور ایرانیوں کی داستانیں اس میں داخل کر کے اسے مغفود بنانے میں لگ گئے تاکہ اس سے اہل سنت کو برا بنائیں کہ ان کی روایت میں غیر معقول چیزیں ہیں، گزشتہ امتوں کی باتیں بیان کرنے والوں کا مقصد زمانہ جاہلیت کے خرافات کو صحیح ثابت کرنا اور ان سے تفسیر میں مدد لینا تھا،

تدوین حدیث

اس طبقہ کے بعد جس میں چھوٹے کمسن صحابہ اور بڑے تابعین جیسے ”ابن عباس“ تھے حدیث سہو و نظر اندازی سے گزرتی رہی، اس میں شہادت و تاویلات داخل ہوتی رہیں، اور اکثر ثقہ افراد غیر ثقہ سے عمر بن عبد العزیز کے زمانہ خلافت تک حدیث قبول کرتے رہے۔۔۔ اسے یہ خوف ہوا کہ لوگ تفریط کا شکار ہو جائیں گے اور جھوٹ بڑھ جائیگا، صحیح کا دم ہو جائے گا اور اسکے زمانہ میں ایسی چیزوں کی بہتات تھی کہ جن میں مصلحت کے بغیر جھوٹ پر نکتہ کیا جاتا اور اس کی تاویل کی جاتی تھی، ابن عباس

۱۔ ”میں اس کی بیعت ہوئی اور سارے میں مر گیا،

کے غلام عکرمہ اور سعید بن مسیب کے غلام بُرد کی جھوٹی احادیث اس کے بھانک نتائج سے عرکوفکر لاجتی ہوئی تو اس نے ابو بکر بن حزم کو مدینہ کا والی و قاضی مقرر کیا اور کہا کہ رسولؐ کی جو حدیث نظر آئے اسے لکھ لو میں ڈرنا ہوں کہ کہیں علماء کے ساتھ علم بھی ختم نہ ہو جائے،
تدوین حدیث اور اس کی جمع آوری کے سلسلہ میں یہ پہلا قدم تھا اس سے پہلے حدیث کی تدوین

نہیں ہوئی تھی... ۱

اس بحث کو ہم علل روایت میں ایک علت بیان کر کے ختم کرتے ہیں،

علل روایت کی بڑی علت

رسولؐ سے حدیث روایت کرنے، جبکہ آپؐ نے حدیث لکھنے سے منع کیا تھا، کی بہت سی علتیں تھیں ایک یہ کہ سستے وقت اس کی روایت نہ کرے، اگلے روات مٹا حدیث بیان کر پر مجبور ہوئے، دوسرے یہ کہ روات حدیث میں تدیس کرتے تھے ایک صحابی دوسرے صحابی سے رسولؐ کی حدیث اس شخص کے نام کے بغیر روایت کرتا تھا جس سے روایت کی گئی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ ابن قتیبہ نے اس کا ذکر کیا ہے موصوف اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث ۲ میں ابو ہریرہؓ کی ان روایات سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو انہوں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھیں، ابو ہریرہؓ کہتے تھے رسولؐ نے ایسے فرمایا: اور یہ حدیث انہوں نے اپنے معتبر راوی سے حفظ کی تھی، ایسا ہی ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ کرتے تھے، ایسی حدیثوں کو رجال حدیث اپنے علم میں ”تدیس“ کہتے ہیں، حافظ ذہبی ابو ہریرہؓ کی تدریخ لکھتے ہوئے کہتے ہیں، ابو ہریرہؓ حدیث میں تدیس

۱۔ جز اول تاریخ ادب العرب ص ۲۴۹ - ۲۸۱

۲۔ ص ۵۰، سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۷ و ۴۳۸

کرتے تھے اور تئیس صحابہ بہت زیادہ ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے،
 ان علل کو ہم اس اور اپنی دوسری کتاب "ایشع المفسرہ" میں بیان کر چکے ہیں اور
 ان کے نقصانات بھی قلم بردار کر چکے ہیں لیکن ایک اور بڑی علت ہے جس کا بڑے صحابی عمران بن حصین نے
 اپنے کلام میں قسم کھا کر انکشاف کیا ہے، یہ ہم پہلے نہیں بیان کر سکے، وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم اگر میں چاہتا
 تو پے درپے دوروز تک روایت کرتا اور رسولؐ سے حدیث نقل کرتا لیکن میں نے دیکھا کہ اصحاب رسولؐ
 میں سے بعض لوگوں نے وہی سنا تھا جو میں نے سنا تھا اور وہی دیکھا تھا جو میں نے دیکھا تھا مگر وہ ایسی احادیث
 بیان کرتے ہیں جن کا حقیقت سے تعلق نہیں ہے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھ سے بھی وہی غلطی ہو جائے
 جو ان سے ہوئی ہے میں نہیں خبردار کرتا ہوں کہ وہ غلطی کر رہے ہیں ایک روایت میں ہے کہ وہ خطا
 کر رہے ہیں، لیکن جان بوجھ کر نہیں،

ابن جوزی نے اپنی کتاب "شہۃ التثبیہ" میں روایت کی ہے کہ زبیر بن عوام نے سنا کہ
 ایک شخص حدیث بیان کر رہا ہے، زبیر بھی غور سے سنتے رہے یہاں تک کہ اس نے حدیث ختم
 کی، زبیر نے اس سے کہا: کیا یہ حدیث تم نے خود رسولؐ سے سنی تھی؟ اس نے کہا ہاں: زبیر نے کہا:
 اس سے اور اس سے مشابہ چیزوں سے مجھے رسولؐ سے حدیث نقل کرنے سے منع کیا ہے، قسم اپنی جان کی میں
 نہ یہ حدیث رسولؐ سے سنی تھی اور اس روز میں حاضر تھا اور رسولؐ نے اس حدیث کو بیان کرنا شروع کیا، ہم
 اسے ایک اہل کتاب کے توسط سے بیان کی تو اس روز ہم ابتداء حدیث بیان ہو جانے کے بعد آئے اور اس
 اہل کتاب کا ذکر کیا تھا لیکن تم نے یہ سمجھا کہ یہ رسولؐ کی حدیث ہے،

بسر بن سعید کہتے ہیں اللہ سے ڈرو اور حدیث کا تحفظ کرو خدا کی قسم ہم نے ابو ہریرہؓ سے

نشست و برخاست کے درمیان یہ دیکھا کہ وہ رسولؐ سے حدیث کی روایت کرتے ہیں اور ہمیں کعب کے ذریعہ
 سے حدیث سناتے ہیں پھر وہ کھڑے ہوتے ہیں، اور ہمارے بعض ساتھیوں نے سنا کہ وہ کعب سے حدیث

کی روایت کر رہے ہیں اور حدیث کعبہ کو رسولؐ کی حدیث بتا رہے ہیں۔
یہ تھی وہ باتیں جو عمران بن حصین، زہیر بن اعوام اور بسر بن سعید نے بیان کی ہیں عظیمہ مسلمان
پر واجب ہے کہ وہ اس میں غور و فکر کریں،

عمران بن حصین صحابی خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر وہ چلتے پے در پے دور و نزدیک رسولؐ سے
سے حدیثیں بیان کرتے لیکن اس سے باز رہتے ہیں اس لئے کہ اصحاب رسولؐ میں سے انہوں نے بعض لوگوں
کو ایسی حدیثیں بیان کرتے ہوئے دیکھا جو رسولؐ کی حدیث ہیں و غلطی «خطا» کے مرتکب ہوئے
ہیں بس جب مجھے صحابہ لا شعور طور پر ایسا کرتے ہیں تو ان کی کیا حالت ہوگی جو کہ جان بوجھ کر اسلام کے
مرتکب ہوتے ہیں اور منافقین و اعداء دین کا کیا حال ہوگا؟ خدا کی قسم روایت میں یہ ایک بڑے
آدمی نے کیا ہے اگر ایسا کرتے ہوئے لوگ دیکھیں تو اس کو کافر قرار دیں،
زہیر ایک دوسری علت بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ بعض لوگ حدیث کا ابتدائی
حصہ نہیں سنتے تھے اور مجلس سے نکل کر پوری حدیث بیان کرتے تھے،

پھر بسر بن سعد آتے ہیں وہ لوگوں سے کہتے ہیں: حدیث کے بارے میں اللہ سے ڈرو
اسلئے کہ بعض لوگ رسولؐ کی حدیث کو کعبہ کی طرف اور کعبہ کی حدیث کو رسولؐ کی طرف منسوب
کرتے ہیں اور وہ سب راہتی دنیا تک کتابوں میں محفوظ رہیں گے اور قیامت تک خلف سلف،
سے روایت کرتے رہیں گے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ،

تحفظ حدیث کے بارے میں طویل بحث ہے جو آپ کو ہماری کتاب «شیخ المصیرہ» میں
مل سکتی ہے، ملاحظہ فرمائیں،



وضع حدیث اور اس کے اسباب

پہلی صدی ہجری تک اور دوسری کا ابتدائی حصہ گزر جانے کے بعد حدیث کی تدوین ہوئی اور اسکے الفاظ کو نوشتہ میں لایا گیا یہاں تک کہ ابواب وسیع ہو گئے اور غیر قید و شرط کے وضع کی نہیں بکھریں اور یہاں تک کہ گروہی ہوئی احادیث کی تعداد دسیوں ہزار ہو گئی اور ان میں سے اکثر کتابوں میں مرقوم ہو گئیں اور مشرق و مغرب میں مسلمانوں کے درمیان پھیل گئیں،

اختراع حدیث کا سرچشمہ

علامہ و محققین کا اتفاق ہے اختراع حدیث کا سلسلہ عثمان کے آخری عہد اور اس فتنہ میں شروع ہوا جس میں آپ کی حیات کا خاتمہ ہوا، حضرت علیؓ کی بیعت سے اس اختراع میں اور شدت پیدا ہو گئی کیونکہ مسلمانوں نے آپ کی صحیح طریقہ سے بیعت نہیں کی تھی یہاں تک اموی شیطان کا رنگ نکل آیا اور حقدار سے خلافت کو غصب کرے اور اسے اموی حکومت بنادے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، افسوس! آپ کے سامنے استاد امام محمد عبدہ رحمۃ اللہ کا وہ دقیق اور سچا جملہ پیش کرتا ہوں جو کہ انہوں

نے رسالۃ التوحید کے مقدمات میں اس فتنہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے جس سے مکمل خلافت کا رکن عظیم منہدم ہو گیا تھا، اور اسلام و مسلمین کو عظیم صدمہ پہنچا اور وہ اس راستے سے ہٹ گئے جس پر قائم تھے اور قرآن اپنی جگہ باقی رہا،

اس کے بعد اور حوادث رونما ہوئے بعض لوگوں نے چوتھے خلیفہ کی بیعت تو زودی مسلمانوں کے درمیان جنگیں ہوئیں جس سے باڈماہیت لمویوں میں چلی گئی جماعت کی بنیاد ہل گئی، ان کے درمیان تفرقہ پھیل گیا خلافت کے بارے میں ان میں مختلف مذاہب بن گئے ان کی تائیدیں، پارٹیاں وجود میں آ گئیں، پھر ایک مد مقابل کی رائے پر اپنی رائے قول و عمل سے حکم بناتا تھا، روایت و تاویل میں اختراع کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ہر مبالغہ سے کام لیتا تھا نتیجہ میں لوگوں میں اختلاف پھیل گیا۔

جعلی حدیث

جعلی حدیث وہ ہے جو گمراہ کر رسولؐ کی طرف منسوب کر دی گئی ہو خواہ یہ غل غفلت میں انجام دیا ہو یا جان بوجھ کر کیا ہو،

حدیث گمراہ کر رسولؐ کی طرف منسوب کرنا، جیسا کہ ایک امام نے کہا ہے، دین اور مسلمانوں کیلئے مشرق و مغرب کے تعصب سے بڑا خطرہ ہے اور یہ جو مسلمان گمراہ ہوں، فرقوں اور مذاہب میں تقسیم ہوتے ہیں یہ حدیث سازی کا دین میں ایک اثر ہے،

مرتضیٰ یامانی اپنی کتاب ”اثبات الحق“ میں تحریر فرماتے ہیں: اہل اسلام کے بدعت گزاروں کی سب سے بڑی بدعت کا سرچشمہ دو چیزیں ہیں کہ جنکا باطل ہونا واضح ہے وہ یہ ہیں،

۱۔ سب سے پہلے طلحہ فذیر نے بیعت توڑی، اس پر لم المومنین عائشہ نے ان کی مدد کی کیونکہ ان میں اور حضرت علیؓ میں دشمنی تھی اور طلحہ وزیر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،

دین میں کمی و زیادتی کرنا اور دین میں اضافہ کی قسموں میں سے ایک اس پر جھوٹ باندھنا ہے،
نووی شرح مسلم میں قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں،
جھوٹوں کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ جھوٹ حدیث رسول میں جان بوجھ کر جھوٹ شامل کرتے ہیں، ان کی کچھ قسمیں ہیں، بعض یہ
ہیں جو رسولؐ کی طرف اس بات کو منسوب کرتے ہیں جو آپؐ نے نہیں کہی تھی، جیسے زنا و غیرہ کہ
یہ لوگ خدا کیلئے کسی وفادار کے قائل نہیں ہیں یا لوہے کے زعم کی وجہ سے یا پانا الگ دین بنا نا ہے جو
لوگ فضائل میں احادیث گڑھتے ہیں جیسے فاسق محدثین یا تعصب و اجتماع کی وجہ سے گڑھے
ہیں جیسے بدعت گزاروں کے مبلغین اور مذاہب کے متعصبین یا اہل دنیا کی خواہش پوری
کرنے کی وجہ سے گڑھتے ہیں یا اپنے تفوق کی خاطر ایسا کرتے ہیں،

ان میں سے بعض احادیث کا متن نہیں گڑھتے ہیں بلکہ ضعیف حدیث کے متن کیلئے صحیح
و مشہور سند تراشتے ہیں بعض ان میں سے اسانید کو الٹ پلٹ دیتے ہیں یا تو اس میں جان بوجھ کر اضافہ کر دیتے
ہیں یا اعراب کی ترغیب سے ایسا کرتے ہیں یا اپنے دامن سے جہالت کا دھبہ چھوڑنے کیلئے ایسا کرتے ہیں
ان میں سے بعض جھوٹ بولتے ہیں حدیث سے کا دعویٰ کرتے ہیں جبکہ سنی نہیں تھی، ملاقات کا دعویٰ
کرتے ہیں جبکہ ملاقات کی نہیں تھی اور ان سے صحیح احادیث نقل کرتے ہیں ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ
صحابہ عرب کے حکماء و غیرہ کے قول سے کہتے ہیں اور اسے رسولؐ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں،
نووی کے بیان کردہ اسباب کے علاوہ بھی حدیث سازی اور انہیں رسولؐ کی طرف منسوب
کرنے کے اور بہت سے اسباب ہیں جنہیں علماء نے بیان کیا ہے ہم یہاں ان میں سے اہم ٹکڑیاں کہتے ہیں،
”یہ بہت ہی اہم ہے“ زنا و جنہوں نے نفاق سے اسلام کا لباس پہن لیا تھا اور
دین میں فساد پیدا کرنے اور مسلمانوں میں تفرقہ پر داری کیلئے مسلمان ہوئے تھے،

حاکم بن زید کہتے ہیں: زنادقہ نے چار ہزار حدیثیں گزری ہیں ظاہر ہے کہ یہ تعداد وہ ہیں جس تک موصوف کے علم کی رسائی ہوئی اور ان احادیث کا کذب واضح ہوا ورنہ محدثین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک ایک زندگی نے چار چار ہزار حدیثیں گزری ہیں،

کہتے ہیں کہ جب ابن ابی اسوجہ کو گرفتار کیا گیا تاکہ اس کی گردن ماری جائے تو اس وقت اسے بتایا کہ میں نے تم میں چار ہزار حدیثیں گزری ہیں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

دوسرے مذاہب کی اصول و فروع میں مدد کیلئے محدث گزری گئی، کیونکہ جب مسلمان مذاہب و فرق میں تقسیم ہو گئے تو ہر مسلمان نے اپنے مذہب کے اثبات کیلئے اپنی طاقت کے مطابق حدیث وضع کی خصوصاً اس وقت جب ان کے درمیان مناظرہ مجادلہ کا دواڑہ کھل گیا تھا اور اس کا مقصد صرف اپنے مد مقابل کو خاموش کرنا اور اس پر ظفر یا بھونا تھا یہاں تک کہ ایک علم "اختلاف" ایجاد کر لیا اور اس میں بہت سی کتابیں لکھیں، جبکہ ان کے دین نے اختلاف کو سب سے بڑا دشمن سمجھا ہے سے کچھ حاصل ہوا،

بعض محدثین نے کہ جنہوں نے وضع کے اسباب بیان کئے ہیں تحریر کیا ہے: ایک بدعت گزار نے توبہ کی تو کہنے لگا دیکھو یہ حدیث کس سے لے رہے ہو کیونکہ جب ہم کوئی بلند چیز دیکھتے تھے تو اسے حدیث بنا دیتے تھے،

پھر حدیث سازی صرف بدعت گزاروں میں مذاہب کی نفرت اور اہل مذاہب کے اصول ہی میں محدود نہیں ہے بلکہ اہل سنت میں بھی فروع میں اختلاف ہے انہوں نے بھی اپنے مذہب و امام کی تعظیم کیلئے بہت سی حدیثیں گزری ہیں،

آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں اوروہ یہ، میری امت میں ایک آدمی ہوگا جسے محمد بن ادریس کہا جائے گا، میری امت کیلئے مائیس سے زیادہ ضرر رساں ہوگا اور میری امت میں ایک "اور" آدمی ہوگا جسے ابو حنیفہ کہا جائیگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا کہتے ہیں اس حدیث کی سند میں دو حدیث گڑھے والے ہیں ایک مامون بن احمد اسلمی دوسرے احمد بن عبد اللہ النخعی،

خطیب نے مرفوع طریقہ سے ابوہریرہ سے روایت کی ہے اور صرف وہ چنبر بیان کی ہے جو حنیفہ سے متعلق تھی کہتے ہیں: یہ گمراہی ہوئی ہے اسے محمد بن سعید المروزی البورقانی نے وضع کیا ہے، پھر کہتے ہیں: ایسے ہی اس نے خراسان کے شہروں میں بیان کیا اور پھر عراق میں بیان کیا اور اس میں یہ اضافہ کر دیا: عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے محمد بن ادریس کہا جائیگا اس کا فتنہ میری امت کیلئے ابلیس کے فتنے سے زیادہ مضر ہوگا۔

کہتے ہیں یہ بہتان ہے اس کا باطل ہونا محتاج بیان نہیں ہے اس کے باوجود معتبر فقہاء اپنی فقہ کی کتابوں میں مذکورہ حدیث کا وہ ٹکڑا نقل کرتے ہیں جس میں ابو حنیفہ کو سراج الامت ملکا گیا ہے، اور اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کو گمراہی سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ان کا امام تمام ائمہ سے عظیم ہے اس کے ساتھ وہ امت کے امام ہیں دین میں ان کے اقوال لئے جاتے ہیں انہوں نے ان کے لئے کتب و احادیث اور سنت و رسول ﷺ چھوڑ دی ہے کیونکہ یہ دونوں ان کے کہنے کے مطابق مجتہدین سے مخصوص ہیں،

شرح مسلم میں ابو العباس قرطبی لکھتے ہیں: بعض اہل رائے فقہانے اجازت دی ہے کہ اس حکم کو اصل کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے کہ جس پر قیاس جلی دلالت کرتا ہو چنانچہ اس سلسلہ میں کہتے ہیں رسول نے یہ فرمایا ہے: لہذا ہم ان کی کتابوں کو ایسی احادیث سے مملو پاتے ہیں کہ جن کے متون خود گوہری دیتے ہیں کہ گمراہی ہوئے ہیں، کیوں کہ وہ فقہاء کے فتاویٰ سے مشابہ ہے، یہ سید المرسلین کے کلام کی فصاحت کو نہیں پہنچ سکتا ہے کیونکہ وہ اسکے لئے کوئی سند نہیں پیش کر سکتے ہیں، ابو شامہ اپنی کتاب المومل میں رقم طراز ہیں،

۱۔ اس پر شافعی مذہب والے اپنے امام کے بارے میں حدیث گمراہی پر مجبور ہوئے تاکہ ہر امام پر ان کو فضیلت دیں لہذا وضع کی: رسول نے فرمایا: قریش کی تنظیم کرو کہ ان کے عالم نے زمین کو علم سے بھر دیا ہے، امام ملک کے چاہنے والوں نے بھی اپنے امام کیلئے حدیث گمراہیوں کو نہیں کی، لوگ مشرق سے مغرب تک چلے جائیں تو بھی وہ اہل مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پاسکیں گی اور اسی فہم کی دوسری حدیث ابوہریرہ سے منقول ہے ملاحظہ فرمائیں کتاب الانتقام مولفہ عبد البرہ

شیوخ فقہ، احادیث نبویہ اور آثار مرویہ میں جو ضعیف احادیث کے ذریعہ اپنے مسلک پر استدلال کیا ہے اور کبھی احادیث کے الفاظ کم کئے ہیں اور کبھی اس میں اضافہ کیا ہے اور یہ چیز ابو المعالی اور ان کے دوست ابو حامد کی کتابوں میں سب سے زیادہ ملتی ہے،

② تیسرے اس کے حفظ کرنے سے غافل رہنا اور زہد و عبادت میں مشغول رہنا عابد و صوفی لوگوں کے بارے میں حسن ظن رکھتے اور جرح کو حرام غیبت سمجھتے تھے لہذا ان میں جھوٹ رواج پا گیا اور لا شعور یا طور پر وہ بدعت کے ترکب ہو گئے تو پھر ضروری ہے کہ ایسی احادیث پر اعتماد نہ کیا جائے جن سے نصیحت اور تصوف کی کتابیں بھری پڑی ہیں نہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ کہاں سے لی گئی ہیں اور ان کی کیا حیثیت ہے اور یہ چیز انہیں کتابوں سے مخصوص نہیں ہے کہ جسکے مؤلف کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے جیسے زہدۃ المجالس، جھوٹی حدیث وغیرہ سے ملوے بلکہ ائمہ علماء کی کتب جیسے غزالی، ایام، العلوم بھی گزری ہوئی احادیث سے خالی نہیں ہیں،

③ بادشاہوں اور امراء سے تقرب حاصل کرنے کیلئے حدیث گزری گئی جیسا کہ بہت سے حفاظ نے بیان کیا ہے اسی طرح برے علماء نے امراء کو خوش کرنے کے لئے رسول پر جھوٹ بانڈھا ہے، ان ہی کا خاطر فقہ کے احکام و فروع میں جھوٹ سے کام لیا ہے، اس باب میں وہ گزری ہوئی احادیث بھی ہیں، جو بادشاہوں اور سلاطین کی مدح اور تنظیم پر مشتمل ہیں بالکل ایسے ہی جیسا کہ آج جاہل لوگ بادشاہوں کی چالو سوتی کرتے ہیں ایسے ہی پہلے والے بھی کرتے تھے،

④ خطا و نسیان ایک گروہ سے ہوا ہے ان میں سے وہ مجاہد ہے کہ جس پر راہ صواب ظاہر ہو گئی تھی لیکن اس راہ سے میں خوف کی وجہ سے نہ ہٹے کہ ان کی طرف غلطی کی نسبت دی جائے گی اور انہیں دیندار نہیں سمجھا جائے گا اور حدیث بیان کرنے میں انہیں غلط نہیں سمجھا جائیگا،

⑤ جس شخص کے پاس کتب تھیں وہ حافظ پر اعتماد نہیں کرتا تھا کتب پر بھروسہ کرتا تھا اور جب کتابیں ضائع ہو گئیں تو وہ اپنے حافظ سے حدیث بیان کرنے لگا جس سے غلطی واقع ہوئی۔

⑥ آخر عمر میں عقل کا کام نہ کرنا، ثقات کی ایک جماعت کے ساتھ یہی پیش آیا تو وہ معذور

ہو گئے لہذا عقل و کمال کے زمانہ میں بیان ہونے والی ادھر بڑھاپے اور عقل کے مختل ہونے کے زمانہ کی حدیثوں میں تمیز کئے بغیر ان کی طرف منسوب کرنا،

⑧ مناظرہ میں مدتِ مقابل پر غلبہ کیلئے خصوصاً صاحب وہ سربراہ و درہ لوگوں میں سے ہو یہ مذہب کی مدد کی وضع کے علاوہ ہے، ابی جوزی کہتے ہیں: اسباب وضع حدیث میں سے وہ بھی ہے جو کہ مجموعوں میں مناظرہ کے وقت اس شخص سے ظاہر ہوا کہ جس کا کوئی دین نہیں ہے وہ اپنی بات کو حکم بنانے اور مجادلہ منظم کرنے کیلئے خواہش نفس کے مطابق استدلال کرتا تھا اور اپنے مقابل پر غالب آتا تھا غالب آنے کی محبت اور جاہ طلبی

⑨ لوگوں کو خوش کرنے ان کے درمیان اپنی بات کو مقبول بنانے اور انہیں اپنی وعظ کی مجالس میں جذب کرنے اور اپنے حاشیہ نشینوں کی تعداد بڑھانے کی وجہ سے محدثین قصہ گو افراد سے متصل ہو گئے ہیں شاید ابن جوزی نے مختلف موضوعات پر وعظ کی زوال پذیری اور وعظ کے ذریعہ لوگوں کے دین کی تباہی سے خبردار ہونے کے بعد قلم اٹھایا ہے، خود اپنے بارے میں کہتے ہیں میرے وعظ کی مجالس میں جو احادیث برخلاف ہوتی تھیں اور میں انہیں رد کرتا تھا تو تمام قصہ گو میرے دشمن ہو جاتے تھے۔

قصص اور قصہ گو

سلفی نے فضل بن زیاد کے ذریعہ روایت کی ہے انہوں نے کہا: میں نے احمد ابن حنبل کو کہتے ہوئے سنا، میں لوگوں کے سوال اور قصہ گو کی تکذیب کرتا ہوں،

ابو قلاب سے مروی ہے کہ اس نے کہا: قصہ گو افراد نے علم نابو کر دیا ہے،
عقیل نے عاصم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابو عبد الرحمن کہتے تھے: قصہ گو لوگوں

سے بچو!

معاویہ نے قصہ گو بنائے

زبیر بن بکاء نے اخبارِ مدینہ میں اہل علم میں سے نافع وغیرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ کے عہد اور زمانہ ابو بکرؓ میں قصہ گوئی کا رواج نہیں تھا، یہ بدعت ہے جسکو فتنہ کے زمانہ میں معاویہ نے ایجاد کیا تھا،

ابن ابی شیبہ نے ایسی روایات ابن عمرؓ سے نقل کی ہیں، عمرؓ نے قصہ گوئی سے منع کیا تھا،

① لوگوں کی ہدایت کیلئے مٹانے میں شدت اختیار کرنا اور زیادہ تر غیب دلانا ہے شاید ان دونوں قسموں کو وضع کرنے والوں کیلئے علامہ کے اس قول نے کام آسان کر دیا ہے کہ اعمال میں ضعیف احادیث پر عمل کیا جاسکتا ہے، اور ایسے ہی ان چیزوں پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے جو کہ احکام و حقوق سے متعلق نہ ہوں گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ دین ناقص ہے اسے کامل و تمام کرنے کی ضرورت ہے جبکہ خداوند عالم کا ارشاد ہے: **الیدوم الملکت لکم دیکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**، وہ تمام بدعتیں جنہیں لوگ بدعت حسنہ کہتے ہیں وہ دین میں اضافہ ہے، اے کاش یہ زیادتی صرف اعمال میں ہوتی لیکن یہ زیادتی عقائد میں بھی ہے، جیسے یہ اعتقاد کہ صالحین میں سے بعض مہجائے والے حاجت روائی میں خدا اور لوگوں کے درمیان واسطہ ہیں، یا وہ صالحین خود ان حاجتوں کو پورا کرتے ہیں کیونکہ اسباب کے علاوہ غیبی طاقت حاصل ہے ان کی وجہ سے خدا حاجت روا کرتا ہے تو اس سلسلہ میں خدا کا ارادہ ان کے ارادے کا تابع ہے جیسا کہ ان کا یہ قول مشہور ہو گیا ہے کہ خدا کے کچھ ہندے ہیں جب وہ ارادہ کرتے ہیں تو خدا ارادہ کرتا ہے ایسی ہی اور باتیں بھی ہیں، اور جب آپ ان سے یہ کہیں گے کہ خدا نے اس کی اجازت نہیں دی ہے تو آپ کے سامنے ایسی مثال پیش کریں گے جس سے خدا پاک ہے جیسے خدا کو بادشاہوں اور ان افراد سے تشبیہ دیتے ہیں جن کا وہ شخص تقرب ڈھونڈتا ہے جو کہ ارادہ کی تخصیص و ترجیح اس قدیم علم کی بنا پر ہے شک کسی کیلئے خدا کا ارادہ نہیں بدلتا ہے کیونکہ ارادہ کی تخصیص و ترجیح اس قدیم علم کی بنا پر ہوتی ہے کہ جس میں تغیر و تبدل نہیں ہے،

① اچھے کلام کیلئے اسانید وضع کرنا تاکہ وہ حدیث بن جائے، اسے علمائے متقل سبب قرار دیا ہے
 ② اپنے کو اس شخص کے سامنے عالم ظاہر کرنا جو اس سے کلام کر رہا ہے، جب حدیث سے بحث ہوتی ہے تو کہتا ہے: کس کے دین میں نرمی اور عظم میں کھوٹ ہے، اس حدیث کو فلاں نے نقل کیا ہے اور فلاں نے اسے صحیح قرار دیا ہے اس کی سند ان کتابوں میں ہے جو زیلاب ہیں۔ ان باتوں سے مقصد یہ ہوتا ہے تاکہ مد مقابل پر جتنے کریں وہ جانتا ہوں کہ جسکو دوسرے نہیں جانتے ہیں یا حدیث کیلئے نئی سند یا یاد کرتا ہے،

سیوطی نے ابن جوزی سے حکایت کی ہے کہ جو لوگ اپنی حدیث میں وضع جھوٹ اور الٹ پلٹ کے مرکب ہوتے ہیں ان کی چند قسمیں ہیں ایک وہ ہیں جن پر زہد سوار ہو گیا اور وہ حفظ سے غافل ہو گئے یا ان کی کتابیں ضائع ہو گئیں اور انہوں نے اپنے حافظہ سے حدیث بیانی شروع کر دی جس سے غلطی ہوئی کچھ ثقہ ہیں لیکن آخری عمر میں ان کی عقلیں بے کار ہو گئیں تھیں ان ہی میں سے وہ بھی ہے کہ جس نے سہواً غلط روایت کی اور لیکن جب اسے صحیح روایت معلوم ہو گئی اور اس کا یقین ہو گیا تو اس خوف سے اس کی تصحیح نہ کی کہ لوگ اس کی طرف غلطی کی نسبت دیں گے ان میں سے کچھ زنادقہ ہیں کہ جنہوں نے شریعت کو فاسد کرنے، شک ڈالنے اور دین سے پھیلے کیلئے احادیث وضع کیں، بعض زنادقہ شیخ کو غافل کو دیتے اور ان کی کتاب میں وہ چیز شامل کر دیتے جو اس کی حدیث نہ ہوتی ان میرے وہ بھی ہے کہ جس نے اپنے مذہب کی خاطر حدیث وضع کی ان میں سے وہ بھی جس نے ترغیب و مال کے لالچ میں حدیث گڑھی وہ بھی ہے جس نے اچھے کلام کیلئے اسانید سازی کی اجازت دی، وہ بھی ہے جس نے اس سے بادشاہوں کا تقرب بڑھونڈا،

اس سلسلہ میں بحث طویل ہو گئی لہذا ای پر اکتفا کی جاتی ہے،

حدیث وضع کرنے والے بہت ہیں ان کی تعداد دو میں نہیں کی جاسکتی، کہتے ہیں کہ ان میں سے چار مدینہ میں ابن ابی نعیم، بغداد میں واقفی، خراسان میں مقاتل بن سلیمان اور شام میں محمد بن سعید بہت مشہور تھے۔

سلاطین اور امراء کے تقرب کیلئے جو حدیث گڑھی جاتی تھیں ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہوں
 رشید کو کبوتر اور کبوتر بازی بہت پسند تھی اسے کبھی نے تحفہ میں کبوتر دیا اس وقت اس کے پاس
 ابو بختری قاضی موجود تھا اس نے کہا: ابو ہریرہؓ نے بتایا ہے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لاسبق
 الانی خف او حافر او جناح ۛ اسیں جناح کا لفظ بڑھا دیا اس لفظ کو رشید کی خاطر بڑھایا تو اس نے
 قاضی کو بہترین انعام دیا، جب وہاں سے اٹھ کر قاضی چلے گئے تو رشید نے کہا: خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ یہ کذاب ہے
 اور کبوتر کو ذبح کرنے کا حکم دیدیا کہنے کہا: کبوتر کی کیا خطا ہے؟ کہا اس کی وجہ سے رسولؐ پر جھوٹ باندھا گیا
 ہے،

سیاست کیلئے حدیث سازی

اس فصل کو ختم کرنے سے پہلے حدیث سازی کے اس پہلو سے پردہ اٹھانا ضروری ہے کہ
 حیات اسلامیہ میں جس کا بڑا اثر ہے اور یہ اثر فرسودہ خیالات، سرکش عقول اور متعصب نفوس پر آج
 تک چھایا ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سیاست کا دخل ہے اس نے اس سلسلے میں بہت بڑا کردار ادا
 کیا ہے،

یہ سیاسی حدیث سازی کی ہر وسیلاب معاویہ کے زمانہ میں اپنے اوج پر پہنچ گیا تھا،
 یہاں تک کہ انہوں نے معاویہ کے دار الحکومت شام کو اتنا عظیم بنادیا تھا کہ مدینہ رسولؐ کا
 بلداکرام کہ جہاں آپؐ پیدا ہوئے تھے اسکی بھی اتنی عظمت نہ تھی اور اس مسئلہ نے اتنی شدت اختیار کر لی تھی کہ

۱۔ ابو بختری بکاربہ عبد اللہ کے بعد مدینہ بنی کا قاضی تھا پھر ابو حنیفہ کے دوست البرہسہ کے بعد بغداد کا
 قاضی بنادیا گیا تھا خلافت مامون کے زمانہ میں سلسلہ ہجری میں انتقال ہوا، تفسیر
 قرطبی ج ۱ ص ۶۹،

خاص کر اس موضوع پر مستقل کتابیں تحریر کی گئی تھیں،
چونکہ اس موضوع کیلئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے اسلئے ہم نے اس کتاب میں،
اختصار کو مدنظر رکھا ہے لہذا مختصر شواہد اور علامت ہی کی طرف اشارہ کریں گے،
اس وضع حدیث کی چند مثالیں،

جو کچھ بکریہ کی وضع کی ہوئی حدیث کو ابن عساکر نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے وہ بدر کے روز
ملائکہ ایک دوسرے کو بشارت دے رہے تھے کہہ رہے تھے، کیا تم صدیق کو رسولؐ کے پاس عرش پر
نہیں دیکھ رہے ہو؟ خطیب نے ابن عباس سے اور انہوں نے رسولؐ سے روایت کی ہے کہ میرے پاس
جبرائیل آئے جبکہ ان کے اوپر چٹائی تھی درآئی ایک وہ خلال کر رہے تھے میں نے دریافت کیا اے جبریلؑ کیا
ہے؟ کہنے لگے خداوند عالم نے ملائکہ کو حکم دیا کہ آسمان پر اسی طرح خلال کرو جس طرح زمین پر ابوہریرہ
خلال کر رہے ہیں،

ابوہریرہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو میں کسی
آسمان سے نہیں گزرا مگر وہاں میں نے اپنا اور اپنے خلیفہ کا نام پایا،
ایسے ہی ابوہریرہ نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: ملائکہ عثمان سے ایسے ہی شرم
کھاتے ہیں جیسے اللہ اور اس کے رسولؐ سے شرم کھاتے ہیں،

ایک حدیث میں ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تمام عورتوں پر عائشہ کو ایسے ہی فضیلت حاصل
ہے جیسے نرید کو تمام کھانوں پر ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جبریلؑ کے توسط سے حریر کے ہارچہ پر عائشہ
کی تصویر رسولؐ کے پاس بھیجی گئی اور کہا گیا: یہ دنیا و آخرت میں آپ کی زوجہ ہیں،
حدیث ہے کہ: اپنا نصف دین تم لوگ عائشہ سے حاصل کرو،
اور روایت میں ہے اپنے دین کا حصہ ان ہی سے حاصل کرو،...

یہ بہت طویل باب ہے اور تمام چیزوں کو اس میں نہیں سمویا جاسکتا جو اس سلسلہ

میں وارد ہوئی ہیں،

معاویہ اور شام

معاویہ ، اور شام جہاں اس نے اور اس کے انکار نے عرصہ دراز تک حکومت کی ہے ، ان دونوں کی فضیلت میں جو حدیثیں وضع کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے ،

معاویہ ، جیسا کہ مشہور ہے ، اور اس کا باپ فتح مکہ کے رفقہ اسلام لائے ، تو پھر وہ طحطاہ میں سے ہے ، اسی طرح وہ ولوفہ انطلوب میں سے ہے جو کلاہنے اسلام کی اجرت لیتے تھے ، اسلام میں معاویہ ہی نے خلافت رشیدہ کے رکھ و ستون کو منہدم کیا تھا جو آج تک قلم نہیں ہو سکا ہے ، دمشق اس کی ملکیت تھا آپ کے سامنے وہ حدیثیں پیش کر رہا ہوں جو گوشتوں نے اس کی فضیلت میں گڑھی ہیں ،

ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبیؐ نے معاویہ سے فرمایا : اے اللہ سے ہادی بنا دے ، دوسری حدیث میں ہے کہ : اے اللہ سے سارے کتاب کھادے اور عذاب سے محفوظ رکھ اس حدیث میں اس جملہ کا اضافہ بھی ہوا ہے کہ اور اسے جنت میں داخل کر ،

معاویہ کے فضائل میں جتنی بھی حدیثیں آئی ہیں ان کی کوئی حقیقت و اصل نہیں ہے کیونکہ بخاری کے شیخ اور بڑے عالم اسحاق بن راہویہ نے کہا ہے ، معاویہ کے فضائل میں کوئی چیز بھی معتبر نہیں ہے ، بخاری نے باب فضائل اصحاب ابھی میں بیان کیا ہے ، لکھتے ہیں : باب ذکر معاویہؓ اور اس باب میں وہ احادیث ذکر نہیں کی ہیں جو کہ نبیؐ کی طرف مرفوع ہوں بلکہ معاویہ کی توصیف میں ابن عباس کے دو قول نقل کئے ہیں ، پہلے میں کہا ہے : وہ رسولؐ کے ساتھ تھا دوسرے میں کہا : وہ فقیہ تھا ،

۱۔ حافظ ابن حجر اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں ” تنبیہ “ بخاری نے اس ترجمہ میں ذکر کا لفظ استعمال کیا ہے نہ فضیلت کہا ہے اور نہ منقبت ،

[illegible]

قرار دہیں، یہ مرفوع حدیث میں بیان ہوا ہے، ابوہریرہ نے اپنی مرفوع حدیث میں دمشق کو جنت کے شہروں میں سے ایک بتایا ہے کہتے ہیں: چار شہر جنت کے شہروں میں سے ہیں مکہ مدینہ بیت المقدس اور دمشق، لیکن قسطنطنیہ، طبرہ، انطاکیہ، اور صنعاء جہنم میں،

جہاں اس حدیث میں قسطنطنیہ کو آگ کا شہر بتایا گیا ہے وہیں اس کی فضیلت میں حدیث بھی نقل کی ہے یہ اس وقت ہوا کہ جب اس کو فتح کرنے کے لئے وہ لوگوں کا طمع نظر بن گیا، قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا اور اس کا امیر بہترین امیر ہے اور وہ لشکر بہترین لشکر ہے شاید یہ حدیث زید بن معاویہ کے بارے میں وضع کی گئی ہے کیونکہ قسطنطنیہ میں وہ امیر لشکر تھا،

ہم شام کی فضیلت میں بیان ہونے والی تمام چیزوں کو بیان نہیں کریں گے کیونکہ اس کلام کے لئے کتابیں درکار ہیں جیسا کہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الصراط المستقیم میں تحریر کیا ہے، دوسری طرف مصنفین نے بیت المقدس اور شام کے دوسرے علاقوں کے فضائل میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور ان میں وہ چیزیں قلم بند کی ہیں جو کہ اہل کتاب سے منقول ہیں یا اس سے نقل کی ہیں کہ جس نے ان سے نقل کی ہیں، مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں پر اپنے دین کی بنیادیں قائم کریں اور جن لوگوں نے وہ اسرائیلیات نقل کئے ہیں ان کی ایک مثال کعب الاحبار ہے اور ثامیوں نے ان میں سے بہت سے اسرائیلیات نقل کئے ہیں،

قریہ ابدال کی اصل

شام کے جن شہروں کو انہوں نے فضیلت سے مخصوص کیا اور مع ان کے باشندوں کے جو کچھ توصیف کی وہ کچھ ان میں سے ابدال بنادیا، یہ عقیدہ اسلام کے تباہ کرنے والے عوامل سے ایک تھا جس کو صوفیوں نے اپنی طریقت کیلئے اصل بنایا تھا اور پھر اس پر اپنے اوہام و خرافات کی عمارت تعمیر کی، واقعہ یہ کہ روایت کی ہے جب معاویہ امام حسنؓ سے صلح کے بعد اللہ سے عراق سے شام

تذکرہ اہل بیت علیہ السلام، ج ۱، ص ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶

١٠

၁။ အောက်ဖော်ပြပါအတိုင်း အစီအစဉ်အရ အစီအစဉ်အရ အစီအစဉ်အရ

[illegible]

سید الشہداء علیہ السلام کے لئے ہے۔

[illegible]

والتحفة السنية في معرفة النسخ والاصناف من الكتب النادرة والخطوط العتيقة
والتي كانت في حوزة دار الكتب في القاهرة في سنة ١٢٨٠ هـ

[illegible]

⑤ چالیس مرد ابدال ہیں اور چالیس عورتیں، جب کوئی مرد مرتد جاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے مرد کو ابدال بنا دیتا ہے اور جب کوئی عورت مرتد ہے تو اللہ کسی عورت کو اس کی جگہ ابدال بنا دیتا ہے۔
اس بن مالک سے۔

⑥ ابدال موالی ہیں سے ہیں۔ اس کے راوی عطاء بن ابی رباح۔

ان احادیث کے بارے میں فقیہ محدث سید رشید رضا نے سوال اٹھایا ہے سوال کہنے والے نے کہا: ان کے شام سے متعلق ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اور ابدال کی وجہ سے اہل شام سے عذاب ملتا ہے ان کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے اور ان ہی کے تھکے انھیں رزق ملتا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا اہل شام ہی کو رزق دیا جاتا ہے ان ہی کی مدد کی جاتی ہے ان ہی سے عذاب پٹایا جاتا ہے اور دوسرے اہل زمین سے نہیں،؟!

سید نے اس کا عالمانہ اور عارفانہ جواب دیا ہم یہاں اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔
مروج نے اس طرح اس کا جواب شروع کیا ہے، یہ احادیث روایت و روایت اور متن و سند کے لحاظ سے باطل ہیں، متصوفین کی وجہ سے امت میں رائج ہوئی ہیں ان حافظ ابن جوزی موضوعات میں بیان کیا ہے اور ایک کے بعد دوسرے پر طعن کیا ہے ابدال ولی احادیث میں صوفی شیعہ اور باطنیہ اور باسریلیات کے روات مشترک ہیں،

ہمارے حکیم و محقق ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں تصوف اور اہل تصوف کے علم و عمل کا حال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں،
پھر متاخرین میں سے صوفی متکلمین کشف اور ماورائے حس میں بہت آگے نکل گئے چنانچہ

۱۔ مجملہ الملاح ص ۷۷ تا ۷۸،

۲۔ شیعوں نے پیشہ حدیث ساری کی خدمت کی ہے اور بطور خاص اس بات کی مکمل طور پر نفی کی ہے کہ وہ ابدال والی احادیث کا وضع میں شریک تھے کیونکہ ان میں ابدال نہیں ہیں اور نہ انہیں پہچانتے ہیں،

بہت سے حلول و وجوہ کے قائل ہو گئے اس سے کناہیں بھریں جیسے ہرودی وغیرہ ہیں اور ابن عربی وابن سبعین اور ان دونوں کے شاگرد ابن عقیف نے ان کا اتباع کیا،

فریقین میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے کے مذہب کو اختیار کیا، ان کا کلام مخلوط ہو گیا ان کے عقائد میں مشابہت ہو گئی صوفیوں کے کلام میں قطب کا لفظ ابھرا اس کے معنی عارفین کے راس و رئیس کے ہیں، صوفیوں کا خیال ہے کہ ممکن نہیں ہے اس کی موت تک کوئی معرفت خدا میں اس کے مساوی ہو سکے پھر اہل عرفان میں سے کوئی اس کے مقام کی میراث پائے گا قطب کے بعد ابدال کی ترتیب وجود کے قائل ہوئے ہیں، جیسا کہ نقباء کے بارے میں شیعوں کا نظریہ ہے یہاں تک کہ جب وہ کسی کو تصوف کا خرقہ پہناتے ہیں تاکہ اسے اپنے طریق کی اہل بنائیں تو اسے حضرت علیؑ تک پہنچاتے ہیں، درنہ صحابہ کے درمیان حضرت علیؑ کا کوئی الگ طریقہ اور طہیدہ لباس و حال نہیں تھا بلکہ رسولؐ کے بعد ابو بکر و عمر سب سے بڑے عابد و زاہد تھے دین میں ان میں سے کوئی بھی کسی چیز سے مخصوص نہیں تھا بلکہ تمام صحابہ دین و دہ اور مجاہدہ میں اسوہ تھے پھر بہت سے فقہاء اور اہل فتویٰ نے ان متاخرین کی باتوں کی تردید کی ہے اور طریقت کے بارے میں جو بھی انہوں نے ایجاد کیا اس کی نفی کی ہے،

لیکن اہل حدیث نے صرف ان احادیث کی سند کے بارے میں بحث کی ہے حافظ ابن جوزی نے کہا یہ گڑھی بھٹی ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان کا اتباع کیا، یہی ابن حجر کے تلامذہ میں سے بخاری یعنی سیوطی نے کہا ہے،

کہتے ہیں ابدال والی حدیث کے کچھ طرق میں اور مختلف الفاظ میں ہے لیکن سب ضعیف ہیں یہ قول ابن حجر کے کلام سے زیادہ صحیح ہے اس میں سے کچھ صحیح ہے اور کچھ صحیح نہیں ہے، اور جب سید رشیدؒ ان احادیث کو جھٹلادیا — تو پھر...

ملا علی قاری نے موضوعات میں ابن الصلاح سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ابدال کے بارے میں ہم ان میں قوی ترین قول حضرت علیؑ کا پایا ہے کہ شام میں ابدال ہوں گے، یہ ابن تیمیہ کے اس قول کے موافق ہے جو کہ انہوں نے اپنے رسالہ میں اہل صفہ اور صوفیوں کے بارے میں روایت کے لحاظ سے بیان کیا ہے، لیکن شیخ الاسلام نے درایت کے لحاظ سے بیان کیا ہے تو وہ غایت الغایات ہے ان کے بعض جملے ہم یہاں نقل کرتے ہیں،

فصل ۔ لیکن وہ اسامہ جو کہ بہت سے عابدوں اور عام لوگوں کی زبان پر جاری ہیں جیسے غوثؒ کہ مکہ میں ہوتا ہے چار اوقات سات اقطاب چالیس ابدال اور تین سو نچاوان اسلام کا کتاب خدا میں کہیں ذکر نہیں ہے اور نہ ہی رسولؐ سے صحیح وضعیف روایات کے ذریعہ نقل ہوئے ہیں ہاں لفظ ابدال شامی کے بارے میں حضرت علیؑ سے نقل ہونے والی منقطع الاسناد حدیث میں وارد ہوا ہے اس حدیث کو مرفوعاً نبیؐ سے نقل کیا ہے ارشاد ہے: کہ ان میں یعنی اہل شام میں چالیس مرد ابدال ہیں جب بھی ان میں سے کوئی مرد مرتا ہے تو خدا اس کی جگہ دوسرے آدمی کا ابدال بنا دیتا ہے، یہ الفاظ سلف کے کلام میں بھی نہیں ملتے ہیں ...

پھر بیان کرتے ہیں کہ لفظ غوث اور غیاث کا مستحق خدا کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے اس کے بعد شیخ الاسلام نے اوقات و قطب کے بارے میں مقول اور لغت کے مطابق بحث کی ہے، پھر ابدال کی طرف لوٹ آئے ہیں کہتے ہیں، لیکن یہی مرفوع حدیث تو یہ رسولؐ کا کلام نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ شام کے فتح ہونے سے قبل حجاز وین میں ایمان تھا اور شام و عراق اس وقت کفر کا گڑھ تھے پھر غوث علیؑ کے زمانہ میں رسولؐ کا یہ ارشاد ثابت ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کا ایک فرقہ خیر سے نکل جائے گا اور اس سے وہ گروہ جنگ کرے گا جو اولیٰ بالحق ہوگا حضرت علیؑ اور آپ کے اصحاب اولیٰ بالحق تھے اور انہوں نے اہل شام سے جنگ کی ہے،

پھر سید رشید کہتے ہیں: وہ حدیث جو حضرت علیؑ سے مروی ہے اس کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے آپ کے بعض اصحاب اہل شام پر رحمت کرتے تھے تو آپ نے انہیں مطلق طور پر سب پر

سب و شتم کرنے سے منع کیا اور فرمایا: ان میں ابدال ہیں یعنی اللہ تعالیٰ معاویہ کے انصار کو تبدیل کو دیتا ہے اور وہ اس کے مددگار نہیں رہتے ہیں، ان ہی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن بنی امیہ کے مقرب روات نے اس میں اضافہ کر دیا پھر صوفیوں میں اسے ادب بڑھا دیا اور اسے مرفوع حدیث بنا دیا جیسا کہ انہوں نے دوسرے مشہور ہرول کی مدح و مذمت کی حدیثیں وضع کی تھیں،

ابن عساکر نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابدال میں ہیں، نیز کہا: ابدال شام میں ہیں اور بخبار کوفہ میں ہیں پھر یہ لوگ ابدال بخبار نقباء اور اخبار کے بارے میں ان اقوال کو اور زیادہ بیان کرنے لگے، لفظ ابدال ان میں سب سے زیادہ مشہور ہے جس چیز کا صوفیوں نے دعویٰ کیا وہ دوسری اور تیسری صدی کے لوگ اس سے نہیں سمجھتے تھے امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: اہل حدیث ہی ابدال ہیں،

لیکن روایات میں یہ جو بیان ہوا کہ خدا ابدال کے ذریعہ اہل شام کی مدد کرے اور ان کو رزق دیتا ہے تو اس کا متن کمزور اور اس کی وضع کی دلیل ہیں، مدد کیلئے خدا نے کچھ اسباب بنائے ہیں جن میں اس کی کتاب اور اس کی مخلوق میں جاری سنت سے سمجھا جاسکتا ہے اور افضل الامم، افضل الرسل کی قیادت میں جنگ احد میں بعض اسباب سے تہی دست ہو گئی توفیق کے بعد شکست اٹھانا پڑی اور مشرکین ان پر غالب آگئے جب سلطان اس صورتحال سے آگاہ نہ ہو سکے تو اللہ نے اپنے رسول پر آیت نازل کی اور آپ سے سب بیان کیا فرمایا: ”او لما احصاکم مصیبتہ قد اجبتکم ثلثیھا قلتم اتی هذا؟ قل هو من عند انفسکم...“ اور ان ہی اجتماعی اسباب میں سے وہ چیز بھی جو خدا نے بیان کی ہے ”ان تنصر اللہ تنصرکم“ اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو تمہاری مدد کرے گا اور خدا کا یہ قول ”ولا تنازعوا فتشکوا و تذهب ریکم“ اگر رومی اور معنوی اسباب میں سے خدا کا یہ قول بھی ہے ”اذ لقیم فنتہ فاشتبوا و اذکر واللہ کثیراً“ اور پھر جب ۱۹۲۷ء میں اہل شام مصیبت میں مبتلا تھے، نان و جو کو محتاج تھے اور فرانسوی فوج ان کے شہر ہرول کو برباد کر رہی تھی انہیں سے بہت سے بھوک سے مر رہے تھے، بدن پر کپڑے انہیں نہیں تھے تو اس وقت وہ ابدال اور ان کے اسرار کہاں تھے، ۱۹!

موصوف نے اپنے کلام کو اس بات پر ختم کیا،

ان روایات نے ملت اسلامیہ کے منافع اور فوائد کو فاسد کر دیا اور صوفی و اہل طریق جو کہ ان سے ٹسک کئے ہیں وہ مسلمانوں کی نسل کیلئے آزمائش بن گئے اور عرصی علوم کے حامل اور دانشوروں کو اس سے متحرک رہے یہی چنانچہ دانشور اسلام کو بھی دوسرے ادیان کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں اور اسے خرافات و اوهام پرستی کا لکنا کہتے ہیں، ایسے ہی صوفی ترقی پسند اقوالم کے سامنے مسلمانوں کیلئے علویہ، ان کی جہالت اور ان کے دین و اخلاق کی تباہی کی انتہا یہ ہے، وہ افریقہ میں ٹیونس سے مراکش کے سبزہ زاروں تک فرانس کے مددگار بن گئے ہیں اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے دین قرآن سے سمجھیں، نہ ان روایات سے جو کہ ہمیں کتاب خدا اور اسکے رسول کی سنت سے روکتی ہیں جن میں تاویل کا بھی احتمال نہیں اور نہ اس کا کوئی ثمرہ بھلائی ہے، اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ان گمراہوں، ان کے مددگاروں اور ان کی پوجی جانے والی قبروں کی تاویل کرنے والوں کو پیروں کے نیچے روند دیں کیونکہ عامہ کا اعتقاد ہے کہ رزق اور دنیا کی کامیابی ان قبروں کے مدفون ہی سے طلب کی جاسکتی ہے ان خرافات کے سبب ہماری امت تمام امتوں کی غلام بن گئی ہے امت کے عام لوگ آج تک اس بات کے معتقد ہیں کہ میتیں اور غیب کے لوگ امت کے رزق اور اس سے بلاؤں کو دھوکے کا سبب ہیں۔

حکومت بنی عباس

جب معاویہ اور شام کی فضیلت میں حدیثیں بیان ہوئیں بنی عباس کی حکومت نے بھی بنی ہاشم کے ذوال کے بعد خود احادیث کے ذریعہ حکم بنایا ان میں سے بعض یہ ہیں،
نزاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول نے عباس سے فرمایا: تم ہی میں نبوت؟
بلشما ہمت ہے،

ایسے ہی حافظ ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن ہشام نے کامل میں روایت کی ہے اور ابو ہشام

کی روایت ہے کہ: تم ہی میں نبوت ہے اور تم ہی میں مملکت ہے،
ترمذی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے عباس کیلئے دعا کی اور اس میں
فرمایا: اور خلافت کو ان کی نسل میں باقی رکھ،

طبرانی نے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا خلافت میرے چچا اور میرے والد کے بھائی
کے بیٹوں میں رہے گی یہاں تک کہ وہ خلافت مسیح کے سپرد کر دیں گے،

وضیح حدیث کا سلسلہ سناج حکم جاری رہا، احمد نے ابوسعید خدری سے روایت کی
ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: فتنوں کے ظہور اور آخری زمانہ میں میرے اہل بیت میں سے ایک شخص نکلے گا جس کا نام مفلح
ہوگا چونکہ بنی عباس کی حکومت کے سلسلہ میں گفتگو ہو رہی ہے اس لئے ہم یہاں وہ چیز بھی ذکر کر رہے ہیں جو کہ
سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ خلفاء میں متوکل سے نقل کی ہے، کہتے ہیں اس نے سنت کی طرف اپنے
مائل ہونے اور اہل حدیث کی مدد کرنے کا اظہار کیا اور محمد بن کو سامرا میں بلایا انھیں عطا پایا سے نوازا
ان کا اکرام کیا اور انھیں صفات و رویت کے بارے میں حدیث بیان کرنے کا حکم دیا، متوکل کے حق
خیال نے بہت دعائیں کیں اور اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا:
خلفاء تین ہیں ابو بکر صدیق اہل ہرہ کے قتل میں، عمر بن عبدالعزیز رد مظالم میں زور متوکل نے احیاء
سنت میں،

یہ ہے حکومت بنی عباس کہ جن کیلئے یہ تمام حدیثیں روایت کی گئی ہیں اس کے آثار میں سے
یہ ہے جیسا کہ بعض مورخین نے بیان کیا ہے، اسلام میں تفرقہ پڑ گیا عرب کا نام دیوان سے مٹ گیا اور
حکومت عجمی پھر ترک پھر قابض ہو گئے اور ان کی بڑی حکومت بن گئی اور ممالک مختلف قسموں میں تقسیم
ہو گئے،



کے لئے یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔

ہذا اور یہ ہے

یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔

یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔

یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں

یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔
 یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں، اور جو چیزیں تیار کی گئی ہیں، وہ جہیز ہیں۔

یہ چیزیں تیار کی گئی ہیں

گردھی ہوئی چمیز کو جائز قرار دیں، طحاوی نے اپنی کتاب مشکلہ میں ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ جب تمہارے سامنے میری اسی حدیث بیان کی جائے جسے تم جانتے ہو تو اس کا انکار نہ کرو اس کی تصدیق کرو، خواہ میں نے وہ بیان کی ہو یا نہ میں وہی کہتا ہوں معروف ہوتا ہے منکر نہیں اور جب تمہارے سامنے کوئی حدیث بیان کی جائے جس میں منکر کا حکم ہو معروف نہیں تو اس کی تکذیب کرو کیونکہ میں ایسی بات نہیں کہتا ہوں جو اچھائی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے،

اس حدیث کے مشابہ ایک اور حدیث ہے جسے احمد نے نقل کیا ہے، رسول کا ارشاد ہے: جب تم میری کوئی حدیث سناؤ! جسے تمہارے دل قبول کرتے ہو اور اس کیلئے نعم ہوں اور یہ دیکھو کہ وہ تم سے قریب ہے تو میں اس کا تم سے زیادہ خدار ہوں اور اگر تمہارے سامنے کوئی حدیث ایسی بیان کی جائے جس کا تمہارے قلوب انکار کر دیں اور تمہاری عقل شعور اسے قبول نہ کرے اور اسے اپنے سے بعید سمجھو تو میں تم سے زیادہ اس سے دور ہوں، سید رشید کہتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے،

خالد بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سعید دمشقی سے سنا وہ کہہ رہے تھے: جب کلام اچھا ہو تا ہے تو میں اس کی سند بنا لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں۔

حلیہ میں ابن مہدی، ابویہودہ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے خوارج کے ایک شیخ سے اس وقت سنا جب وہ تو بکر چکا تھا وہ کہہ رہا تھا: یہ احادیث تمہارا دین ہے غور کرو کس سے لے رہے ہو کیونکہ ہم جس چیز کی طرف مائل ہوتے تھے اس کیلئے ایک حدیث گڑھ لیتے تھے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: خدا کی قسم یہ رسل کے درپہ احتجاج کرنے والوں کی کمر توڑنے والی ہے کیونکہ خوارج کی بدعتیں سرشتہ اسلام و صحابہ میں بہت زیادہ تھیں اور جب وہ کسی چیز کو اچھا سمجھتے تھے اس کیلئے ایک حدیث گڑھ لیتے تھے اور پھر اس کا خوب پروپیگنڈا کرتے تھے اکثر آدمی کوئی چیز سن لیتا تھا اور پھر حسن ظن کی بنا پر اس کا نام بیان کئے بغیر کہ جس سے سنی تھی اسے بیان کرتا تھا،

اس سے دوسرا لیتا تھا پھر منقطع حدیث سے احتیاج کرنے والے کے ہاتھ لگ جاتی تھی وہ اس سے حجت قائم کرتا تھا اور اس کی اصل بیان نہیں کی جاتی تھی،

صالح حدیث گرٹھنے والے

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ رسول کی طرف جعلی حدیثوں کو منسوب کرنے والے صرف دشمنانِ دین اور ہوس پرست ہی نہیں تھا بلکہ مسلمانوں میں سے صالح لوگ بھی حدیث گرٹھکر رسول کی طرف منسوب کرتے تھے اور یہ کام وہ بڑے خود فیل اللہ انجام دیتے تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے یہ بیت اچھا کام انجام دیا ہے اور جب انے کوئی یہ پوچھتا تھا کہ کیسے رسول پر جھوٹ باندھا ہے تو وہ کہتے: ہم نے رسول کے فائدہ کے لئے جھوٹ بولا ہے ان کے ضرر کیلئے نہیں اور پھر جھوٹ تو وہ ہے جو جان بوجھ کر باندھا جائے، مسلم نے اپنی کتاب میں یحییٰ بن سعید القطان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم نے صائین کو کسی چیز میں اتنا جھوٹ بولتے نہیں دیکھا جتنا وہ حدیث میں بولتے تھے ایک روایت میں ہے کہ ہم نے اہل خیر کو حدیث سے زیادہ کسی چیز کے بارے میں جھوٹ بولنے دیکھا، یعنی وہ جیسا کہ مسلم کہتے ہیں جھوٹ بولتے تھے،

مسلم نے ابو زناد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے مدینہ میں سو مستعد و امین اشخاص دیکھے جن سے حدیث نہیں لی جاتی تھی،

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: جاہلوں کی ایک جماعت نے دھوکا کھایا انہوں نے ترغیب و تنوید کیلئے حدیثیں گڑبھس اور کہنے لگے: ہم نے آنحضرت پر جھوٹ نہیں باندھا ہے بلکہ ہم نے تو یہ کام انکی شریعت کی تائید میں کیا ہے،

یہ لوگ اس بات سے غافل رہے کہ رسول کی طرف اس چیز کی جھوٹی نسبت دے رہے ہیں تو آپ نے بیان نہیں کی اور اس کا اقتضاء خدا پر جھوٹ باندھنا ہے کیونکہ کثرت میں

سے کسی بھی حکم کا اثبات ہے خواہ مستحب ہو یا واجب خواہ مکروہ ہو یا حرام اور اس بات کا وہ شخص پروردہ نہیں کریگا جو کہ اس سلسلے میں کرامیہ کی مخالفت کرتا ہے کہ وہ بھی یہ قرآن و سنت میں بیان ہونے والے احکام کو نافذ کرنے کیلئے جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ جھوٹ رسول اللہ کے فائدہ کے لئے باندھا ہے ضرر کیلئے نہیں، یہ تو عربی سے جہالت ہے،

عبداللہ بن ہذا ندی کہتے ہیں کہ میں احمد کے غلام سے کہا: ان احادیث کی اصل کیا ہے جو کہ فقہاء کے سلسلے میں بیان ہوئی ہیں؟ انہوں نے کہا: ہم نے انھیں امام کے قلوب کو غلام بنانے کیلئے وضع کیا ہے ابن جوزی نے احمد اس غلام کے بارے میں لکھا ہے: وہ زاہد تھے خواہش دنیا کو چھوڑ دیا تھا صرف سبزی کھاتے تھے ان کے انتقال کے روز بخارا کے بازار بند ہو گئے تھے،

احمد بن محمد فقیہ مروزی اپنے زمانہ کے سنت کے بڑے عالم تھے اور سب سے زیادہ اس سے دفاع کرتے تھے اور اس کی مخالفت کرنے والے کی تحقیر کرتے تھے اس کے باوجود حدیث گڑھتے اور اس میں رد و بدل کرتے تھے،

بخاری نے تاریخ الاوسط میں عربین صبح بن عمران تمیمی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: خطبہ بنی مہینے گڑھا ہے،

حاکم نے اپنی اسناد سے مدخل میں ابو عماد مروزی سے نقل کیا ہے کہ ابو عصمت سے کہا گیا آپ نے حکمران ابن عباس سے نقل کر کے یہ کہاں سے کہہ دیا کہ سورہ سورہ فضائل قرآن میں ہے جب کہ اصحاب حکمران کے نزدیک ثابت نہیں ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے قرآن سے نسخہ موڑ لیا ہے اور فقہ ابی حنیفہ میں مشغول ہو گئے ہیں، تو میں نے یہ حدیث وضع کی،

لطیفہ

اس سلسلے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ ہر ایک اپنے اپنے ذوق و مزے کے مطابق

حدیث گڑھا تھا چنانچہ حاکم نے سیف بن عمرؓ کی طرف نسبت دیتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے کہا: میں سعد بن طریف کے پاس موجود تھا کہ ان کا بیٹا مدرسہ سے دوڑا ہوا آیا انہوں نے کہا: کیوں رو رہے ہو اس نے کہا معلم نے مارا ہے، کہنے لگے آج میں انھیں »معلم« کو ضرور رسوا کروں گا: ہم سے عکرمہ بن ابن عباس سے مرفوع طریقہ سے حدیث بیان کی، تمہارے بچوں کے معلمین تم میں سے شریروں ہیں »تیم پرکم رحم کھاتے ہیں اور مساکین پر بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، ایسی حدیثیں بے شمار ہیں،

ادراج کے ذریعہ ..

کبھی راوی حدیث میں ایسی چیز داخل کرتا ہے جو اس کا مطمع نظر نہیں ہوتی ہے اسی شے کو علامہ من باب الادراج کہتے ہیں اور حدیث المدرج اسے کہتے ہیں جس میں ایسی چیز کا اضافہ کر دیا گیا ہو جو اس کا جز نہ ہو، اہل اثر کا قول ہے کہ ادراج کی دو قسمیں ہیں، اسناد میں ادراج، متن میں ادراج متن میں ادراج اول حدیث میں ہوتا ہے جیسے ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث کہ جسکو خطیب نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: »اسبقواہو ضروریل للاعقاب من النار« یہ اسبقواہو ابو ہریرہؓ کا اضافہ ہے کبھی اثنائے حدیث میں ادراج ہوتا ہے جیسے نسائی کے نزدیک فضالہ کی یہ حدیث ہے »انا زعیم۔ والزعیم الجمیل۔ من آمن بی و اسلم و جاهد فی سبیل اللہ یت فی رض الجنۃ« میں اس کا ضامن ہوں جو مجھ پر ایمان لایا اور اسلام قبول کیا اور راہ خدا میں جہاد کیا وہ جنت کے قصر میں رہے گا۔ الزعیم الجمیل، حدیث میں اضافہ ہے،

لیکن حدیث کے آخر میں جو ادراج ہوتا ہے وہ حدیث کسوف میں ہے، وہ صحیح میں ہے »ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لاینخسفان موت احد ولا حیاتہ فاذا رایتہما ذاکلک فافزعوا الی ذکر اللہ والعلاۃ« سورج و چاند خدا کی آیتوں میں سے دو آیتیں ہیں انھیں کسی کی موت و حیات سے گہن

نہیں لگتا ہے پس جب تم انہیں کہیں میں دیکھو تو ذکر خدا کرو اور نماز پڑھو، غزالی کہتے ہیں یہ بعد والا حصہ اضافہ ہے اس کو نقل کرنا صحیح نہیں ہے اس کے کہنے والے کو جھٹلانا واجب ہے،

کیا گڑھی ہوئی حدیث کی معرفت ممکن ہے۔

محققین نے کچھ کلی اصول بیان کئے ہیں کہ جن کے ذریعہ موضوع جعلی، حدیث کو پہچانا جاسکتا

ہے ان میں سے بعض اصول یہ ہیں،

ظاہر قرآن یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا شریعت کے مقررہ قواعد برہان عقلی،

برہان جس اور تمام یقینات کے خلاف نہ ہو یہ کہ حدیث میں وعدہ وعید اور ثواب وعقاب کے بارے میں مشکل پچو باتیں نہ ہو یا اس چپکے خلاف جو سنت صریحہ میں بیان ہوا ہے یا فی نفسہ باطل ہو یا اسکے باطل ہونے پر صحیح شواہد دلالت کر رہے ہیں، یا انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو یا اہل علم کے کلام سے زیادہ مشابہہ ہو یا مستقبل کے ایام کی تواریخ پر مشتمل ہے یا قبیح ہو یا لوگ اس کا مذاق اڑائیں یا اس کے باطل ہونے پر صحیح شواہد علمی تجارب دلالت کر رہے ہوں، یا اسکے معنی رکیک ہوں ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں: معنی رکیک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب بھی وہ حدیث پائی جائے جعلی ہونے پر دلالت کرے کیونکہ یہ پورا دین اچھائیوں کا مجموعہ ہے لیکن لفظ کے رکیک ہونے سے وضع سمجھ میں نہیں آتی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ راوی نے اسے بالعمی روایت کی ہے اور اس نے اس کے الفاظ کو غیر فیصح الفاظ سے بدل دیا ہو،

ابن جوزی کہتے ہیں: حدیث منکر وہ ہے جس سے طائب علم لرز جائے اور اس کا قلب اس

سے نفرت کرے یعنی شارب کے الفاظ کا جاننے والا اور انہیں سمجھنے والا ہو، کہتے ہیں جب معقول یا منقول یا اصول کے خلاف کوئی حدیث دیکھیں تو سمجھ لیجئے کہ وہ گڑھی

ہوئی ہے،

၈၂၃ နှစ်အတွက် အောက်ပါအတိုင်း ဖြစ်သည်။

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على من لا نبي بعده

[illegible]

’میں نے یہ سب کچھ دیکھا ہے، وہی سچ ہے، سچ ہی ہے۔‘

سید الشہداء علیہ السلام کے ہاتھوں سے شہید ہوئے اور ان کے ساتھ بہت سے صحابہ کرام بھی شہید ہوئے۔

[illegible]

ॐ नमो भगवते वासुदेवाय

مجلس شورای اسلامی ایران - کمیسیون تخصصی امور مالیاتی - جلسه ۱۳۸۸/۰۵/۰۱

بسم الله الرحمن الرحيم: الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا محمد وآله الطيبين الطاهرين

ਅਮਰਿਕਾ ਵਿਚ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۔ حق تعالیٰ کی تعریف اور اس کی حمد و ثناء

[illegible]

“ဘုရားရှင်၊ နတ်တို့ကလည်း အသံအရာကို မသိကြပါ။

یہ کتابیں شریعت کے احکامات پر مبنی ہیں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ عطا فرمائی ہیں۔

اور سیرت رسول کو پہچاننے سے شدید لگاؤ رکھتا ہوا دیر جاتا ہو کہ کس چیز کو آپ نے حکم دیا ہے، کس چیز کو روکا ہے، ان کے بارے میں خبر دیتا ہو اور ان کی طرف بلاتا ہو یا جاتا ہو کہ وہ کس چیز کو دوست رکھتے تھے اور کس چیز سے نفرت کرتے تھے اور ان چیزوں کو قوم و امت کیلئے آشکار کرتا ہو گو یا کہ رسول اس سے گھل مل گئے ہوں تو ایسا شخص آنحضرت کے اتوال، کلام اور افعال و اقوال کو سمجھنے والے دوسرا نہیں سمجھ سکتا اور یہی طریقہ ہر اتباع کرنے والے اپنے شیخ کیلئے ہے وہ اس کے اقوال و افعال کا تتبع کرتا ہے اور اس کا علم پیدا کر کے اس بات سے تمیز کرتا ہے کہ اس کی طرف کس بات کی نسبت دینا صحیح ہے اور کس کی نہیں...

قلب سلیم حق و باطل میں فرق کرتا ہے

ابوالحسن علی ابن عروہ جنبلی کی کتاب "فصل" میں ہے،

جب دل صاف ستھرا اور پاک و پاکیزہ ہوگا تو حق و باطل میں، صدق و کذب میں اور ہدایت و ضلالت میں فرق کریگا خصوصاً جب اسے نور رسولؐ سے کچھ روشنی مل جائے گی تو اس وقت اس پر مخفی امور بھی آشکار ہو جائیں گے اور غلو ط چیزیں بھی ظاہر ہو جائیں گی اور صحیح کو وہ تقیم سے جدا کرے گا خواہ اسے متن الفاظ سے مرکب کر کے صحیح اسناد کے ذریعہ رسولؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہو یا صحیح متن کو ضعیف سند سے مرکب کیا گیا ہو تب بھی وہ حقیقت کو پا لے گا اور اسے سمجھ لے گا، اسکا ذائقہ سمجھ لے گا اور کھری کھوئی اور صحیح و غلط کو جان جائے گا کیونکہ رسولؐ کے الفاظ عاقل پر مخفی نہیں رہتے ہیں اسی لئے رسولؐ نے فرمایا ہے "اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ" مؤمن کی فراست سے ڈرو! کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے، یہ حدیث ترمذی نے ابوسعید سے نقل کی ہے اور خداوند عالم کے اس قول "ان فی ذالک لآیات للمتوسمین" کے بارے میں سلف کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ متوسمین سے فراست رکھنے والے مراد ہیں،

مذاہب جن بل کہتے ہیں: بیشک حق کا شمار ایسا ہی ہے جیسا راستہ کا شمار ہے،

پاکیزہ قلب افعال و اعمال کے اعتراف و زین کو پہچانتا ہے جب اس کے سامنے کوئی حدیث بیان کی جاتی ہے تو وہ سمجھ جاتا ہے کہ اس کا منبع کہاں ہے اگرچہ حفاظ و متقی نگاروں نے اس کے بارے میں کچھ نہ کہا ہو،

پس جس نے خاص اللہ کیلئے اور سنت کے موافق اعمال انجام دیئے ہوں گے وہ فیما کے جھوٹ و سچ کو سمجھے گا اور اللہ سبحانہ کو صادق و سچے انسان کو جھوٹ سے صدق کو جدا کرنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: صدق طمانیت ہے اور کذب فریب ہے، نیز فرمایا: اپنے قلب کو تیز اور صاف بناؤ، رسول نے اپنی امت صاف ستھری چھوڑی ہے اس کی شب بھی دن کے مانند ہے بے شک کلام رسول صحت و عظمت ہے اور اس میں ایسی فضیلت ہے جو دوسروں کے کلام میں نہیں ہے، ابن تیمیہ کہتے ہیں تقویٰ سے معمور دل کا اپنی رائے کو ترجیح دے گا تو یہ شرعی ترجیح ہے جب بھی اس کیلئے کوئی چیز واقع ہوگی اور اس کے ساتھ ہی اس کے قلب میں یہ گمان پیدا ہوگا کہ اس سے خدا رسول ماضی ہیں اور اس کو ترجیح ہوگی تو یہی دلیل شرعی ہے، اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ الہام حقائق کو پہچاننے کا مطلق راستہ نہیں ہے، وہ غلطی پر ہیں کیونکہ جب بندہ طاعت خدا اور اس کے تقویٰ کے بارے میں کوشش کرے گا اور کسی چیز کو ترجیح دے گا تو اس کی ترجیح بہت سی ضعیف دلیلوں سے قوی ہوگی، اور یہ الہام اس کے حق میں دلیل ہے اور یہ بہت سے قیاسات و موبہوم چیزوں سے کہیں حکم ہے اور ان استصحاب اور ظواہر الفاظ وغیرہ سے قوی ہے کہ جن سے اصول فقہ میں حجت قائم کی جاتی ہے،

عمر کہتے ہیں: حق اتنا زیادہ آشکار ہے کہ عقلوں سے مخفی نہیں رہ سکتا، حذیفہ بن یمان کہتے ہیں بے شک مومن کے قلب میں چراغ روشن رہتا ہے اور قلب میں جتنا زیادہ ایمان قوی ہوگا اسی تناسب سے اس پر امحہ کا انکشاف ہوگا اور باطل سے حقائق کو جدا کرے گا اور جس قدر ایمان ضعیف ہوگا اسی لحاظ سے کشف کے سلسلہ میں بھی کمزور ہوگا بالکل ایسے جیسے ایک بڑے اندھیرے گھر میں چھوٹے سے چراغ کی روشنی ہوتی ہے۔

صحیح میں رسولؐ سے مروی ہے کہ: تم سے پہلے امتوں میں حدیث بیان کرنے والے تھے ان میں

سے اگر میری امت کا کوئی مہوتا تو دھڑکتا ہو، محدث یعنی اپنے مخاطب کو الہام کرنے والا چنانچہ ابوسلمان ملائی
احمد بن عاصم انطاکی کو ان کی فراست کی وجہ سے دل کا جاسوس کہتے تھے،
یہ تھا دو فصلوں کا خلاصہ،

صحیح احادیث کو پرکھنے کے قواعد میں سے ایک ذوق سلیم ہونا چاہیے دوسرے حدیث کو
اسلام کے ان اغراض کے خلاف نہیں ہونا چاہیے جو اس نے انسان دنیوی و اخروی سعادت کیلئے پیش کئے
ہیں،

رسول پر افتراء

حماد بن زید کہتے ہیں کہ زنادق نے بارہ ہزار حدیثیں گڑھ کر رسول کی طرف منسوب کر دی ہیں
اور مہدی کہتے ہیں: میرے سامنے ایک زندیق نے یہ اقوال کیا کہ اس نے ۲۰۰ حدیث وضع کی ہیں،
جو کہ لگوں میں پھیل چکی ہیں،

ابن عساکر نے رشید سے روایت کی ہے کہ ان کے پاس ایک زندیق کو لایا گیا تو اس نے
اس کے قتل کا حکم دیدیا زندیق نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ کو کچھ خبر ہے کہ میں نے چار ہزار حدیثیں
گڑھ کر حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

جب عبدالکیم نے ابن ابی العوجاہ کو گروہ زندیق کیلئے پکڑا تو اس نے کہا: میں نے تمہارے درمیان چار
ہزار حدیث گڑھ کر رائج کی ہیں اور ان کے ذریعہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے،

بخاری کے شیخ ابوالاسحاق راہویہ کہتے ہیں مجھے چار ہزار جعلی حدیث یاد ہیں، حافظ سہیل بن سری سے
مروئی ہے کہ انہوں نے کہا: احمد بن عبداللہ جو بخاری، محمد بن عکاشہ کو علی اور محمد بن تمیم فارابی نے دس ہزار سے زائد حدیث
گڑھ کر رسول کی طرف منسوب کی ہیں، بخاری کہتے ہیں: مجھے ایک لاکھ حدیث صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں اس سلسلہ میں
بہت سی روایات میں تفصیل کے خواہاں سیوطی کی کتاب تذییر الخواص کا مطالعہ فرمائیں،

[illegible]

یہ اقتباس اس کتاب پر ہے

ہو رہا ہے اور مسلمان ان کے پاس سکون لیتے ہیں اور آمد و رفت رکھتے ہیں تو انہوں نے سب سے پہلے مسلمانوں پر ان کے دین کے لحاظ سے حملہ کیا، مسلمانوں کے اصول دین میں کھرن پر اس کی بنیاد استوار ہے، داستانیں لڑنا اور اوہلم مومن کا منصوبہ بنایا تاکہ دین کی بنیاد کمزور ہو جائے،

اور جب انھیں قرآن مجید میں کسی تحریر کی راہ نہ ملی کیونکہ تدوین کے ذریعہ اسے محفوظ رکھا گیا ہے اور ہزاروں مسلمانوں کو ازبر ہے جس سے اس میں نہ کسی لفظ کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کمی، تو وہ نیا سے حدیث کی روایت کرنے لگے اور آپ کی طرف ان احادیث کو منسوب کرنے لگے جو آپ سے صادر نہیں ہوئی تھیں۔ اس سلسلے میں ان لوگوں کی مدد اس چیز نے بھی کی کہ رسول نے جو کچھ اپنی حیات میں فرمایا تھا وہ شغوفہ تھا نہ محفوظ، کیونکہ وہ قرآن مجید کی طرح آپ کی حیات میں قلم بند ہوا تھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے اسے لکھا تھا اس میں ہر کس پر وراور بد طینت کسی چیز کی کمی بیشی کر سکتا ہے اور آپ پر جھوٹ باندھ سکتا ہے،

ان کی اس شرطانہ چال سے انھیں ایسے صحابہ بھی مل گئے کہ جو ماضی کے امور کو جاننے کیلئے ان سے رجوع کرتے تھے اور یہودی چونکہ اہل کتاب ہیں ان کے علماء میں چنانچہ صحابہ ادیان سابقہ کے جن امور کو نہیں جانتے تھے ان میں یہودیوں کو عرب کا ستارہ سمجھتے تھے اگرچہ صحابہ صادق و مخلص تھے، ابن خلدون تفسیر نقلی سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ غث و سمین اور مقبول و مردود

پر مشتمل ہے،

اس کا سبب یہ ہے کہ عرب اہل کتاب اور علم والے نہیں تھے، ان پر بدویت اور امیت غالب آگئی تھی اور جب وہ کسی ایسی چیز کو جاننے کی طرف متوجہ ہوتے، جس کو نفوس بشریت اسباب مکھونات اسرار وجود اور آغاز آفرینش میں جاننے کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اس چیز کے باوجود وہ ”عرب“ اپنے سے پہلے والے اہل کتاب سے پوچھتے تھے اور ان سے ان سے معلوم کرتے تھے، اہل تورا میں سے یہود اور ان کے دین پر چلنے والے کعب الاحبار، وہ بنی منہ اور عبد اللہ بن سلام جیسے نصاریٰ تھے ان کے منقولات سے تفاسیر بھر گئیں، اس سلسلے میں مفسرین نے تساہلی سے کام لیا اور ان سے کتب تفاسیر

کو بھردیا، جبکہ اس کی اصل ”جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں“ تورات ہے یا جو انہوں نے افتراء باندھاپے اپنے تہذیب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں ما

حکایات و وقائع میں مورخین، مفسرین اور ائمہ نقل کو مغالطہ ہوا ہے ان حکایات و وقائع میں انہوں نے ہر فاسد اور صحیح چیز کے نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اسے اس کی سوائی پر نہیں کسا، اس جیسی چیز پر پرکھا اور نہ اسے حکمت کے معیار پر آزمایا نہ اخلاص میں غور و خوض کیا لہذا وہ حق سے دور ہو گئے اور وہم و باطل کے صحرائں میں جا پڑے،

ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:

بعض صحابہ و ہب بن مند، کعب الاحبار اور عبداللہ بن سلام سے متصل ہو گئے اور تابعین ابن جریج سے ملتی ہو گئے ان کے پاس معلومات تھی انہوں نے تورات و انجیل سے اس کی شرح و تواشی کے ساتھ بیان کیا اور مسلمانوں نے اسے آیات قرآن کے پاس نقل کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھا اور اب وہ بڑا منبع ہو گئیں ما

ان ہی باتوں کی وجہ سے کعب الاحبار نے دین اسلام میں خرافات و جھوٹ کو سمودیا، ایک بار وہ یہ سوچتے ہیں کہ خرافات ان کتاب میں یا ان کے علم میں پوشیدہ ہیں کبھی یہ دعویٰ کرتے ہیں یہ ہم نے رسولؐ سے سنی ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ ان کی ایجاد ہے، صحابہ کو چاہیے تھا کہ وہ صدق کو کذب سے جدا کرنے کیلئے ان کے اقوال میں غور کرتے لیکن وہ مبتلا نہیں جانتے تھے جس میں ان کی کتب مرقوم ہیں دوسری طرف ان میں سے چالاک بہت کم اور کمزور تدبیر میں پیچھے تھے، اس بنا پر جھوٹی چیزیں ان میں رواج پا گئیں

۱۔ مقدمہ ابن خلدون، ص ۹،

۲۔ منہی الاسلام ج ۲ ص ۱۳۹،

۳۔ بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ اہل کتاب برائی میں تورات پڑھتے تھے اور اہل اسلام کے سامنے عربی میں پڑھتے تھے، بخاری ج ۲ ص ۲۸۵،

صحابہ اور ان کا اتباع کرنے والوں نے ان چالاک و مکار لوگوں کی بیان کردہ چیزوں کو صحیح سمجھ کر تنقید و تحیص کے بغیر قبول کر لیا،
بعض ان اسرائیلیات کو بیان کرنے سے قبل، کہ جن سے تفسیر و حدیث اور تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان اجار کے سرغنا کعب الاجار اور عبد اللہ بن سلام کے مختصر حالات لکھے ہیں،

کعب الاجارؑ

کعب بن مانع حمیری ذہرین کی اولاد سے ہے ایک قول یہ ہے کہ ذوالکلا رکی اولاد سے ہے اس کی کنیت ابو اسحاق تھی، یہود کے بڑے اجار میں سے ایک ہے، کعب الاجار سے شہرت پائی اہد عمر میں مسلمان ہوا، مدینہ میں سکونت پذیر ہوا بیت المقدس کی فتح میں عمر کے ساتھ تھا، عثمان کے زمانہ میں شام چلا گیا معاویہ نے اسے دوست اور کثرت علم کی وجہ سے اسے پناشیر بنالیا کہتے ہیں کہ معاویہ ہی نے اسے شام کے شہروں میں قلعہ گونی کا حکم دیا تھا جس سے وہ اسلام و یہود کی احادیث کے موضوع پر اجاریوں پر سبقت لے گیا،

۱۔ استاد سعید افغانی نے ایک متعارف تاریخ کیا تھا اس میں موصوف نے یہ ثابت کیا تھا کہ صیہونی اول، عبد اللہ ابن سبا ہے ہم نے مفصل مقال میں اس کی رد کی ہے اہد ثابت کیا ہے کہ صیہونی اول کعب الاجار ہے ملاحظہ فرمائیں الرسالہ شمارہ ۹۵۶،

۲۔ کعب کو یونکر علم کا دربانہ کہا جائے جبکہ یقیس بن خرزہ انقیسی نے یہ تک کہہ دیا: زمین کی ایک باشندت جگہ بھی ایسی نہیں ہے جو اس تواریخ میں مرقوم نہ ہو جو کہ خانے اپنے نبی موسیٰؑ پر نازل کی تھی ایسے ہی اس سے نکلنے اور اس پر رہنے دلائل چیزیں بھی مرقوم ہیں، ملاحظہ فرمائیں الاستیجاب ج ۲ ص ۵۳۳،

کعب الاحبار و ابن مندہ اور یہودیوں میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان کے ذریعہ حدیث میں اسرائیلیات کا حصہ سرایت کر آیا ہے، یہ روایات ایسے ہی نقل ہوئی ہیں یہاں تک کہ دین و تاریخ کا ہنر بن گئیں،

کعب کے بارے میں مذکورہ الفاظ میں دھبی لکھتے ہیں: وہ امیر المؤمنین عمر کے زمانہ حکومت میں مدین سے آیا اور عمرو وغیرہ کی صحبت اختیار کی، تابعین کی ایک جماعت نے اس سے کرل طریقہ سے روایت کی ہے، حصّی میں ۳۳۷ھ یا ۳۳۸ھ و یا ۳۳۹ھ میں شام اور دوسرے اسلامی شہروں میں اپنی روایات اور قصوں کے ذریعہ یہودیت کو پھیلا کر مرا جیسا کہ نسیم الداری نے نصرانیت کے اخبار کو پھیلا یا تھا۔

مسلمان ہونے کا سبب

اپنے اسلام لانے کے سلسلہ میں اس کا بن نے غیب سبب گرٹھا ہے تاکہ اس کے ذریعہ ملائکہ کے قلوب و عقول کو جگہ بنائے ابن سعد نے صحیح سند سے عیاد بن مسیب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: عباس نے کعب سے کہا:

تمہیں رسولؐ اور ابو بکر کے زمانہ میں اسلام لانے سے کس چیز نے منع کیا تھا؟ کہا: میرے والد نے قوریت سے میرے لئے ایک نوشتہ لکھا اور کہا: اسے پڑھنے میں جملت کرو، اس کے علاوہ اپنی ساری کتابوں کو مہر بند کر دیا اور مجھ سے والد کے حق کی قسم لی، ان کی ہر کوئی نہیں توڑوں گا، جب میں نے اسلام

لے حصّی میں مراد ہیں دفن ہوا لیکن لوگوں نے مصر میں اس کی ایک قبر بنائی اور اس پر گنبد بنایا لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور اسے بابرکت سمجھتے ہیں یہ قبّہ ناصر اشرف پر واقع ایک بڑی مسجد پر بنا ہوا ہے، وزارت اوقاف اس پر پیسہ خرچ کرتی ہے اور حصّی کہ جہاں کعب دفن ہے وہ دوسرے اسلامی شہروں کے برابر بھی نہیں ہے لوگوں نے اس کے لئے رسولؐ سے مرفوعاً حدیث بیان کی ہے خدا روز قیامت شام کے شہر حصّی سے ستر ہزار کھائے گا۔

کا ظہور دیکھا تو میں نے "اپنے دل میں" کہا: شاید میرے والدین مجھ سے کوئی علم مخفی رکھا لہذا میں نے اسے کھولا تو اس میں محمدؐ اور آپؐ کی امت کی صفت مرقوم تھی چنانچہ اب میں مسلمان ہو کر آیا ہوں،
عبداللہ بن عمرؓ نے روایت کی ہے کہ اہل یمن میں سے ایک شخص کعب الاحبار کے پاس آیا اور اس سے کہنے لگا: فلاں جبرہیدی نے مجھے تمہارے پاس ایک پیغام لیکر بھیجا ہے، کعب نے کہا: بیان کرو: اس شخص نے کہا: اس نے کہلایا ہے، کیا تم سردار اور شریف نہیں تھے، تمہاری اطاعت نہیں ہوتی تھی تو تم نے اپنا دین چھوڑ کر دین محمدؐ کیوں اختیار کیا ہے؟

کعب نے کہا: کیا تم اس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے؟ اس نے کہا: ہاں، کعب نے کہا: اگر تم اسکے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو اس کا کپڑا پکڑ لینا تاکہ وہ جگ نہ سکے اور کہنا: تم سے کہا: میں تم سے اس ذات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں جس نے موسیٰؑ کیلئے دریا کو ٹکڑا کر دیا، اس ذات کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں کہ جس نے موسیٰ بن عمرانؑ پر الواح نازل کیں کہ جن میں ہر چیز کا علم ہے کیا تم نے خدا کے کلمات میں یہ نہیں پایا کہ امت محمدؐ کے تین حصے ہیں ایک تمہاری بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ایک تمہاری کابھت آسمان حساب ہوگا پھر وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ایک تمہاری احمد کی شفاعت سے داخل جنت ہوں گے وہم سے کہے گا ہاں: تم کہنا کہ کعب نے تم سے کہا ہے کہ تم مجھے تینوں میں سے جس جماعت میں چاہو قرار دو،

اصحاب میں ابن حجر کہتے ہیں: کعب نے رسولؐ سے مرسل طریقہ سے روایت کی ہے اور صحابہ میں سے ابن عمرؓ، ابو ہریرہؓ ابن عباسؓ ابن زبیرؓ اور معاذؓ وغیرہ نے اس سے روایت کی ہے۔

→ کہ جن پر حساب و عذاب نہیں ہوگا شاید کعب کے بدن کی برکت کی وجہ سے ایسا ہوگا... خدا پر اس کا حق ہے اس سے زیادہ تعجب چیز بات یہ ہے کہ اس کی حدیث کو عمرؓ کی طرف نسبت دی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں جامع الصغیر جز ثمانی، مؤلف سیوطی،

۱۔ فضی الاسلام ج ۲ ص ۱۶، ۲۔ حیات النبیوان ج ۱ ص ۱۶۶

72nd Anniversary

[illegible]

حاجی محمد علی

[Handwritten Persian text:]

و اما در این کتاب چه چیزها را می بینیم که در کتاب اول

[illegible]

محی الفساق

[illegible][illegible]

کتابخانه عمومی مسجد جامع کربلا

منہرہ جڑ شہر

۱۲- سید الشهدا علیه السلام

فهمنا اننا قد استوفينا ما كنا نريد ان نكتبه في هذا الكتاب

چند روز بعد از آنکه از کربلا فرار کردیم و به کربلا رسیدیم و دیدیم که کربلا را محاصره کرده اند و ما را در آنجا حبس کرده اند و ما را در آنجا حبس کرده اند و ما را در آنجا حبس کرده اند

۱۰۸

مکتبہ اسلامیہ، لاہور

اس کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے خدا کی کتابوں میں سے ۷۲ پڑھی ہیں،
تذکرۃ الحفاظ میں بھی لکھتے ہیں: وہب ابن مین کا عالم تھا،
وہب ابن مین کا عالم تھا ۳۳ھ میں پیدا ہوا اور ۱۱۷ھ یا اس کے ایک سال بعد صنعاء
میں انتقال کیا اور ایک ضعیف قول یہ ہے کہ ۱۱۷ھ میں انتقال کیا۔

عبداللہ بن سلام

یہ ابو الحارث اسرائیلی ہے، رسول کی مدینہ ہجرت کے بعد مسلمان ہوا، اجبار یہودی میں
سے تھا، ابو ہریرہ، انس بن مالک اور دیگر جماعت نے اس سے روایت کی ہے اسکے بارے میں وہب
بن منہ اسرائیلی نے کہا ہے، وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم تھا، کتب اپنے زمانہ کا اعلم تھا ۱۱۷ھ
میں انتقال کیا

مسلمانوں کی عقلوں پر کیسے غالب آئے

ان اجبار نے اپنی زیرکی سے غیب طریقہ سے فائدہ اٹھایا تاکہ اسکے ذریعہ مسلمانوں کی
عقلوں پر مسلط ہو جائیں اور ان کے معتمد و محترم بن جائیں، ان غیب اسرائیب کا ایک رخ ہم آپ
کے سامنے پیش کرتے ہیں،

ترمذی نے عبداللہ بن سلام سے ————— جو کہ مسلمان ہونے والے بڑے یہودیوں میں
سے ایک تھا ————— روایت کی ہے کہ توریت کی پہلی سطر میں مرقوم ہے: محمد رسول اللہ اور اسکے

[illegible]

اساس سے ملاقات کی اور کہا: مجھے تو دین سے رسولؐ کی صفت بتائیے کہا: خدا کی قسم آنحضرتؐ تو دین میں اپنی بعض اسی صفت سے متصف ہیں جو قرآن میں ہیں، اے بنی ہم نے آپؐ کو شاہد، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور امیدوں کیلئے پناہ گاہ بنا کر بھیجا ہے تم میرے بندے اور رسولؐ ہو میں نے تمہارا نلم متوکل رکھا ہے تم سخت مزاج اور بد اخلاق ہو نہ بازاروں میں چلانے والے تم برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے ہو بلکہ معاف کر دیتے ہو، اور خدا انہیں دنیا سے نہیں اٹھائے گا یہاں تک کہ انکے ذریعہ بھیجی ہوئی ملت کو راہ راست پر لگائے کہ وہ لا الہ الا اللہ زبان پر جاری کرے: ان کے ذریعہ اندھی آنکھیں، گونگے کان اور ستور دلوں کو کھولے گا،

ابن کثیر نے اضافہ کیا ہے کہ: ابن یسار نے کہا کہ پھر میں نے کعب الاحبار سے ملاقات کی اور اس سے کہا یہ تمہاری باتوں میں اختلاف کیوں ہے؟ اذیہ اختلاف کیوں ہوا جبکہ وہ کعب کا شاگرد ہے،

سیوطی نے اتقان میں روایت کی ہے کہ کعب الاحبار نے کہا:

تورات میں اے محمدؐ: میں آپؐ پر نئی توریت نازل کرنے والا ہوں اس سے اندھی آنکھیں، گونگے کان اور ستور دل کھل جائیں گے،

جو ایضاً نے کتاب المغرب میں روایت کی ہے کہ ابن الاعرابی نے کہا: کعب الاحبار سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا: گذشتہ کتابوں میں نبیؐ کے اسماء، محمد، احمد حیاط، یعنی حامی حرم میں قاضی عیاض نے اپنی کتاب شفا میں روایت کی ہے کہ وہب بن منبہ نے کہا: میں نے کتابیں پڑھی ہیں اور سب میں بنی مکہ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند اور افضل رائے والا پایا ہے، دوسری روایت میں ہے کہ میں نے تمام کتابوں میں یہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی

ابتداء سے انتہا تک پیدا ہونے والے لوگوں کو آنحضرتؐ کی قتل کے برابر قتل عطا نہیں کیا بلکہ دنیا کی ریت میں سے ایک ذرہ کے برابر قتل عطا کی ہے،

کعب اور عمر

جب کعب عہد عمر میں مدینہ آیا اور اپنے اسلام کا اظہار کیا تو اپنی اس تدبیر و چال کی کو بھی کام میں لائے گا جس کی وجہ سے مسلمان ہوا تھا، دین کو فاسد کرنے لگا اور رسولؐ پر جھوٹ باندھنے لگا،

روایت کرنے پر اسے عربی خطاب کے دیوانے اکسایا وہ شروع ہی سے اس بات پر کان دھرنے لگے یہ سوچ کر کہ وہ سچا مسلمان ہو گیا ہے، لہذا اس نے جھوٹی روایت میں جتنا جھوٹ بھرنے لگا یا بھرا، ابن کثیر کہتے ہیں ۱۔

جب کعب حکومت عربیہ میں مسلمان ہوا تو اس نے عمر سے حدیث بیان کرنا شروع کر دی اکثر عمر خود بھی اس کی باتوں کو سنتے تھے اور پھر لوگوں کو اس کی بات سننے کی اجازت دیدی اور انہوں نے اس سے ہر ضعیف و قوی بات نقل کر ڈالا،

لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا کہ عمر اس کے محروم و فریب اور اس کے باطن کی خرابی سے واقف ہو گئے اور اسے دھمکی دی کہ اگر تم حدیث بیان کرنا بند نہیں کرو گے تو تمہیں جلا وطن کر دوں گا۔

عمر اپنے ارادے اور حکمت سے اس کی نگرانی کرتے تھے اور اپنے نور بصیرت سے اس کی خبیث اغراض کو جانتے تھے، قصہ صخرہ میں آپؐ اس یہودی کی زیر کی اور چالاک کی انتہا ملاحظہ فرمائیں گے، جو کہ عمر کی فطانت پر بھی غالب آگئی تھی اور پھر خلیفہ خفیہ اور آشکارا طور پر اس کی

رائے پر عمل کرنے لگے یہاں تک قتل کر دیئے گئے تمام قرائن سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ قتل ایک خفیہ تنظیم کی سازش کے تحت ہوا تھا، کعب اس تنظیم کا رکن اعظم اور اس کا راس و رئیس خورستان کا بادشاہ جزا تھا جو کہ اسیر ہو کر مدینہ آیا تھا اور اس منصوبہ کو علی جامعہ پہنانے کے لئے انہوں نے ابو ثؤنہ کی خدمات حاصل کی تھیں،

قتل عمر میں کعب کا ہاتھ

مسور بن مخرمہ نے بیان کیا ہے کہ جب ابو ثؤنہ کو دھمکا کر غرائنے گھر واپس آئے تو ان کے پاس کعب الاجبار آیا اور کہنے لگا: اے امیر المؤمنین آپ تین روز کے اندر قتل کر دیئے جائیں گے، عمر نے معلوم کیا نہیں کیسے معلوم ہوا؟ کہا: میں نے توریت میں دیکھا ہے، عمر نے کہا: کیا تم نے توریت میں عرین خطاب دیکھا ہے؟ کہنے لگا نہیں مگر آپ کے صفات و عادات دیکھے ہیں آپ کی اجل آنے ہی والی ہے اس سے عمر نے کوئی خوف محسوس نہ کیا، جب دوسرا دن ہوا تو کعب عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا دو روز باقی رہ گئے ہیں، جب دوسرا دن بھی گزر گیا تو کعب آیا اور کہا: دو دن گزر گئے ہیں ایک روز باقی ہے طبرہ کی روایت میں ہے کہ ایک دن ایک رات باقی ہے

صبح ہوئی تو عمر نماز کیلئے گئے لوگوں کی صفوں کو درست کرنے لگے صفیں صبح کو چپکے تو تکبیر کی ابو ثؤنہ و شعبہ خضر ہاتھ میں لئے ہوئے لوگوں میں گھس گیا، عمر پھر اس سے چھ زخم لگائے ایک زخم زیر ناف لگا تھا اسی نے ان کی جان لی، ابو ثؤنہ ہنا وند کے اسیروں میں سے تھا، ابو اسحاق کی روایت میں ہے کہ کعب عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ شہید مریں گے، آپ کہتے ہیں کیسے جبکہ میں جزیرۃ العرب میں ہوں،

میں آپ کے سامنے اس کاہن کی خبروں میں سے ایک عجیب خبر نقل کرتا ہوں تاکہ آپ کے دل میں اس سازش میں کعب کے شریک ہونے کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے، خطیب نے ملک سے روایت کی ہے: عربن خطاب ام کلثوم بنت علیؑ کے پاس گئے تو انہیں روتے ہوئے پایا کیا: کیوں روتی ہو؟ یہ یہود، کعب الاحبارؑ کہتا ہے کہ، آپ جہنم کے دروازہ پر ہیں، عرب نے کہا: ماشاء اللہ! اس کے بعد نکلے اور کسی کو کعب الاحبار کے پاس بھیجا، وہ آیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین آپ میرے بار میں علت سے کام نہ لیجئے قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رماہ ذی الحجہ ختم نہیں ہوگا کہ آپ جنت میں پہنچ جائیں گے! عرب نے کہا: یہ کیا کہا؟ ایک مرتبہ جنت میں اور ایک مرتبہ جہنم میں؟ کعب نے کہا: اے امیر المومنین! قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ہم نے کتاب اللہ میں یہ دیکھا ہے کہ آپ جہنم کے دروازہ پر کھڑے ہیں اور لوگوں کو ادھر آنے سے منع کر رہے ہیں کہ اس میں نہ گزریں، جب آپ مرجائیں گے تو لوگ چہر قیامت تک اس میں گریں گے، چنانچہ جب غزخنی ہو گئے تو کعب روتے ہوئے دروازہ پر آئے اور کہنے لگے، خدائی قسم اگر امیر المومنین خدا کو قسم دیکر اپنی موت میں تائید کی درخواست کرتے تو وہ ضرور کر دیتا۔ اس کی قسم کی ثابت ہوئی اور ذی الحجہ ۲۲ ہجری کو عمر قتل کر دیئے گئے اور پہلی محرم ۲۳ھ میں دفن ہوئے

یہ تمام دلیلیں اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ ابوہریرہؓ کے ہاتھوں عمر کا قتل اسی سازش کا نتیجہ تھا جسکے پیچھے ہجران کا ہاتھ تھا، عرب کی طرف سے اس کی دل میں اس وقت سے شدید دشمنی و نفرت تھی جب سے انہوں نے اس کے ملک کو تباہ کیا تھا اور ان کی حکومت کو گزرا تھا، اور اس سازش

۱۔ فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۱، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۲۵۳

۲۔ ان تمام چیزوں کو کتب خدا کی طرف منسوب کر دیا جبکہ کتب خدا ان سے رہا ہے،

۳۔ طبقات ج ۳ ص ۲۶۲

میں کعب الاحبار کا بہت بڑا کردار تھا اس میں جاہل کے علاوہ کوئی شک نہیں کئے گا،

حدیث المستفاء

تاریخ بیان کرتی ہے کہ عمر کے عہد خلافت میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے زمین پتھر بن گئی یہ واقعہ علم الرماط میں رونما ہوا تھا، کعب الاحبار نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور اسکو وسیلہ بنا کر دامن اسلام کو داغدار بنانے کی کوشش کی اور عمر سے کہنے لگا: جب بنی اسرائیل قوط میں مبتلا ہوئے تھے تو انبیاء کے خاندان و لوہوں کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے اس سلسلے میں کچھ روایات بھی نقل ہوئی ہیں کہ عمر نے کہا: یہ رسول کے چچا آنحضرت کے والد کے بھائی اود بنی ہاشم کے سردار عباس ہیں، عمر انکے پاس گئے اور لوگ سیراب ہو گئے، اس کہتے ہیں: بارش ہو جانے کے سلسلہ میں عمر نے کہا: ہم تیری بارگاہ میں تیرے نبی کو وسیلہ قرار دیتے ہیں ہمیں سیراب کر دے ہم اپنے نبی کے چاکو تیری بارگاہ میں وسیلہ قرار دیتے ہیں ہمیں سیراب کر دے،

اسیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس یہودی نے اپنی اس بات سے اس چنیر کے بارے میں دھوکا دینا چاہا جس پر دین اسلام کی بنیاد استوار ہے۔ اور وہ توجیہ خاص ہے۔ تاکہ عکرو تو تسل کے غار میں دھکیل دے جو شرک ہے اور جب عمر اس میں گہڑیں گے اور وہ تو تسل اختیار کریں گے تو بعد والے اسے سنت کے طور پر اختیار کریں گے اور اس سنت — تو تسل — کا مرور زمانہ میں عقیدہ اسلامیہ میں بہت بڑا کردار رہا ہے، کعب نے اس کے ذریعہ دین کی بنیاد کو متزلزل کر دیا، لیکن عمر دین و فقہ میں بصیرت کے افق پر فائز تھے اسے سمجھ گئے اور اس گڑھے میں گرنے سے

۱۔ ابی سعد وغیرہ نے لکھا ہے کہ عام الرماط اس میں نو ماہ تک بارش نہیں ہوئی تھی زمین پر گرد آری تھی جانور

اور لوگ بھوک سے ہلک ہو رہے تھے، طبقات ۱۳/۲/۱۲۲۳

بچ گئے جو اس دھوکہ باز نے کھودا تھا، چنانچہ عمر نے کسی، یہاں تک کہ رسول ﷺ کے وسیلہ سے بھی بارش کی دعا مانگی اور استغفار کرتے رہے،

کتاب المطر میں ابو بکر ابی دنیا نے لکھا ہے کہ کتاب مجابی الدعوت میں خوات بن جبیہ سے روایت ہے کہ عمران کے ساتھ بائیں کی دعا مانگنے کے لئے نکلے، دو رکعت نماز ادا کی اور کہا: اے اللہ ہم تجھ سے استغفار کرتے ہیں تو ہمیں سیراب فرما، وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے تھے کہ بارش ہونے لگی، شعی سے مروی ہے کہ اس نے کہا: بارش طلب کرنے کے لئے عمر لوگوں کے ساتھ نکلے مگر عمر استغفار کر کے واپس لوٹ گئے لوگوں نے عرض کی: اے امیر المؤمنین آپ نے بارش کی دعا نہیں کی؟ _____؟
 کہا: میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے کہ جس سے بارش برسی ہے اسکے بعد یہ آیت پڑھی مپنے رب سے استغفار کرو کہ وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسائے گا، اللہ سے استغفار کرو، پھر اس سے استغفار کرو،

شعی سے مروی ہے کہ عمر استسقی کیلئے نکلے اور منبر پر جا کر درج ذیل آیتیں پڑھیں:
 ”استغفر واربعکم انہ کان غفارا“ ”استغفر واربعکم ثم توبوا الیہ“

پھر منبر سے اتر آئے لوگوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کو بارش طلب کرنے سے کس چیز نے منع کیا _____؟ کہا: میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے کہ جس سے پانی برستا ہے،

عبد اللہ بن دینار اسلمی نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: جب عمر بارش کیلئے دعا کرنے اور لوگوں کے ساتھ نکلنے کا عزم بالجزم کیا تو اپنے غلام کو لکھا فلاں فلاں دن تم بھی استسقی کیلئے نکلو، اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کرو کہ ان سے اس مصیبت کو دور کر دے، مقررہ روز عمر نکلے، ان کے اوپر رسول ﷺ کی چادر ”پڑی“ تھی، مصلے پر آئے، خطبہ دیا تفسیر کیا لوگوں نے

دعا کی، لیکن عمر نے صرف استغفار کیا جب واپس لوٹنے کا ارادہ کیا تو دونوں ہاتھ اٹھائے رکھواٹا کیا دائیں حصہ بائیں جانب اور بائیں حصہ دائیں جانب کیا پھر اپنے ہاتھ پھیلائے اور کافی دعا کی بہت روئے یہاں تک دارِ وحی تر ہو گئی۔

معنی اور تشریح کبیر میں ہے کہ عمر بارش کی دعا مانگتے کیلئے گئے اور صرف استغفار کیا اور کہا میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے۔

جاہظ کہتے ہیں: جب عمر بارش طلب کرنے، عباس کا ہاتھ کپڑے ہوئے ممبر پر گئے تو زیادہ دعاؤں کی توان سے کہا گیا آپ نے بارش کی دعا نہیں کی صرف استغفار کیا ہے، عمر نے کہا میں نے آسمان استغفار سے بارش طلب کی ہے پھر یہ آیت پڑھی ”استغفر واربعم انہ کان عفاراً“ ”یرسل السماء علیکم مدمداراً“۔

جب یہ طریقہ چل نکلیے گا تو لوگ سمجھیں گے کہ خدا سے دعا کیا کریں گے لیکن ہمیں یقین ہے کہ عمر نے بارش طلب کرنے میں کسی سے توسل نہیں کیا ہے اور اس سلسلے میں خدا سے استغفار و دعا کیلئے کسی کو وسیلہ نہیں بنایا جیسا کہ ان صحیح احادیث میں بیان ہوا ہے جن کی کتاب خدا کی آیات سے تائید ہوتی ہے،

کعب کا مکر

ممالک کو موطا میں ہے کہ انھیں معلوم ہوا کہ عمر بن خطاب نے عراق جانے کا قصد کیا تو کعب الاحبار نے ان سے عرض کی، اے امیر المؤمنین وہاں نہ جائیے وہاں بہت زیادہ مکر ہے، جن میں اور عاجز

۱۔ طبقات ابن سعد ۳/۲/۱۳

۲۔ ج ۲ ص ۱۹۰

۳۔ ایسان و البین ج ۴ ص ۲۴۹، یہی روایت ابن قتیبہ نے اپنی تاریخ میں طبرانی نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے،

کروینے والی بیماریاں ہیں۔

کعب اور وہب نے جو اسرائیلیات داخل کئے ہیں

ان دونوں کامنوں نے اسلام میں جو اسرائیلیات داخل کئے ہیں اور ان سے اسلام مشکوک ہوا ہے، دشمن اسلام ان ہی اسرائیلیات سے اسلام پر حجت قائم کرتا ہے ان ہی کے وسیلے سے اسلام دہشت افروذ کی راہ مسدود کرتا ہے جو چیزیں ہمارے لئے وطن کا باعث بن گئی ہیں جس سے گلو خلاصی ممکن نہیں ہے ان میں سے کچھ مثال کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، معاویہ نے کعب سے کہا: تم کہتے ہو کہ ذوالقرنین اپنے گھوڑے کو ٹریا سے باندھتا تھا کعب نے کہا: اگر میں نے یہ کہا: تو خدا بھی یہی کہتا ہے، ہم نے انھیں ہر چیز کا سبب و رشتہ عطا کیا ہے،

ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: معاویہ نے کعب کی اس بات کو ٹھکرا دیا تھا، اس انکار میں معاویہ تپت پرتھا، معاویہ کعب سے یہ کہتا تھا ہم اسے جھوٹ میں آزماتے ہیں، قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورہ غافر کے ذیل میں خالد بن معدان سے اور اس نے کعب سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: جب خدا نے عرش کو خلق کیا تو عرش نے کہا: خدا نے مجھ سے اعظم کسی کو خلق نہیں کیا ہے اور کعب سے جھوٹ لگانے والے ایسے اڑدھا کو اس کا طوق بنا دیا کہ ستر ہزار بازو ہیں اور ہر بازو میں ستر ہزار ریشے ہیں اور ہر ریشہ میں ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ستر ہزار زباناں ہیں اور ہر روز اس کے منہ سے بارش کے قطروں، درخت کے پتوں،

ذرات، دنیا کے ایام اور تمام ملائکہ کی تعداد کے برابر تسبیح نکلتی ہے، آزد حاشرش پر لپٹا ہوا ہے، اس طرح عرش آزد حاشے آد حاکم ہے کیونکہ وہ اس پر دو ہر لپٹا ہوا ہے اس سے عرش میں انکساری پیدا ہوگئی،

تفسیر میں ہے کہ عبداللہ بن قلابہ اپنا اونٹ تلاش کرنے کے لئے نکلا تو وہ شداد کی جنت میں پہنچ گیا اور جتنا اس سے اٹھ سکا وہاں سے اٹھا لایا، اس صورتحال کی معاویہ کو خبر ملی تو اس نے اسے بلایا اس نے پورا قصہ سنایا، معاویہ نے کعب کو بلایا اور اسکے بارے میں پوچھا کعب نے کہا: یہ اہم ذات العباد ہے، تمہارے زمانہ میں مقرب ایک سرخ رنگ آدمی کہ جس کی ابرو اور ناک پر چھوٹا سا تل ہے وہ اپنا اونٹ ڈھونڈنے جائے گا اور اس میں پہنچ جائے گا اسکے بعد متوجہ ہوا تو ابن قلابہ کو دیکھ کر کہنے لگا، خدا کی قسم یہی وہ شخص ہے اس کے بعد قیامت تک کوئی شخص اس میں داخل نہ ہوگا، جب کعب اپنی بات مکمل کر چکا تو معاویہ نے اس سے کہا: اے ابواسحاق! مجھے سلیمان بن داؤد کی کرسی اور اس پر کون ہے اسکے بارے میں خبر دیے، پھر کیا تھا کعب نے اپنی داستانوں اور خرافات کا سلسلہ چھیڑ دیا کہ جنہیں ہم یہاں نقل نہیں کر سکتے تفسیر کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں،

ابوایض نے رطلہ میں کعب سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: زمین کے ساتوں طبقے ایک تپھر پر ہیں اور وہ تپھر ایک ملک کی تھیلی پر ہے اور ملک ایک ٹھیلی کے پر پر ہے ٹھیلی پانی میں ہے اور پانی ہوا پر ٹھہرا ہوا ہے، یہ ہوا مقیم ہے اس سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی اسکے نیگ عرش سے معلق ہیں، وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ: عرش کو چار ملائکہ اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں ان میں سے ہر ایک کے چار چہرہ ہیں، ہل کا چہرہ، شیر کا چہرہ، گرگس کا چہرہ اور انسان کا چہرہ اور ہر ایک چار پروں کا حامل ہے دو پر چہرہ کے اوپر ہیں ان سے اس کی حفاظت کی جاتی ہے جو عرش کی جانب دیکھے اور گر پڑے تو اس سے

۱۔ منقول از تفسیر فرراز، طبری، ابوسود، نیشاپوری نے تفسیر طبری کے حاشیہ پر نقل کی ہے ج ۳ ص ۸۷،

سنبھالا جاتا ہے، اس ملک کی زبان پر صرف قہقی الملک القوی ہی رہتا ہے۔
 رسولؐ سے زمین کے بارے میں دریافت کیا گیا، کیا سات میں _____ ۹ فرمایا:
 ہاں آسمان سات میں اور یہ آیت پڑھی: اللہ الذی خلق سبع سموات من الارض مثلن۔ ایک
 شخص نے کہا: کیا ہم زمین کے پہلے طبقہ پر ہیں _____ ۹ فرمایا: ہاں اور دوسرے طبقہ
 پر وہ مخلوق ہے، جو صرف اطاعت کرتی ہے معصیت نہیں کرتی ہے اور تیسرے طبقہ پر بھی مخلوق ہے، چوتھے
 طبقہ پر چمکا پتھر ہے، پانچویں پر تھوڑا پانی ہے، چھٹے پر کنکریاں ہیں اس پر ابلیس کا فرش ہے، ساتویں
 پر گائے ہے اور گائے بھلی برے اور بھلی پانی برے اور پانی ہوا پر ہے اور ہوا ترٹی پر ہے اور ترٹی سے علم کے علم کے علم
 کے حد آخر ہے۔

معاویہ نے یہ آیت پڑھی حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس۔ حتیٰ اذا میں حمۃ۔ ابن عباس
 کہتے ہیں کہ یہ میں حمۃ ہے، کعب دونوں کے بیچ میں چسپاں گیا اس سلسلہ میں انہوں نے اس سے سوال
 کیا تو کہا: سورج کچھ میں غروب ہوتا ہے، ایک مرتبہ کہا: سورج زیادہ زمین میں غروب ہوتا ہے،
 روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس اور عروبن حاص کے درمیان اس میں عین حمۃ کی
 قرأت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، فیصلہ کیلئے کعب کے پاس گئے۔
 ابن خنیمہ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: حذیفہ کو خبر ملی کہ کعب کہتا ہے
 آسمان بچی کی طرح ایک محور پر گھومتا ہے، حذیفہ نے کہا: کعب جھوٹ بولتا ہے، خداوند عالم کا ارشاد ہے
 و یک السموات والارض ان تزولا۔

۱۔ کتاب التبیۃ فی رد علی اهل القول والبدع ص ۱۱،

۲۔ تاریخ ادب البخاری ص ۱۵،

۳۔ سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۱۳، طبع ہند،

۴۔ اصحاب فی تفسیر الصحاب ج ۵ ص ۳۳۳،

حافظ ابن جریر نے روایت کی ہے کہ کعب کہتا تھا: آسمان کا وہ دروازہ جس کو مصعد اللہ کہا جاتا ہے، بیت المقدس کے روبرو ہے اس سے بعض علماء نے شب معراج آنحضرت کو معراج پر جانے سے قبل بیت المقدس جانے کی حکمت بیان کی تاکہ آپ وہاں سے براہ راست عروج کریں۔ ایسے ہی ہمارے اعتقادات میں اسرائیلیات کو داخل کر دیا ہے، اس خرافات پر اعتراض کے بعد ابن جریر کہتے ہیں: اس میں تامل ہے اس لئے ہر آسمان پر ایک بیت المعمور ہے اور آسمان دنیا پر کعبہ کا شبر ہے مناسب یہ تھا مکہ سے عروج کرتے تاکہ بیت المعمور پر کسی تعویذ کجی کے پہنچ جائے کیونکہ آپ بیت المعمور تک ایک آسمان سے دوسرے کو طے کر کے پہنچے تھے، کعب نے روایت کی ہے کہ ایک ملک ہے اگر میں چاہوں تو اس کا نام بتا سکتا ہوں، جس دن سے خدا نے اسے پیدا کیا ہے اسی روز سے قیامت تک وہ اہل جنت کیلئے زیور بناتا رہے گا، اگر ان میں سے کوئی ہار یا زیور ظاہر ہو جاتے تو اس کی جگہ سے سورج کی روشنی ایسے ہی ماند پڑ جائے گی جیسے سورج کے سامنے چاند کی روشنی غائب ہو جاتی ہے، کعب سے صحابہ اس چیز کے بارے میں رجوع کرتے تھے کہ جس کو جانتے تھے خصوصاً جب سے اس نے یہ کہا تھا کہ کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ توریت میں مرقوم ہے، ابو عبد الرحمن بن الحسین نیشاپوری نے ذکر کیا ہے کہ عمر نے کعب سے کہا: _____ اور شعر کا تذکرہ کیا _____ اے کعب کیا تم نے توریت میں شعر کا بھی ذکر دیکھا ہے _____؟ کعب نے کہا: میں نے توریت میں اسمعیل کی نسل میں سے ایسی قوم کا ذکر دیکھا ہے کہ ان کے سینوں میں ان کی انجیل ہے، وہ بتاتی بات کہتے ہیں، مثال دیتے ہیں، ہمارے خیال میں وہ عرب ہیں۔
یزید بن جہیم نے روایت کی ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے کعب الا جبار سے پوچھا:

۱۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۵۶،

۲۔ کتاب السنۃ صوف ابن شریق، ص ۸،

کیا کتاب خدا میں نہیں اس — دریائے نیل کا بھی ذکر ملا ہے —
 کعب نے کہا: جی ہاں: قسم اس کی جس نے موسیٰ کیلئے دریا کو شگافتہ کیا میں نے کتاب خدا میں دیکھا ہے کہ خدائے متعال ہر سال اس پر دوبارہ نازل کرتا ہے، جاوی ہوتے وقت فرماتا ہے: خدائے جاری ہونے کا حکم دیتا ہے تو وہ ایسے جاری ہو جاتی ہے جیسے خدائے لکھا ہے اسکے بعد پھر نیل پر وحی کرتا ہے، ہ۔

الاسماء والصفات میں بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے خدا کے اس قول کے بارے میں کہا: الذی خلق سبع سموات ومن الارض ثلثین سات زمین ہیں اور زمین پر تمہارے بنی کی طرح ایک بنی ہے اور تمہارے آدم کی طرح ایک آدم ہے، نوح کی طرح نوح ہے ابراہیم کی طرح ابراہیم ہے اور عیسیٰ کی طرح عیسیٰ ہے، یہاں مثال میں موسیٰ کا ذکر نہیں کیا ہے، سیوطی کہتے ہیں: بیہقی کی روایت ہے کہ یونکہ اسناد کا صحیح ہونا اس کے متن کے صحیح ہونے کو مستلزم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اسناد صحیح ہو ایسے شذوذ و علت ہو جو اس کی صحت کو مانع ہوں ابن کثیر اس حدیث کو ان الفاظ میں نقل فرماتا ہے: کل ارض فی الخلق مثل ما فی هذه من آدم کا دمک وبراہیم کا ابراہیمک ابن جریر کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ — اگر ابن عباس سے صحیح ہے تو — اسے اس پر حل کیا جائے گا کہ یہ انہوں نے اسرائیلیات سے لی ہیں، مکحول سے مروی ہے کہ کعب نے کہا: جاؤ انبیاء زندہ ہیں تو کہ زمین واہوں کیلئے امان ہیں ان میں دو، خضر وایاس زمین پر ہیں اور دو، ادریس وعیسیٰ، آسمان پر ہیں^۱ تفسیر طبری میں ہے کہ ابن عباس نے کعب سے — سدرۃ المنتہی — کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: یہ حاملان عرش کے سردوں کے اوپر ہے اور خلافت کے علم کی حد آخیر

۱۔ النجم الزاہر ج ۱ ص ۳۳۱

۲۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۳۳

اسکے ماوراء کاشی کو علم نہیں ہے، اسی لئے اسے سدرۃ المتہی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ علم کی انتہا ہے، یہ تو کعب نے اپنے دوسرے شاگرد سے کہا تھا، لیکن اپنے پہلے شاگرد ابو ہریرہ سے کہا تھا: یہ ایک محدث ہے جس کی جڑوں سے، پانی کے دودھ کی شراب کی اور شہد کی ہنریں ہوتی ہیں، یہ درخت ہے، سوار ستر سال اسکے سایہ میں چلے تو بھی اسکے سایہ سے باہر نہیں نکل سکتا اور اس کا پتہ پوری امت کو ڈھانپ سکتا ہے،

حدیث معراج میں ہے کہ جب خدا نے شب و روز میں اپنے بندوں پر پاس غازی واجب کیں تو موسیٰ کے علاوہ انبیاء میں سے کوئی بھی یہ نہ سمجھ سکا کہ اتنی غازیوں کوئی نہیں پڑھ سکتا، تنہا وہی اسے سمجھے اور محمد کو دسویں بار اپنے رب سے درخواست کرنے کیلئے کہا: ایک حدیث میں پانچ بار اور دوسری حدیث میں ہے کہ دو بار تخفیف کرنے کا مطالبہ کرنے کیلئے کہا، تیسری حدیث میں ہے چند بار تخفیف کیلئے مطالبہ کرنے کو کہا، اور جب بھی آنحضرتؐ نمازیں تخفیف کرا کے واپس آئے تو موسیٰ دوبارہ کبھی گرانے کیلئے خدا کے پاس واپس بھیج دیتے تھے یہاں تک کہ پانچ غازی واجب قرار پائیں،

_____ تعجب ہے _____ جب خدا نے مسلمانوں پر نمازیں فرض کی تھیں کہ اس کے بندے انھیں ادا کر سکیں گے یا نہیں _____ خدا اس سے بزرگ و بڑے ہے _____ ایسے ہی محمدؐ بھی کہ جنہیں تمام لوگوں کیلئے رسول منتخب کیا تھا _____ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی امت کہاں قرار دے _____ وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس عبادت کو بندے ادا کر سکیں گے یا نہیں

انھیں موسیٰ نے آگاہ کیا،

ملاحظہ فرمائیں ایسے ہی ہمارے دین میں اسرائیلیات داخل ہو گئے ہیں اور ہمارے منتقدوں میں سرایت کر آئے ہیں اور انھیں جیسا مل ہو رہا ہے اور کوئی اسے ٹھکرا نہیں سکتا اور نہ انھیں کھوٹا کہہ سکتا ہے بلکہ _____ افسوس _____ اس زمانہ میں حشویہ ان کا اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کی تصدیق کرتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ خاتم المرسلین کی طرف جھوٹ منسوب ہوتا ہے اور آج تک کعب الاجبار کو سپرد کہتے ہیں، یہاں ہم اتنی ہی مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں،

کیا جائز ہے

شریعت اسلامیہ آئی تو اس سے پہلے کی تمام شریعت منسوخ ہو گئیں اگرچہ اصول عقائد اپنی جگہ باقی رہے اور ان میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کی کہ جن کے ساتھ خدا نے اپنے تمام انبیاء کو اپنی خلوق کے پاس بھیجا تھا اور قرآن مجید نے واضح طور پر بیان کیا کہ اہل کتاب ————— یہود و نصاریٰ ————— نے اپنے ہاتھوں سے کچھ کتابیں لکھ لی ہیں تاکہ انھیں معمولی قیمت پر فروخت کریں،

اسی لئے رسول نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے ایسی چیز قبول کرنے سے منع کیا تھا کہ جو دین خدا اور اس کے احکام و آداب کے خلاف ہو اور جب آپ کسی کو ان ————— اہل کتاب ————— سے کوئی چیز نقل کرتے دیکھتے تو بہت غضبناک ہوتے تھے » امام « احمد نے جلاس بنی عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ عربی خطاب ایک کتاب لیکر رسول کے پاس آئے جو کہ انھیں اہل کتاب سے ملی تھی اور رسول کے سامنے پڑھنے لگے اس سے رسول غضبناک ہوئے اور فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے! کیا اس میں بہت بلند چیزیں ہیں ————— ؟ قسم اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ بھی میرا اتباع کرتے، دوسری روایت ہے کہ رسول غضبناک ہوئے اور فرمایا: یقیناً میں تمہارے لئے صفات و نشانات چیز لایا ہوں اہل کتاب سے کوئی چیز معلوم نہ کیا کرو و تمہیں کسی چیز کی حق کے ساتھ خبر دیں گے تم اسے جھٹلاؤ گے یا باطل کی خبر دیں گے اور تم اس کی تصدیق کرو گے،

بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ اہل کتاب کی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب یہ کہا کرو ہم اللہ پر اور جو اس نے ہم پر نازل کیا ہے اور جو تم پر نازل کیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں، ہمارا اور تمہارا محبوب و ایک ہے اور ہم مسلمان ہیں،

بخاری نے حدیث زہری سے، ابن عباس سے، روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کسی چیز

کے بارے میں اہل کتاب سے سوال نہ کیا کرو اور تمہاری کتاب چونکہ خدا نے رسول اللہ پر نازل کی ہے، وہ سب سے نئی کتاب ہے تم محض اس کی قرأت کرتے ہو اس کی عظمت نہیں سمجھتے ہو، یہ بات نہیں بتا دی گئی ہے کہ اہل کتاب نے کتاب خدا میں تحریف کی ہے اول سے بل دیا ہے، اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، یہ اس لئے کیا ہے تاکہ اسکے ذریعہ کچھ پیسہ کمائیں، کیا تمہیں ان سے سوال کرنے سے قرآن نے منع نہیں کیا ہے —؟ خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے تم سے اس چیز کے بارے میں سوال کیا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے،

ابن جریر نے عید اللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: کسی بھی چیز کے بارے میں اہل کتاب سے سوال نہ کرو کیونکہ وہ تمہاری ہدایت نہیں کریں گے بلکہ وہ گمراہ ہیں یا تم حق کو جھٹلاؤ گے یا باطل کی تصدیق کرو گے! مذکورہ روایات صحیح ہیں، عقل و دین کے موافق ہیں اور محققین کے نزدیک مشہور ہیں، یہ یقیناً وہ روایتیں جن میں رسول نے اہل کتاب سے کوئی بھی چیز معلوم کرنے سے منع کیا ہے لیکن بعد میں معاملات ہی نہیں گیا بلکہ بعض مسلمان یہودیوں کے مکار دانشوروں کے مسلمان ہو جانے سے دھوکہ کھا گئے، بہت سی حدیث و جوہر آگئیں جن کو انہوں نے رسول مکی طرف منسوب کر دیا یہ احادیث ان — یہودیوں — سے سوال کرنے کو مباح کرتی ہیں اور جن چیزوں سے آپ نے ڈرایا تھا انھیں منسوخ کرتی ہیں، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو عاص نے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا ہے: بنی اسرائیل سے روایت کیا کرو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واضح ہے کہ ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو، کعب الاحبار کے شاگرد تھے، روایت میں یہاں تک بیان ہوا ہے کہ عبداللہ بن عمرو اہل کتاب کے علوم میں غرق تھا ان میں سے حدیث نقل کرتا

تھا، ابن حجر نے اضافہ کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمرو جنگ یرموک میں شریک ہوا اور وہاں سے دو اونٹوں کا بارگنا میں لایا ان ہی سے حدیث بیان کرتا تھا، اس لئے ائمہ تابعین میں سے بہت سے اس سے حدیث لینے میں اجتناب کرتے تھے۔

اجار یہود سے بعض صحابہ کی روایت

صحابہ اہل کتاب میں سے مسلمان ہو جانے والوں پر اتنا زیادہ اعتبار کرتے تھے کہ ان کی ہر بات کی تصدیق کرتے تھے اور وہ جو اقوال باندھتے تھے ان سے اسے نقل کرتے تھے، رجال حدیث نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ”عبادہ الشامی“۔۔۔ یعنی عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو اور عبد اللہ ابن عمرو۔۔۔ ابو ہریرہ، معاویہ اور انس وغیرہ کعب الاحبار اور ان کے بھائیوں سے روایت کرتے تھے اور ابو ہریرہ سب سے زیادہ کعب پر اعتماد کرتا تھا اور اس سے حدیث نقل کرتا تھا اس کا مطیع تھا، جیسا کہ ابو ہریرہ کی تاریخ سے جو ہم نے اپنی خاص کتاب ”شیخ المصیرہ“ میں جمع کی ہے، آپ پر یہ بات عیاں ہو سکتی ہے ملاحظہ فرمائیں،

جیسا کہ سیدہ جلیلہ ام کلثوم نے کعب الاحبار کیلئے کہا تھا، یہ یہودی، اپنے شیطانی ہتھکنڈوں سے دین میں خرافات وادھام اور جھوٹ داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا، تفسیر و تاریخ اور حدیث کی کتابیں ان چیزوں سے مملو ہیں، اس سے دین کی صحت ہی بگڑ گئی اور اس میں شک کیا جانے لگا، اس سے ہمیں بہت نقصان پہنچا ہے ان میں سے کچھ چیزیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، اگر انھیں بالاستیعاب بیان کریں تو اسکے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے،

صحابہ کو جھٹلاتے ہیں

جیسا کہ آپ جانتے ہیں صحابہ شروع شروع میں کعب پر بہت اعتماد کرتے تھے لیکن کچھ دنوں بعد بعض صحابہ اس کے کذب کو سمجھ گئے اور اس سے اعتبار اٹھ گیا اور اس کی حدیثوں میں شک کرنے لگے، بلکہ اس کی تکذیب کرنے لگے، بعض صحابہ جیسے ابو ہریرہ اور عبادہ وغیرہ اس کی تصدیق کرتے رہے اور مرنے دم تک اس سے حدیث نقل کرتے رہے،

عمرؓ نے کعب کو حدیث بیان کرنے سے منع کیا تھا اور اس کے شہر میں واپس بھیجے کی دھمکی دی تھی اور اس سے کہا تھا: یا تو حدیث بیان کرنا چھوڑ دو ورنہ میں اس ارضِ قردہ پر پہنچا دوں گا، علیؓ فرماتے تھے: یہ کذاب ہے،

بخاری نے زہری سے روایت کی ہے کہ حمید بن عبد الرحمن نے معاویہ کو قریش کے ایک قبیلہ سے حدیث بیان کرتے اور کعب کا ذکر کرتے ہوئے سنا: معاویہ نے کہا: اہل کتاب کے محدثین میں سے یہ سب سے زیادہ سچا ہے، ہم نے اس سے جھوٹ نہیں دیکھا ہے،

ابن ابی خثیمہ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ: انہوں نے کہا: حذیفہ کو یہ خبر ملی کہ کعب یہ کہتا ہے: آسمان کچی کی طرح ایک محور پر گردش کرتا ہے، حذیفہ نے کہا: کعب جھوٹ بولتا ہے، خداوند عالم تو فرماتا ہے: **و ان اللہ میسک السموات والارض ان ترولا**

اور ابن عباس نے شرام سے آنے والے ایک آدمی سے کہا: تم نے کس سے ملاقات کی؟ کہا: کعب سے، ابن عباس نے کہا: اور اس سے کیا سنا ہے، کہا کہتے ہیں: آسمان ایک فرشتہ کے

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۶

۲۔ الاصابہ لابن حجر ج ۱ ص ۳۲۳

کندھے پر رکھو متا ہے، ابن عباس نے کہا: کعب جھوٹ بولتا ہے، کیا ابھی تک اس نے اپنی یہودیت نہیں چھوڑی ہے۔ _____ ہ پھر یہ آیت پڑھی: ان اللہ یسک السموات والارض۔ لہ اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں لیکن ہم اتنی ہی پراکتفا کر کے ہیں،

عمر اور کعب

جب ماہ ربیع الثانی ۱۲ھ میں ایلیا اور اس کی سرزمین کو عمر نے فتح کر لیا اور عربیت المقدس میں داخل ہوئے تو کعب کو بلایا اور اس سے کہا: تمہارے لحاظ سے میں کس طرف رخ کر کے نماز پڑھنی چاہیئے۔ _____ ہ کعب الاجار نے کہا: صحفرہ کی طرف رخ کر کے، عمر نے اس سے کہا: اے کعب صحفرہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا یہودیت سے مشابہ ہے، روایت میں ہے کہ: یہودی کہے بیٹے یہودیت تمہارے اندر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی ہے، میں نے صدر مسجد میں رکھو گا، کیونکہ ہمارے بڑے صدر صاحبِ بہترین جگہ ہے، میں نے تمہیں جو تانا تارتے ہوئے دیکھا: اس نے کہا: مجھے یہ پسند تھا، اے اپنے قدموں سے مس کرو اور جب بیت المقدس کو لیں گنا سہ کو صاف کیا جانے لگا جنہیں روم والوں نے وہاں نصب کیا تھا تو عمر نے اپنے پیچھے سے گھیر کر آواز سنائی، عمر ہر چیز میں تقیہ صحیح نہیں سمجھتے تھے لہذا چچا یہ کیا ہے۔ _____ ہ لوگوں نے کہا: کعب نے گھیر کر لیا ان کے ساتھ لوگوں نے گھیر کر لیا ہے، عمر نے کہا: میرے سامنے بلاؤ، کعب نے کہا: اے امیر المؤمنین آپ نے جو کام آج انجام دیا ہے اسکی خبر پانچ سو سال قبل نبی نے ہی تھی اے کہا وہ کیسے۔ _____ ہ کعب نے کہا: روم نبی اسرائیل کو لوئے گا ان پر فتح پائے گا اور انھیں دفن کرے گا اسی طرح وہ شہر پر قابض حاکم رہیں گے یہاں تک

کہ خدا کناستہ میں ایک نبی کو بھیجے گا پھر کہا: تیرے اندر کی چیزوں کو فاروق نکال کر پھینکیں گے دوسری روایت میں ہے کہ تیرے پاس ایک طبع شکر کے ساتھ فاروق آئیں گے اور روم والوں سے تیرے باشندوں کے خون کا انتقام لیں گے،

یہ خرافات وہ ہیں جو اس جھوٹے دجال کی من گڑھت ہے،

بیت المقدس کا محضرہ پتھر عمر و عثمان کے زمانہ خلافت میں جب تک شام میں ان کی حکومت رہی کھلا رہا، ایسے ہی حضرت علیؓ کے بعد خلافت میں بھی رہا اگرچہ وہاں آپ کی حکومت نہ تھی ایسے ہی معاویہؓ، اسکے بیٹے اور اسکے پوتے کی بادشاہت میں بھی پتھر کھلا رہا لیکن جب عبدالملک اور عبداللہ ابن زبیر کے درمیان جنگ چھڑی، اور جو ہونا تھا ہوا، تو عبدالملک نے اس پتھر پر قبہ تعمیر کرادیا اور اس قبہ کی عبدالملک نے خوب شان بڑھائی اور گرمی و سردی کے زمانہ میں اس پر پردے ڈولے، تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ بیت المقدس آئیں اور ابن زبیر کی طرف نہ جاسکیں لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر چلتے ہیں، اس وقت سے اس پتھر کی زیادہ تعظیم ہونے لگی جبکہ پہلے مسلمان اسے جانتے بھی نہیں تھے پھر بعض لوگوں نے اس کی عظمت کے بارے میں اسرائیلیات کو نقل کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ بعض نے عبدالملک بن مروان کے پاس کعب الاحبار سے یہ بھی نقل کر دیا کہ، عروہ ابن زبیر وہاں موجود تھا، اللہ تعالیٰ نے محضرہ پتھر کے بارے میں فرمایا ہے: تو میرا جھوٹا عرش ہے بعض لوگوں نے تو بیت المقدس اور شام کی بعض سرزمینوں کے فضائل کے سلسلہ میں کتابیں بھی لکھی ہیں اور اہل کتاب لو ان سے نقل کرنے والوں سے وہ چیزیں نقل کی ہیں کہ مسلمانوں کیلئے جائز نہیں ہے کہ اپنے دین کو ان پر استوار کریں اور جن سے وہ اسرائیلیات نقل ہوئے ہیں ان میں نمایاں کعب الاحبار ہے اور شامیوں نے اس سے پہلے اسرائیلیات اخذ کئے ہیں،

سبط ابن جوزی کی کتاب مرآۃ الزمان ہے

انہوں نے ان چیزوں میں توقع کیا تو کعب الاحبار نے رسولؐ سے نقل کی تھیں کیونکہ وہ عمر فاروقؓ کے زمانہ میں مسلمان ہوا تھا اور وہ درجہ برساتے تھے اور اس سے کہتے تھے: ہمیں اپنی یہودیت سے معاف رکھ،

بیت المقدس کی فضیلت

کعب کہتے ہیں: خدا نے زمین کی طرف دیکھا: میں تیرے اوپر چلنے والا ہوں اس پر پاؤں نے خود کو پیش کیا، صفحہ ۷۰ پتھر نے انکساری ظاہر کی، خدا نے اسکا شکریہ ادا کیا اور اس پر اپنا قدم رکھا،

نیز کہا: حساب و کتاب بیت المقدس میں ہوگا، بیت المقدس میں دفن ہونے والوں پر عذاب نہیں ہوگا،

اسی کا قول ہے آسمان سے بیت المقدس کا فاصلہ اٹھارہ میل ہے یہی حشر و نشر کی سرزمین ہے،

کعب ہی کا کہنا ہے: قیامت اسکے بعد آئے گی جب بیت الحرام، کعبہ، بیت المقدس کی زیارت کرے گا اور پھر دونوں جنت میں جھک جائیں گے جبکہ ان کے ماننے والے ان کے انذر ہونگے، پھر کہتا ہے: بیت المقدس کے بارے میں، توریت میں، خدا کا قول ہے: تو میرا ادنیٰ عرش ہے تجھ سے میں آسمان کی طرف بلند ہوتا ہوا تیرے نیچے سے میں نے زمین بچائی پہاڑوں کی بلندی سے تو کچھ بہتا ہے وہ تیرے صدقہ میں ہے۔

کعب الاحبار کے شاگرد ابو ہریرہ سے روایت ہے: رسولؐ کا ارشاد ہے: ساری نہریں بادل، دریا اور ہوا، بیت المقدس کے پتھر کے نیچے ہیں، کعب کہتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس سے فرمایا: تو میرے شہروں میں سے میری

جنت صفوت اور میری قدراست ہے، تجھ میں بسنے والا میری رحمت میں ہے اور جو تجھ سے نکلا اس پر میرا غضب ہے،

کعب سے روایت ہے کہ: بیت المقدس میں ایک روز گزرنے کی فضیلت ہزار دنوں کی فضیلت کے برابر ہے اور وہاں کے ایک ماہ کی فضیلت ہزار ماہ کی فضیلت کے برابر ہے اور وہاں کے ایک سال کی فضیلت ہزار سال کی فضیلت کے برابر ہے جس نے تیرے اندر وفات پائی گویا اس نے آسمان میں وفات پائی اور جس نے اس کے جوار میں انتقال کیا گویا اس نے بیت المقدس کے اندر انتقال کیا۔

وہب بن منبہ سے مروی ہے کہ اس نے کہا: بیت المقدس کے ماننے والے اللہ کے ہمسایہ ہیں، اور اللہ کا حق ہے کہ وہ اپنے ہمسایوں پر عذاب نہ کرے اور جو بیت المقدس میں دفن ہوا وہ قبر کے فشار اور ابتلاء سے محفوظ رہا،

حدیث میں ہے: میری امت میں سے ایک گروہ حق کی حمایت کرے گا، ان کی نجات کرنے والے انھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ خدا اپنا امر نافذ کرے گا، اور وہ لوگ بیت المقدس اور اس کے اطراف میں ہوں گے،

افغانستان کے صوبہ ہرات کے فخر المدارس کے پرنسپل علامہ استاذ دینعت اللہ سلجوقی نے ہماری کتاب ”حدیث سے دفاع“ پر تقریظ لکھتے ہوئے رقم کیا ہے،

شام کی فضیلت میں مروی احادیث کے بارے میں ہمیں اعتراف ہے کہ ان میں سے اکثر میں اسرائیلیات شامل ہے، اس سلسلہ میں بعض کتب میں روایت ہے کہ جو شخص مسجد اقصیٰ سے حج کو جائیگا خدا اس کو گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کو بخش دے گا،

یہ روایت باوجودیکہ مسجد اقصیٰ کی فضیلت پر دلالت کر رہی ہے، لیکن الحاد کی طرف

بھی کھینچتی ہے، اور فسق و معاصی کے دروازے بھی کھولتی ہے،

اسی طرح یہودیوں نے یہ خرافات بھی اسلام میں داخل کر دی ہیں کہ بعض آسمان چاند کے ہیں بعض زبرجد کے ہیں اور سیارے آسمانوں میں اسی ترتیب سے فٹ ہیں جو یونانی کتب میں مذکور ہوئے ہیں، مثلاً چاند آسمان دنیا میں جڑا ہوا ہے اور عطارد دوسرے آسمان میں فٹ ہے، ایسے ہی ساتوں سیارے مرکز ہیں، اور آسمان کو کوہ قاف کے اوپر رکھا گیا ہے، جو کہ زمین کا احاطہ کرتے ہوئے ہے اور زمین اس گائے کے گینگ پر لگی ہوئے ہے جو پانی میں تیرتی ہوئی پھلی پر قائم ہے، اور ان خرافات کو بعض سیرت و تفسیر کی کتابوں میں درج کر دیا گیا ہے،

یہ سب علماء کی عظمت اور دشمنان دین کی دسیہ کاریوں سے ان کی بے اعتنائی کی وجہ

سے ہوا ہے،

مسجد اقصیٰ

صدر اسلام میں مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ کی فضیلت کے بارے میں صحیح حدیثیں تھیں لیکن، جب قبۃ صخرہ بن گیا تو پھر اس قبۃ اور مسجد اقصیٰ کی فضیلت سے متعلق احادیث بھی آئے لگیں،

ابو ہریرہؓ نے روایت کی ہے کہ: زاد سفرنا باندھو! مگر تین مسجدوں «میری اس مسجد، مسجد الحرام اور مسجد اقصیٰ کیلئے»،

دوسری روایت میں ہے صرف تین مساجد، کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلہا کی طرف سفر کرو،

مالک نے موطا میں، اور سلم نے اپنی کتاب میں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے، میری اس مسجد میں ایک غار مسجد الحرام کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار غاروں سے افضل ہے،

انہی سے مروی ہے: مسجد نبوی میں ایک نماز، مسجد اہلرم کے علاوہ دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، ایک اور روایت میں ہے » میری مسجد کی ایک نماز « مسجد اہلرم کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے، ابو عمر سے مروی ہے، میری اس مسجد کی ایک نماز مسجد اہلرم کے علاوہ دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے،

ابن عباس سے مروی ہے: ایک عورت کو ایک مرض لگ گیا اس نے کہا: اگر خدا مجھے شفا عطا کرے گا تو میں ضرور جا کر بیت المقدس میں نماز پڑھوں گی، چنانچہ اسے شفا مل گئی تو اسے سفر کا قصد کیا، اور زوجہ رسولؐ میمونہ کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو سلام کیا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا تو میمونہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، جو تم نے تیار کیا ہے اسے کھاؤ اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھو! کیونکہ میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: اس »مسجد« میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، ہاں مسجد کعبہ اس سے مستثنیٰ ہے، اگر مسجد اقصیٰ کے بارے میں وہ احادیث وارد ہوئی ہوتیں تو میمونہ نے اس عورت کو نذر وفا کرنے سے کیوں منع کیا تھا ————— ۹

شام کی فضیلت میں یہودیت کا ہاتھ

اس سے قبل ہم یہ بیان کر چکے ہیں اس بات کو شہرت دینے میں یہودیوں کے کاہنوں کا بڑا ہاتھ تھا کہ مغربی شلم بنی ۴۴ کا ملک ہو گا اس کا سبب وہ امر تھا جو ان کے نفوس میں منہی تھا، یہاں ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ شلم کو یہ شہرت و فضیلت اس وقت حاصل ہوئی جب حکومت یسوعؑ کے ہاتھ میں آئی، بنی امیہ کی حکومت نے عادل خلافت کو کاٹ کھانے والی بادشاہت میں تبدیل کیا تھا اور اسکے دور میں اسلامی فتوہ وجود میں آئے کہ جن سے اسلامی حکومت کی طاقت پر گندہ و متفرق ہو گئی اسکے

نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک قیامت آجائے گی ۱۔

کشف الغطاء میں ہے کہ کعب الاحبار نے کہا: اہل شام اللہ کی تلواروں میں سے تلوار ہیں، ان کے دُیو اللہ سرکشوں سے انتقام لیتا ہے، شاید یہاں سرکشوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو معاویہ کے جھنڈے کے نیچے جمع نہیں ہوئے تھے اور اسکے مخالف کے تابع تھے اور اسکے مخالف علی رضی اللہ عنہ تھے عروہ بن رویم کا کہنا ہے کہ ایک شخص نے کعب الاحبار سے ملاقات کی انھیں سلام کیا تو انہوں نے اسے دعا دی، کعب نے اس سے پوچھا: تم کون ہو؟ اس نے کہا میرا تعلق شام سے ہے، کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں کے لشکر میں سے ہو جن میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا، اس نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل دمشق ہیں، اس نے کہا میں ان میں سے نہیں ہوں، کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جن کی طرف خدا دن بھر میں دوبار دیکھتا ہے، اس نے پوچھا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل فلسطین ہیں، اس نے کہا: ہاں میں ان ہی میں سے ہوں، ایک روایت میں ہے کہ کعب نے کہا: شاید تم ان لوگوں میں سے ہو جن کا ایک شہید ستر ہزار کی شفاعت کرے گا، اس نے کہا: وہ کون ہیں؟ کعب نے کہا: وہ اہل حمص ہیں ۲۔

کعب کہتے ہیں کہ طوفان کے بعد روئے زمین پر جو دیوار بنائی گئی وہ حران و دمشق کی دیوار

تھی پھر بابل کی دیوار بنائی گئی ۳۔

کعب ہی کا کہنا ہے کہ جب لوگوں کی طرف آگ بڑھے گی جب تم اس آگ کے بارے میں سنا تو شام کی طرف سفر کرنا، ابن عمر کعب کے شاگردوں میں سے ایک ہیں،

۱۔ ص ۱۵

۲۔ تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۵۷،

۳۔ تاریخ ابن عساکر ص ۱۲ ج ۱، ۴۔ فتح الباری ج ۳ ص ۱۹،

سید علی کی جامع الصغیر میں ہے :

شام خدا کے برگزیدہ شہروں میں سے ہے وہاں اسکے برگزیدہ و منتخب بندے ہی جاتے ہیں پس تو شام چھوڑ کر دوسرے شہر جاتے اس سے خدا ناراض اور خوشام جاتے اس سے خوش ہو جاتے، خوش قسمت ہے شام کہ اس پر جن نے اپنی رحمت کے دروازے کھول رکھے ہیں، خدا قیامت کے روز ضرور ضرور شام کے شہر حص کے تشریف آروگوں کو حساب کے بغیر اٹھائے گا اور ان پر کوئی عذاب نہ ہوگا انھیں زیتون و حنظل کے درمیان سے اٹھائے گا... الخ،

شہر حص کی اتنی عظمت ہونا ہی چاہیے ————— قیامت میں بھی ————— کوئی دوسرا شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا یہاں تک کہ مدینہ رسول بھی اس کے ہم پار نہیں ہو سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی کا ہنوں نے ————— کہ جن سے بہت سے کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں اور مسلمانوں کے شیوخ گنے جاتے ہیں ————— حص کو یہ عظمت دی ہے اس سلسلے میں ہمارے پاس جو معلومات ہیں انھیں بیان کر کے بحث کو طول نہیں دینا چاہتے، جو بیان کیا ہے وہی کافی ہے،

اسرائیلیات کے بارے میں محققین کا نظریہ

اسرائیلیات کی بحث کو ختم کرنے سے پہلے، جو کہ میرے اوپر اسلامی فرض ہے، آپ کے سامنے ان کا ہنوں کے بارے میں جنہوں نے اسلام کی نقاب ڈال دکھی تھی، جن کی روایات کا اعتبار نہیں ہے، ائمہ مسلمین میں سے محققین کے بعض اقوال کو پیش کرتے ہیں،

بیت المقدس اور شام کے دوسرے علاقوں کے بارے میں جو اسرائیلیات بیان ہوئے ہیں ان کے بارے میں ابن تیمیہ کہتے ہیں :

بعض لوگوں نے بیت المقدس اور شام کے دوسرے علاقوں کے فضائل کے بارے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اور ان کتابوں میں اہل کتاب سے منقول چیزیں نقل کی ہیں جبکہ مسلمانوں کیلئے یہ جائز

نہیں تھا کروانے دین کی بنیاد ان کی میان کردہ چیزوں پر رکھیں، جن لوگوں نے اسرائیلیات بیان کیا ہے ان میں سے کعب الاحبار کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے، شامیوں نے کعب الاحبار سے بہت سے اسرائیلیات نقل کئے ہیں، معاویہ کہتا ہے: ہم نے اہل کتاب میں سے ان محدثین میں کعب جیسا نہیں دیکھا ہے اگرچہ کبھی کبھی ہم نے اس کا جھوٹ بھی کھڑا ہے، اور صحیح حدیث میں رسولؐ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب اہل کتاب تمہارے سامنے کوئی حدیث بیان کریں تو تم ان کی تصدیق کرنا اور نہ تکذیب ہو سکتا ہے کروہ تمہارے سامنے کوئی باطل حدیث بیان کریں اور تم اس کی تصدیق کرنا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کروہ تمہارے سامنے کوئی سچی حدیث بیان کریں اور تم اس کی تکذیب کرنا ہو جاؤ۔

تعب یہ محفوظ و مضمون شریعت یہ مضمون امت جو کبھی گمراہی پر جمع نہ ہوگی، جب تابعین میں سے اہم اشخاص جیسے عطاء بن ابی رباح حسن بصری اور ابو عالیہ وغیرہ رسولؐ سے حدیث نقل کرتے ہیں، تو اہل علم ان کے مراسیل پر توقف کرتے ہیں بعض مطلق طور پر رد کرتے ہیں، بعض چند شرائط کے تحت قبول کرتے ہیں آخر میں کہتے ہیں: جیکہ ان راویوں اور رسولؐ کے درمیان ایک شخص یا دو اشخاص یا تین سے زیادہ نہیں ہیں،

آج کل مسلمانوں کی کتابوں میں جو احادیث پائی جاتی ہیں، جنہیں صاحب کتاب نے نقل کیا ہے وہ سب ہیں، اتفاقاً علامہ سے انہیں صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا — تو کعب الاحبار کی انبیاء سے نقل کردہ احادیث کو کیونکر صحیح قرار دیا جاسکتا ہے — پھر کعب اور اس نبیؐ کے درمیان کم و بیش پندرہ سال کا فاصلہ ہے جس سے وہ حدیث نقل کرتے ہیں اور کعب ثقہ کے بعد ثقہ سے نہیں پیتے ہیں بلکہ وہ زیادہ

۱۔ اس صحیح حدیث سے نود نبوت ساطع ہے، لیکن کعب الاحبار کے شاگرد عبداللہ بن عمرو بن العاص رسولؐ سے یہ حدیث نقل کرتا ہے، مجھ سے نقل کرواؤ ایک ہی آیت، اور بنی اسرائیل سے حدیث لینے میں کوئی مخرج نہیں ہے پھر حکم بنی مکی مخالفت کرتا ہے آپ کو غضبناک کرتا ہے اور اپنے جھوٹے حدیث بیان کرتا ہے،

سے زیادہ دن کتابوں سے لیتے ہیں یہودیوں کے شیوخ نے قلم بند کیا ہے،
یقیناً خدا نے یہودیوں کی تحریر و تبدیل کی خبر دی ہے تو پھر کسی مسلمان کیلئے یہ کیسے جائز
ہے کہ وہ کسی چیز کی صرف نقل کی بنا پر تصدیق کریں، بلکہ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ نہ اس کی تصدیق کرے
نہ تکذیب، ہاں اگر اس کی تکذیب پر کوئی دلیل ہے تو تکذیب کرے

ایسے ہی رسولؐ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے اہل اسرائیلیات میں یا انبیاء پر جھوٹ باندھا گیا
ہے یا وہ چنیر ہار بی شریعت میں منسوخ ہو چکی ہے جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔
سورہ مل کی تفسیر میں ابن کثیر ملکہ سہلہ اور جناب سلیمان کے قصہ میں اسرائیلیات کا ذکر
کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

یہ چیزیں اہل کتاب کی بیان کی ہوئی ہیں انہوں نے اپنے مصحف سے حاصل کی ہیں جیسا کہ
کعب اور وہب نے اس امت کیلئے بنی اسرائیل کے وہ عجیب و غریب اخبار نقل کئے ہیں، جو وجود
میں آپکے تھے یا نہیں آئے تھے ان میں تحریر و تبدیلی کی خدانے ہمیں ان میں سے صحیح مستفی کیا اور ان کے
ذریعہ نفع پہنچایا والحمد للہ والندہ،

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں متعدد جگہوں پر کعب اور وہب اور ان کی بیان کردہ چیزوں
کی طرف اشارہ کیا ہے، شائقین مقدمہ ابن خلدون کا مطالعہ فرمائیں،
ہمیں تو اس آخری زمانوں میں کوئی بھی فقیہ و محدث سید رشید رضاؒ ایسا نہیں
ملا کہ جس نے کعب اور وہب اور انکی مذہب و سازش کو پہچان لیا ہو، خصوصاً کعب اور ان
کے دوسرے وہم و گمشدہ متعلق ان کے بعض اقوال کو نقل کرتا ہوں،
رشید رضاؒ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے کہ جو ان کے علم کا لوہا مانتے ہیں، لکھتے
ہیں۔

علم کی بہتات کذب کی نفی نہیں کرتی ہے ان لوگوں کی نظر میں وہ علم کا دریا تھا، وہ نور سے روایت اور اپنی قوم کی دوسری کتابوں سے روایت کرتا تھا تاکہ اس کی قبولیت ہو جائے اسمیں شک نہیں ہے کہ اپنے اسلام سے قبل وہ یہودیوں کا دکھی ترین عالم تھا اور اپنی روایت کے ذریعہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے میں ان سب سے زیادہ فوری تھا،

نیز لکھتے ہیں کعب یہودیوں کے ان زندگیوں میں سے تھا جنہوں نے دین میں اپنی بات تسلیم کرنے کی غرض سے اسلام و عبادت گزاری کا ڈھونگ رچا یا تھا، چنانچہ اس کا حلیہ کارگر ہوا کہ بعض صحابہ مکہ میں کھائے اور اس سے روایت کرنے لگے اور غیر اسناد کے اس کے قول کو ایک دوسرے سے نقل کرنے لگے یہاں تک کہ بعض تابعین اور ان کے بعد والے یہ گمان کرتے تھے کہ اس کے اقوال کو انہوں نے رسول سے سنا ہے، اور بعض مؤرخین نے ان اقوال کو ان موقوفات میں داخل کر دیا ہے جن پر مروج کا حکم نافذ ہوتا ہے جیسا کہ حافظ کشمر نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر تحریر کیا ہے ۱

کعب جھوٹ کا پلندہ تھا مجھے اس کے کذب کا یقین ہے، بلکہ اس کے ایمان کا بھرپور سہہ نہیں

ہے ۲ کعب و وہب دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں ۳

ان اسرائیلیات کے بدترین راوی اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے اور تلبیس کرنے والے یہی دونوں تھے، امویوں و کونین کے امور، انبیاء، ان ملی قوموں، فتنے، قیامت، اور آخرت سے متعلق جتنے امور کتب تفسیر اور اسلامی تاریخ میں تلبیس گے وہ سب ان ہی کے بیان کردہ ہیں ضرب المثل شہر ہے کہ ہروادی میں بنی ثعلب کے نقش قدم ہیں، اس بات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے کہ ان دونوں کے بیان کو اخبار سے بعض صحابہ اور تابعین کو دھوکہ ہوا ہے، جھوٹ کی تصدیق سے کوئی شخص اور نہ معصوم رسول

۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۵۷

۲ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۷

۳ تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۷۸۳

میں سے کوئی محفوظ نہیں ہے، کیونکہ عصمت صرف تبلیغ رسالت اور اس پر عمل کرنے سے متعلق ہے اور رسل تبلیغ میں مصمم ہیں اور اس چیز پر عمل نہیں کر سکتے جو ان کی تشریع کے منافی ہے کیونکہ وہ چیز قیادت کے منافی ہے اور اس سے جدت نہیں قائم ہو سکتی لیکن جب رسولؐ کسی کاذب کی اس امر میں تصدیق کرے گا کہ جو خود رسولؐ یا اسکے عمل سے یا امت کی مصلحت سے متعلق ہوگا تو خدا اپنے رسولؐ کیلئے وضع کردے گا جیسا کہ آنحضرتؐ کی بعض ازواج کی گفتگو سے خدا نے آپؐ کو آگاہ کر دیا تھا، سورہ تحریم کی ابتدا میں اس کا ذکر موجود ہے، خدا نے اپنے رسولؐ کو خبردار کیا تو بیوی نے پوچھا: قالت من انبأك هذا؟ یہ آپؐ کو کس نے بتایا ہے، رسولؐ فرماتے ہیں: مجھے علیم و خیر نے خبر دی ہے، بنی ملکہ عصمت سے رسولؐ ان کی سازش کو نہیں جانتے تھے بلکہ خدا نے سازش بنانا جانے کے بعد وحی کی تھی اسی طرح خدا نے آپؐ کو ان منافقین کی حالت سے باخبر کیا تھا کہ جنہوں نے آپؐ پر جھوٹ باندھا تھا اور جنگ تبوک میں آپؐ کے ساتھ جانے سے معذرت کی تھی، ”اے رسولؐ“ خدا نے آپؐ سے درگور کیا کہ آپؐ نے کیوں انہیں پیچھے رہ جانے کی اجازت دی یہ معلوم کئے بغیر کہ ان میں کون سچا ہے اور کون جھوٹا ہے،

زندگانی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں: جو کچھ صحابی سے نقل کیا جاتا ہے اس میں رائے دہی کی گنجائش نہیں ہے، اس پر توقف کرنا چاہئے اس کا وہی حکم ہے جو مرفوع کا ہے اگر یہ احتمال ہو کہ صحابی نے اسے حسن ظن کی بنا پر اہل کتاب سے یہ خبر نقل کی تھی تو یہ نظریہ باطل ہے، اسے ہم اپنے دین میں قائل و اصل نہیں قرار دے سکتے، اور اس کی انہوں نے جو علت بیان کی ہے وہ بھی باطل ہے کیونکہ حسن ظن کا یہاں کوئی موقع محل نہیں ہے — کیونکہ طبیعت بشریہ ہے کہ وہ ہر اس خبر کی تصدیق کرتے ہیں جس کے قائل متہم نہ ہوں اور خود خبر بھی باطل نہ ہو۔ — کیونکہ جب بعض صحابہ نے کعب اللجاء کے ان مفتریات کی تصدیق کر دی جن کے بارے میں انہیں یہ وہم تھا کہ یہ کعب نے توریت یا انبیاء بنی اسرائیل کی دوسری کتابوں سے نقل کی ہیں تو ان کے بارے میں سوء ظن نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن جب اسرائیلیت کے یہ خرافات، اسلام سے روکنے لگیں اور زبان و قلم سے ان پر طعن ہونے لگے،

خبر و کاشف — مجله، ۱۳۱۱

[illegible]

۱۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۲۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۳۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۴۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۵۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۶۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۷۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۸۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۹۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،
 ۱۰۔ جو کہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہتا ہے،

(Handwritten Persian script)

اسی طرح ان دونوں کی روایت کے بارے میں کہتے ہیں: ان میں سے زیادہ تر اسرائیلی خرافات ہیں کہ جس نے تفسیر وغیرہ کی کتاب کی حیثیت برباد کر دی ہے یہ اسلام کا کمزور نقطہ ہے جس سے اسکے دشمن ملحدین اس کے خلاف یہ جہت قائم کرتے ہیں، اسلام بھی دیگر ادیان کے مانند خرافات و اوہام پرستی کا دین ہے جبکہ اس میں خرافات نہ تھی، اسلام میں اس سے بڑا شبہ و شک پیدا ہو گیا کہ جس کو کعب نے بنی کی صفت میں توریت سے بیان کیا ہے،

باوجودیکہ ائمہ محققین نے ان دونوں کا ہنوں کی روایت میں نقص نکالا ہے، لیکن افسوس آج بھی ہمارے درمیان ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو کہ ان پر اٹھا دیتے ہیں اور ان کی روایت کردہ چیز کی تصدیق کرتے ہیں اور ان کے بارے میں کسی بات پر کان نہیں دھرتے ہیں،

سیاسی فریب

اسلام و مسلمین کے بے جوہر سازش کی اس کو بخوبی بیان کرنے کی خاطر ہم ذہین و چالاک یہودیوں کے کڑوتوت کا دوسرا پہلو واضح کرتے ہیں، یہ سیاسی پہلو ہے، یقیناً وہ جنگ میں اسلام کو دینی و سیاسی، لحاظ سے نقصان پہنچانے کی تدبیر کرتے تھے دینی پہلو کو وہ جس طرح کمزور کرتے تھے اسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں وہاں ان کی ایک چھوٹی سی سیاسی چنگاری بھی ہے،

عبداللہ ابن سبا

رفیق العظیم کہتے ہیں:
فتنہ کا جو بیج اسلامی مملکت کے اطراف اور اس کے پھر و کوفہ اور ہجرہ جیسے

۱۰۰
 ۱۰۱
 ۱۰۲
 ۱۰۳
 ۱۰۴
 ۱۰۵
 ۱۰۶
 ۱۰۷
 ۱۰۸
 ۱۰۹
 ۱۱۰
 ۱۱۱
 ۱۱۲
 ۱۱۳
 ۱۱۴
 ۱۱۵
 ۱۱۶
 ۱۱۷
 ۱۱۸
 ۱۱۹
 ۱۲۰
 ۱۲۱
 ۱۲۲
 ۱۲۳
 ۱۲۴
 ۱۲۵
 ۱۲۶
 ۱۲۷
 ۱۲۸
 ۱۲۹
 ۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰
 ۲۰۱
 ۲۰۲
 ۲۰۳
 ۲۰۴
 ۲۰۵
 ۲۰۶
 ۲۰۷
 ۲۰۸
 ۲۰۹
 ۲۱۰
 ۲۱۱
 ۲۱۲
 ۲۱۳
 ۲۱۴
 ۲۱۵
 ۲۱۶
 ۲۱۷
 ۲۱۸
 ۲۱۹
 ۲۲۰
 ۲۲۱
 ۲۲۲
 ۲۲۳
 ۲۲۴
 ۲۲۵
 ۲۲۶
 ۲۲۷
 ۲۲۸
 ۲۲۹
 ۲۳۰
 ۲۳۱
 ۲۳۲
 ۲۳۳
 ۲۳۴
 ۲۳۵
 ۲۳۶
 ۲۳۷
 ۲۳۸
 ۲۳۹
 ۲۴۰
 ۲۴۱
 ۲۴۲
 ۲۴۳
 ۲۴۴
 ۲۴۵
 ۲۴۶
 ۲۴۷
 ۲۴۸
 ۲۴۹
 ۲۵۰
 ۲۵۱
 ۲۵۲
 ۲۵۳
 ۲۵۴
 ۲۵۵
 ۲۵۶
 ۲۵۷
 ۲۵۸
 ۲۵۹
 ۲۶۰
 ۲۶۱
 ۲۶۲
 ۲۶۳
 ۲۶۴
 ۲۶۵
 ۲۶۶
 ۲۶۷
 ۲۶۸
 ۲۶۹
 ۲۷۰
 ۲۷۱
 ۲۷۲
 ۲۷۳
 ۲۷۴
 ۲۷۵
 ۲۷۶
 ۲۷۷
 ۲۷۸
 ۲۷۹
 ۲۸۰
 ۲۸۱
 ۲۸۲
 ۲۸۳
 ۲۸۴
 ۲۸۵
 ۲۸۶
 ۲۸۷
 ۲۸۸
 ۲۸۹
 ۲۹۰
 ۲۹۱
 ۲۹۲
 ۲۹۳
 ۲۹۴
 ۲۹۵
 ۲۹۶
 ۲۹۷
 ۲۹۸
 ۲۹۹
 ۳۰۰
 ۳۰۱
 ۳۰۲
 ۳۰۳
 ۳۰۴
 ۳۰۵
 ۳۰۶
 ۳۰۷
 ۳۰۸
 ۳۰۹
 ۳۱۰
 ۳۱۱
 ۳۱۲
 ۳۱۳
 ۳۱۴
 ۳۱۵
 ۳۱۶
 ۳۱۷
 ۳۱۸
 ۳۱۹
 ۳۲۰
 ۳۲۱
 ۳۲۲
 ۳۲۳
 ۳۲۴
 ۳۲۵
 ۳۲۶
 ۳۲۷
 ۳۲۸
 ۳۲۹
 ۳۳۰
 ۳۳۱
 ۳۳۲
 ۳۳۳
 ۳۳۴
 ۳۳۵
 ۳۳۶
 ۳۳۷
 ۳۳۸
 ۳۳۹
 ۳۴۰
 ۳۴۱
 ۳۴۲
 ۳۴۳
 ۳۴۴
 ۳۴۵
 ۳۴۶
 ۳۴۷
 ۳۴۸
 ۳۴۹
 ۳۵۰
 ۳۵۱
 ۳۵۲
 ۳۵۳
 ۳۵۴
 ۳۵۵
 ۳۵۶
 ۳۵۷
 ۳۵۸
 ۳۵۹
 ۳۶۰
 ۳۶۱
 ۳۶۲
 ۳۶۳
 ۳۶۴
 ۳۶۵
 ۳۶۶
 ۳۶۷
 ۳۶۸
 ۳۶۹
 ۳۷۰
 ۳۷۱
 ۳۷۲
 ۳۷۳
 ۳۷۴
 ۳۷۵
 ۳۷۶
 ۳۷۷
 ۳۷۸
 ۳۷۹
 ۳۸۰
 ۳۸۱
 ۳۸۲
 ۳۸۳
 ۳۸۴
 ۳۸۵
 ۳۸۶
 ۳۸۷
 ۳۸۸
 ۳۸۹
 ۳۹۰
 ۳۹۱
 ۳۹۲
 ۳۹۳
 ۳۹۴
 ۳۹۵
 ۳۹۶
 ۳۹۷
 ۳۹۸
 ۳۹۹
 ۴۰۰
 ۴۰۱
 ۴۰۲
 ۴۰۳
 ۴۰۴
 ۴۰۵
 ۴۰۶
 ۴۰۷
 ۴۰۸
 ۴۰۹
 ۴۱۰
 ۴۱۱
 ۴۱۲
 ۴۱۳
 ۴۱۴
 ۴۱۵
 ۴۱۶
 ۴۱۷
 ۴۱۸
 ۴۱۹
 ۴۲۰
 ۴۲۱
 ۴۲۲
 ۴۲۳
 ۴۲۴
 ۴۲۵
 ۴۲۶
 ۴۲۷
 ۴۲۸
 ۴۲۹
 ۴۳۰
 ۴۳۱
 ۴۳۲
 ۴۳۳
 ۴۳۴
 ۴۳۵
 ۴۳۶
 ۴۳۷
 ۴۳۸
 ۴۳۹
 ۴۴۰
 ۴۴۱
 ۴۴۲
 ۴۴۳
 ۴۴۴
 ۴۴۵
 ۴۴۶
 ۴۴۷
 ۴۴۸
 ۴۴۹
 ۴۵۰
 ۴۵۱
 ۴۵۲
 ۴۵۳
 ۴۵۴
 ۴۵۵
 ۴۵۶
 ۴۵۷
 ۴۵۸
 ۴۵۹
 ۴۶۰
 ۴۶۱
 ۴۶۲
 ۴۶۳
 ۴۶۴
 ۴۶۵
 ۴۶۶
 ۴۶۷
 ۴۶۸
 ۴۶۹
 ۴۷۰
 ۴۷۱

ကျိပ်နီနီ

لهذا اوست که چنانچه در این چند روز از سر لقمه پیچیده افتاد، چنانچه معتقد است، این روزها است که
- لقمه پیچیده در این روزها است که این روزها است که این روزها است که این روزها است که این روزها است که

[illegible]

دوسرے جزء ”علی و نبوہ“ میں تحریر کیا ہے ہم اس کا بعض حصہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جنگ صفین کے بارے میں رقم طراز ہیں،

جنگ صفین میں مورخین نے سبائیوں اور ابن سوداہ کے ذکر سے اعراض کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ سبائیوں اور ابن سوداہ کا واقعہ اس وقت اختراع کیا گیا جب شیعوں اور دوسرے اسلامی فرقوں میں جوال و مباحثہ کا بازار گرم ہوا،

شیعہ مخالف لوگوں نے مذہب شیعہ میں یہودی اصولوں کو داخل کرنے اور شیعوں کو مکرم سے مستہم کر کے اپنی کامیابی کی کوشش کی، ورنہ اگر ابن سوداہ کے واقعہ کی کوئی تاریخی حقیقت ہوتی تو قطعی طور پر جنگ صفین ایسی شدید جنگ میں اس کا کردار سامنے آتا، اور یہ طبعی طور پر اس کا اثر اس وقت ظاہر ہوتا جب امر حکومت کے سلسلے میں اصحاب علیؑ کے درمیان اختلاف ہوا تھا، اس نئی تنظیم کی تشکیل میں بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا کہ جو صلح کے مخالف تھے اور اس کی طرف مائل ہونے والوں یا اس میں شریک لوگوں کو کافر کہتی تھی،

لیکن یہیں کہیں خوارج کے ساتھ ابن سوداہ کا ذکر نہیں ملتا ہے تو اس اہمال کی کیا علت ہو سکتی ہے؟ اور جنگ صفین اور حکیم تھوپنے والے لوگوں سے ابی سباء کے الگ رہنے کیلئے ہم کیا علت لاسکتے ہیں میں تو دونوں مسئلوں کیلئے صرف ایک دلیل پیش کر سکتا ہوں اور وہ یہ کہ ابن سوداہ کا وجود ایک خیالی و وہی چنر ہے اور اگر اس کا کوئی خارجی وجود تھا بھی تو ایسا خطرناک نہیں تھا جیسا کہ بعض مورخین نے اس کی تصویر کشی کی ہے، اور جیسی عثمان کے زمانہ اور علیؑ کے ابتدائی دور میں اس کی فعالیت دکھائی ہے بلکہ وہ ایک شخص تھا جس نے شیعوں کے مخالفوں کو شیعوں ہی کی خاطر جمع کیا تھا، خوارج کیلئے جمع نہیں کیا تھا۔۔۔

تفاریق کے سامنے اس مکر و تدبیر کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ جس سے اسلامی تاریخ

اپنے خود بہت گئی ہے،

کعب اور معاویہ

اسی کتاب کے گذشتہ صفحات میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ عمر ابن خطاب نے کعب کی حدیث بیان کرنے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ اگر اسرائیلیات سے یا جسے بنی اکا قول کچھ گریبان کریگا تو میں شہر بدر کر دوں گا، عمر نے ایسا اس کی حرکت دیکھنے اور سوء قصد سمجھنے کے بعد کیا تھا، اس وقت کعب کو اس دم کی سے غریب نہیں تھا کلمہ کھلا حدیث نقل نہیں کر سکتا تھا، لہذا اس نے اپنے ان اعراض کو پورا کرنے کیلئے کہ جن کی وجہ سے وہ مسلمان ہوا تھا خفیہ طریقہ سے کوشش جاری رکھی، اس نے دکھا کہ اس وقت کچھ نہیں کیا جاسکتا جب تک راستہ سے یہ رکاوٹ نہیں ہٹ جاتی جو کہ اسکے اور اس کے مقصد کے درمیان حائل ہو گئی ہے، کچھ دن نہ گزرے تھے کہ اسے اس سادش میں شرکت کا موقع مل گیا جو کہ عمر کے قتل کیلئے خفیہ تنظیم نے تیار کی تھی لہذا خوب اسکے خلاف شعلہ بھڑکائے،

اور جب عمر کے قتل کے لئے زمین ہموار ہو گئی اور ان کے خوف سے خود کو محفوظ کیا تو پھر اپنے یہودی محر پھیلانے کیلئے مطلق انمان ہو گیا، اور ان اسرائیلیات و خرافات کو پھیلانے میں کہ جس سے دین کی صورت ہی گر گئی اس کے بڑے شاگردوں عبداللہ بن غلاور ابو ہریرہ وغیرہ نے اس کی مدد کی،

اس نے اسی پراکستان کی اور اسی سے مطمئن نہ ہوا کہ اس کی من مانی کرنے میں کوئی روک ٹوک کرنے والا نہیں ہے، مسلمانوں کو غافل دیکھ رہا ہے، اور گڑھی ہوئی چیزوں کو پھیلانے میں اسے حکام کا تعاون حاصل ہے، بلکہ اپنے جھوٹ مکرو فریب کے ذریعہ ہر موقع سے فائدہ اٹھاتا رہا تاکہ اپنے خبیث حملوں سے اسلام کو نقصان پہنچا سکے،

ہم یہاں صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں: عثمان کے زمانہ میں فتنے کی آگ بھڑکی

ہوئی تھی اور اسکے شعلے شدید ہو گئے تھے، یہاں تک وہ آگ عثمان کو نگل گئی، اور انہیں ان کے گھر ہی میں قتل کر دیا گیا، اس مکار کاہن اس لمحے موقع سے بھی فائدہ اٹھایا اور موقع ہی غنیمت نہیں سمجھا بلکہ اپنے یہودی مکر سے جہاں تک ہو کا اس میں حصہ لیا، اس فتنہ میں اس کی شاطرانہ چال یہ تھی کہ اس نے اپنی یہودیت سے یہ چال چلی کہ عثمان کے بعد عتقریب معاویہ کا خلیفہ ہوگا، وکیع نے آتش سے، ابوصالح سے روایت کی ہے کہ عثمان کے بعد :
 علیؑ امیر ہوں گے اور نوگ زبیر کیلئے راضی ہیں،

کعب الاحبار نے کہا: نہیں بلکہ شہبذ خضر والا ————— یعنی معاویہ ————— ہوگا، کعب نے دیکھا تھا کہ وہ خضر رسوا ہوتا ہے، کعب کی اس بات کی معاویہ کو بھی خبر ہو گئی، معاویہ نے کعب کو بلایا اور پوچھا کہ تم نے کیا کہا ہے —————؟ جب علیؑ وزبیر اور اصحاب محمدؐ میں سے کعب بھی موجود ہیں، کعب نے کہا: خلافت تم ہی کو ملے گی ممکن ہے کعب نے یہ بھی کہا ہو کہ میں نے کتاب اول میں ایسے ہی دیکھا ہے!

اس پر معاویہ نے کعب کی بڑی قدر کی اور اپنے لطف و کرم سے سرشار کر دیا تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کاہن ہمد عثمان میں شام چلا گیا تھا وہاں معاویہ کے سایہ میں زندگی گزاری تھی لہذا معاویہ نے اسے اپنا مخلص بنا لیا تھا تاکہ اس سے جیسا چاہے اسرائیلیات اور جھوٹی حدیث بیان کر لے، اپنی حکومت کے تشکیل اور اپنی تائید میں جو چاہے اس سے روایت نقل کر لے،

ابن جریر عسقلانی نے »اصحاب« میں تحریر کیا ہے کہ معاویہ نے کعب سے کہا تم شام کی فضیلت میں قصے بیان کیا کرو۔ فارمین کیلئے کعب کے بارے میں اتنا ہی کافی ہے جتنا ہم کو چکے ہیں،

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ آج بھی ان اسرائیلیات کی تصدیق و تقدیس کرنے والے پائے

جاتے ہیں، اور جب ہم نے اس کی خامیاں ان پر آشکار کر دیں تو وہ ہمارے سامنے علم کا دھوکا
کرنے لگے خصوصاً اموی تو اس تعصب و حماقت کی بنا پر ہم نے ان پر طعن و تشنیع کی،

معاویہ سے کعب کے تعلقات اس کے مکرو سازش سے اسلام کو بچنے والے نقصان اور
رسولؐ کے ابن عم علیؑ کی شریعت سے جنگ کیلئے ان کا ہنوں کا ساری طاقتوں کے جمع کرنے کے بارے
میں یہ مثال تھی، اگر ہم اس کا ہن کی اسلام و مسلمین کے خلاف ہر سازش کو تفصیل سے بیان کریں تو اس کے
لئے ایک الگ کتاب کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم اسکے شاگرد اکبر ابو ہریرہ کے بارے میں لکھ چکے ہیں
ہیں یہ ہمیں بھولنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعب کے بارے میں فرمایا ہے:
وہ بڑا کذاب ہے،



حدیث میں مسیحیات

جب اسرائیلیات نے اپنے مفتریات سے آئین اسلام کی صورت بدل دی تو اس دین کو نقصان پہنچانے میں مسیحیات کا حصہ کیوں نہ ہوتا، ان مسیحیات کا سب سے بڑا موجد نیم بن اوس داری تھا، یہ یمن کے نصاریٰ میں سے تھا، اپنے قبیلہ کے ساتھ شام میں فلسطین کے علاقہ میں رہتا تھا، غزوہ تبوک کے بعد مشہد میں رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا۔ ابو نعیم کہتے ہیں: وہ اپنے زمانہ کا راہب اور اہل فلسطین کا بادشاہ سب سے پہلے اسی نے چراغ بنایا اور سب سے پہلے کپڑا کاٹا، رسولؐ کی صحبت اختیار کی اور آپؐ کی رکاب میں جنگ کی، مدینہ میں قیام پذیر رہا اور عہد عثمان میں شلم کی طرف ہجرت کی اور عہد خلافت علیؑ میں مشہد میں انتقال کیا،

روایات بیان کرتا تھا، جاسسہ، دجال، ابلیس، ملک الموت، جنت و جہنم کے قصے بیان کرتا تھا، ایسی روایات سے زمین بھر گئی، جیسا کہ دو تئوں، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ نے کیا تھا،

فارمین کو اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیے کہ اسرائیلیات کے بعد اسلام میں مسیحیات داخل

ہو گئے ہیں، کیونکہ اس میں ہر قوم و ملت کی مختلف چیزیں جمع ہو گئی تھیں،
لیکن ان چیزوں کے بیان کی گنجائش نہیں ہے جو کہ دین اسلام میں دوسری اقوام و ملل کی
داخل ہو گئی ہیں، اس کیلئے علیحدہ ایک کتاب کی ضرورت ہے،

حدیث جساسہ

تیسیم الداری نے جن مسیحات کو رواج دیا، وہ ان میں سے جساسہ، دجال، اور نزول
حضرت عیسیٰ کے قصہ کو رسولؐ سے بیان نہیں کیا تھا،
حدیث جساسہ کو مسلم نے اپنی کتاب میں متضاد طرق سے نقل کیا ہے، یحییٰ اولین مہاجر
میں سے ضحاک بن قیس کی بہن فاطمہ بنت قیس کے طریق سے ملاحظہ فرمائیں،
رسولؐ نے لوگوں کو جمع کرنے کے بعد فرمایا: خدا کی قسم میں نے تمہیں کسی شوق و خوف
دلانے کیلئے جمع نہیں کیا ہے، میں نے تو تمہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ تیسیم الداری ایکٹ نصرانی میرے
پاس آیا بیعت کی اور مسلمان ہو گیا اس نے مجھ سے بیان کیا: ہم نبیؐ خیم و جذام کے قبیلہ کے تیسیم
آدمیوں کے ساتھ ایک کشتی پر سوار تھے دریا میں طمانیہ لیا ایک ٹانگہ دریا کی موج کشتی سے کھلائی پھوڑا دیا ہمیں ایک
جزیرہ میں پہنچا دیا، یہاں تک سورج غروب ہو گیا، ہم لوگ جزیرہ میں داخل ہوئے تو وہاں ایک
زیادہ بالوں والا جانور دیکھا ہم نہیں سمجھ پائے کہ اس کا منہ اور دم کدھر ہے، تو کہنے لگے خدا تجھے سمجھے تو
کیا ہے ؟ اس نے جواب دیا: میں جساسہ ہوں پھر اس نے دیشین آدمی کی طرف اشارہ
کیا تو ہم لوگ دیر میں داخل ہو گئے تو ہم نے وہاں ایک بڑا ہی نحیم و نحیم اور مضبوط انسان دیکھا اس کے ہاتھ
گردن سے بندھے ہوئے تھے وہ گھٹنوں سے پاؤں تک بوجھ میں جکڑا ہوا تھا، جب وہ ان لوگوں

کے حالات سے مطلع ہوا اور یہ کچھ گیا کہ وہ عرب سے آئے ہیں تو اس نے ان سے کچھ سوالات کئے انہوں نے جواب دیئے یہاں تک کہ اس نے ان سے کہا مجھے یہ بتاؤ امیوں کے بنیٰ نے کیا کیا؟ کہا: وہ مکہ سے ہجرت کر کے یثرب چلے گئے، اس نے پوچھا کیا عربوں نے اس سے جنگ کی ہے —؟ ہم نے کہا: ہاں، اس نے کہا: عرب کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا —؟ ہم نے بتایا کہ عرب میں سے جو لوگ ان سے نزدیک ہو گئے ہیں، انہوں نے ان کے دلہیت لئے ہیں اور انہوں نے بھی ان کی اطاعت کر لی ہے، اس نے کہا: میں تمہیں اپنے بارے میں بتائے دیتا ہوں، میں مسیح ہوں، امید ہے کہ معتریب مجھے نکلنے کی اجازت ملے گی اور میں ننگلوں کا چالیس روز تکمیں زمین کی سیر کروں گا مکہ و طیبہ کے علاوہ چالیس راتوں میں ساری بستیوں کو سترنگوں کر دوں گا مکہ و طیبہ میرے لئے محترم ہیں، جب بھی میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونا چاہتا ہوں اسی وقت ایک ملک ہاتھ میں برہنہ تلوار لیکر میرے سامنے آتا ہے اور مجھے اس سے باز رکھتا ہے۔

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد رسولؐ نے منبر سے اسے برا بھلا کہا: اور فرمایا: یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے یعنی مدینہ ہے، لیکن ابو ہریرہؓ نے اس خبر میں بھی کچھ عجیب و غریب چیزیں شامل کئے بغیر نہ چھوڑا، چنانچہ اس نے کہا: جساہ کے دونوں سنگوں کے درمیان ایک فرسخ کا فاصلہ ہے، اس حدیث پر علامہ رشید رضاؒ نے حاشیہ لگایا ہے اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں: حدیث جساہ سے تیم الداری نے رسولؐ سے بیان کی تھی اسے سلم نے اپنی صحیح میں مرفوعاً ایسے طرق سے نقل کیا ہے کہ اس کے متن میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اس کے متن میں اختلاف کا باعث بعض صحیح روایت ہی ہیں اور اسے متعدد قصوں پر حمل نہیں کیا جاسکتا ہے، پھر رسولؐ کا تیم الداری سے روایت کرنے « اگر اس کی سند نقص سے محفوظ ہو تو » اس کو حدیث قرار دیتا ہے کہ اس کو بھی اس حدیث سے ملحق کر دیا جائے جو خود رسولؐ

نے بیان فرمائی ہو اور یہ سمجھا جائے کہ اس پر عمل کرنے کی رسولؐ نے اجازت دی ہے۔۔۔۔۔؟
 اس تیس کا یہاں کوئی محل نہیں ہے، پھر رسولؐ کو غیب کا علم نہیں تھا، آپؐ بھی تمام انسانوں کی
 طرح لوگوں کے کلام کو اگر اس میں شبہ نہیں ہوتا تھا تو صدق پر عمل کرتے تھے، چنانچہ بہت سے مقولوں
 پر آپؐ نے کفار و منافقین کی باتوں کی تصدیق کی ہے جیسے غنیمینؓ اور بشر معونہؓ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے
 ہاں رسولؐ بعض جھوٹے لوگوں کے کذب کو دھماکے کے ذریعہ یا دوسرے علمی ذرائع سے جانتے تھے، یا ثقہ افراد
 کی خبر اور دیگر شہری طرق علم کے ذریعہ جانتے تھے، انبیاءؑ کو دوسرے لوگوں پر جو ممتاز کرتی ہے، وہ وحی
 اور جھوٹ سے معصوم ہونا ہے اور وحی صرف دینی امور، تبلیغ، اسکے تحفظ اور اس کے لانے والے کی
 حفاظت کے بارے میں نازل ہوتی تھی اور پھر جھوٹے کی تصدیق کرنا جھوٹ نہیں ہے، اور قاری کے لئے
 اتنا ہی کافی ہے،

اور جب انبیاءؑ و مرسلینؑ کیلئے یہ جائز ہے کہ وہ اس چیز میں جھوٹے کی تصدیق کر سکتے ہیں
 جس سے امر دین میں خلل واقع نہ ہوتا ہو اور نہ اس پر حکم شرعی مترتب ہوتا ہو، اور یہ بات منصب رسالت

۱۔ عربینہ کے کچھ آدمی مدینہ میں رسولؐ کے پاس آئے اور سلمان ہو گئے، پھر کہنے لگے، اے اللہ کے رسولؐ ہم دودھ
 وغیرہ کھانے کے عادی ہیں یہاں کی غذا اس نہیں آتی ہے جس سے طبیعت نامزداتی ہے، رسولؐ نے انھیں اپنے
 اونٹوں کی چراگاہ بھیجی کہ وہ چراوے کے ساتھ اونٹ چرائیں اور ان کا دودھ پیئیں، چنانچہ چند ہفتے بعد ہی وہ تندرست ہو
 گئے لیکن اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے اور رسولؐ کے چراوے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو نہالے گئے، رسولؐ کو حادثہ
 کی اطلاع ملی تو آپؐ نے لوگوں کو ان کی تلاش میں بھیجا کہ وہ پکڑ گئے تو ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے اور انھیں یا
 ہی چھوڑ دیا جس سے وہ ہلاک ہو گئے، رطل، ذکوان اور بنی لیحان کے کچھ لوگ رسولؐ کے
 پاس آئے اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ سلمان ہو گئے، رسولؐ سے اپنی قوم کی ہدایت کے لئے
 مدد چاہی رسولؐ شترانصار کو ان کے ساتھ بھیج دیا جب یہ لوگ بشر معونہؓ نامی جگہ پر پہنچے
 انہوں نے دھوکہ دیا اور انھیں قتل کر دیا،

کے منافی نہیں ہے تو کیا عام لوگوں کیلئے اس چیز میں جھوٹے کی تصدیق جائز نہیں ہے کہ جس کے کذب پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو؟ اور جو شخص کسی چیز کی تصدیق کرتا ہے اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اسے کسی کی طرف نسبت دینے بغیر دوسرے سے نقل و بیان کر سکتا ہے۔

مرحوم رشید رضا حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے اور حضرت مہدی و دجال کے خروج کے بارے میں لکھتے ہیں ۱

حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے کے بارے میں صحیحین و سنن وغیرہ میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں ان احادیث میں سے اکثر علامات قیامت کے سلسلے میں ہیں جو کہ دجال سے متعلق احادیث سے مخلوط ہو گئی ہیں،

خصوصاً مہدی اور دجال کے سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث میں بہت اختلاف واضطراب اور تضارب ہے، ان کے مجموعہ کا لب لباب یہ ہے کہ یہودیوں نے ظہور کرنے والا دجال ہے بلکہ سب سے بڑا دجال ہے جیسا کہ تاریخ میں مذکور ہے، ظہور کرنے والا یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ مسیح ہے کہ یہود جس کے منتظر تھے، بہت سے لوگ اسکے دھوکے میں آجائیں گے اور اس کی زندگی کا آخری دنوں میں عیسیٰ ابن مریم مسیح ظہور کریں گے وہ دمشق کے مشرق میں منارہ "البیضا" نامی جگہ پر نازل ہوں گے اور دجال مسیح سے فلسطین کے نزدیک ملاقات کریں گے اور مسلمانوں و یہود کے درمیان طویل جنگ کے بعد جھوٹے مسیح دجال کو حقیقی اور سچے مسیح عیسیٰ بن مریم قتل کریں گے۔ اکثر نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نازل ہوں گے اور وہ صدر اسلام سے آج تک اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس عقیدہ کو مسلمانوں کے درمیان رائج کر دیں اور جن لوگوں نے اس چیز کو تفسیر میں داخل کر کے تفسیر کی اصلی صورت بگاڑنے اور اس کے ذریعہ خرافات کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے ان میں

۱۔ مجلہ المنارج ۱۹ ص ۹۹ و ۱۰۰

۲۔ مجلہ المنارج ۲۸ ص ۷۵۶

سے وہب بن منبہ اور اس کے بعد کب الاجار ہیں،

شیطان ہرنی آدم کو زخم لگاتا ہے

مسیحیات ہی سے وہ حدیث بھی ہے جس کو بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: شیطان آدم کے ہر بیٹے _____ یعنی ہر انسان کو _____ ولادت کے وقت اس کے پلو میں زخم لگاتا ہے، ہاں عیسیٰ ابن مریم کو زخم نہیں لگایا بلکہ حجاب میں شگاف دیا دوسری روایت میں ہے: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ فرماتے ہیں: جو انسان پیدا ہوتا ہے شیطان ولادت کے وقت اس کو چھوتا ہے اور وہ شیطان کے مس کرنے سے چھینے لگتا ہے، ہاں مریمؑ اور اسکے بیٹے کو شیطان نے مس نہیں کیا ہے،

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ہرنی آدم میں شیطان نے اس کی ولادت کے وقت زخم لگایا، سوائے عیسیٰؑ اور ان کی والدہ مریم کے شگاف کے وقت خدائے متعال حجاب حاصل کر دیا تو حجاب میں شگاف آیا ان کے بدن میں نہیں، اس حدیث ”ہرنی آدم کو شیطان زخم لگاتا ہے“ کی رو سے ”کہ جسکو جلیل انقدر صحابی نے رسولؐ سے سنا ہے“ شیطان کے زخم سے صرف عیسیٰؑ اور ان کی والدہ ہی محفوظ رہیں گے، اور بس یہاں تک کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور خاتم النبیین حضرت محمدؐ بھی اس سے محفوظ نہیں رہ سکتے، دیکھئے اور تعجب کیجئے۔

انہوں نے اس پر اکتفاء نہیں کی بلکہ ان کی روایتوں میں سے یہ بجا ہے کہ رسولؐ بھی شیطان کے شگاف لگانے سے نہیں بچے ہیں مگر جب آپؐ کے قلب کا پہلا آپریشن، جو کہ ملائکہ نے سونے کے آلات سے کیا تھا، بعض روایات میں ہے کہ آپؐ کا سینہ چاک کر کے سیاہ گلی اور شیطان کا ڈور نکالا تھا، کامیاب نہ ہوا تو پھر آپؐ کا سینہ چاک کیا گیا، چار پانچ بار آپؐ کا سینہ

شق کیا گیا، جیسا کہ وہ کہتے ہیں: پہلا آپریشن اس وقت ہوا جب آپ تین سال کے ہوئے، دوسرا دس سال کے میں اور تیسرا اس وقت ہوا جب آپ مسجوت بر رسالت ہوئے، چوتھا محران پر جاتے وقت، پانچویں کے بارے میں اختلاف ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ متعدد بار شق صدد کا باعث یہ تھا کہ آپ کے فضائل میں اضافہ کیا جاسکے۔

یہ آپریشن کا مسئلہ اس لئے وجود میں آیا تاکہ _____ بعض وجوہ سے _____ آپ کو عیسیٰ کے پھانسی والے آپریشن سے مشابہ کیا جاسکے جبکہ انہوں نے ایسا کوئی گناہ نہیں کیا تھا کہ جو ان کی پھانسی کا سبب بنتا لیکن وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کو پھانسی اس لئے دی گئی تاکہ خدا حضرت آدم اور ان کے بعد قیامت تک ہونے والی ان کی ذریت کے گناہ بخش دے، اور پھر یصلیب کا نشان ان سب کے گلے کا بار بن گیا: اور مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ اس بخشش سے اسی کو فائدہ پہونچے گا جو صلیب کا معتقد ہو گا۔

شاید اسی لئے مسلمان اپنے مسیحی بھائیوں سے کہتے ہیں: خدا اس سنگین وسیلہ کے بغیر آدم کی خطا کو کیوں معاف نہیں کریگا، کہ جس سے حضرت عیسیٰ کو پھانسی دی گئی ہے۔ نیز کہا جاتا ہے: خدا نے اپنے برگزیدہ رسول ص کا قلب ان بھائی انبیاء و رسلین کی طرح کیوں نہیں خلق کیا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے، آپ اس سے پاک و پاکیزہ ہیں کہ آپ کے سینہ کا چند بار شق کر کے سیاہ گئی اور شیطانی دُور انکا لا جائے،

خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ یہ کہاں چلے جا رہے ہیں، سودہ جرمیں ارشاد ہے: شیطان نے کہا: پالنے والے جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، اسی طرح میں بھی ان کیلئے زمین میں آراستگی کے اسباب فراہم کروں گا اور سب کو گمراہ کروں گا، مگر ان میں سے جن کو تو نے خالص بنالیا ہے، فرمایا:

یہی میرا سیدھا راستہ ہے میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا علاوہ ان کے جو گمراہوں میں سے تیری پیروی کرنے لگیں، حدیث کے در پر قرآن کے فرمان سے کیسے چشم پوشی کی جاسکتی ہے اور

متواتر حدیث کا، جو کہ مفید علم ہے، آحاد کے ذریعہ کیسے مقابلہ کیا جاسکتا —؟ آحاد تو فقط ظن کا فائدہ دیتی ہیں جبکہ یہ احادیث صحیح ہوں۔

شیطان کے شگاف لگانے والی اس حدیث پر زرخشتری نے اپنی کتاب ”مکشاف“ میں تنقید کی ہے، اس سلسلے میں فخر الدین راضی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: قاضی نے اس خبر پر تنقید کی ہے اور کہا ہے یہ خبر واحد ہے، دلیل کے خلاف وارد ہوئی ہے، لہذا اس کی تردید کرنا واجب ہے ہمارے چند وجوہ کی بناء پر یہ کہا ہے کہ دلیل کے خلاف وارد ہوئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے، جو شخص ضیہ و شتر کو جانتا ہے شیطان اسے شرکی طرف ہوتا ہے، اور بچہ ایسا نہیں ہے،

② اگر شیطان اس شگاف و مہر لگانے پر قادر ہوتا تو وہ صالحین کو ہلاک کرنے اور ان کی حالت تباہ کرنے کیلئے اور زیادہ یہ کام انجام دیتا،

③ حضرت عیسیٰ اور مریم ہی کو کیوں متنبی کیا ہے دیگر انبیاء کو کیوں متنبی نہیں کیا —؟

④ اگر اس میں شگاف لگتا تو اس کا اثر باقی رہتا اور انسان ہمیشہ آہ و فغان کرتا رہتا، ایسا نہیں ہے لہذا شگاف و مہر والا نظریہ باطل ہے،

ہمارے استاد اعلیٰ محمد عبده رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہمارے لئے یہ بات ثابت ہے کہ شیطان کا خدا کے مخلص بندوں پر کوئی اختیار نہیں ہے، اور مخلصین میں، انبیاء و رسلین سب سے افضل ہیں، اور حضرت عیسیٰ و جناب مریم کے بارے میں جو کہ وارد ہوا ہے کہ انہیں شیطان نے نہیں چھوا ہے اور رسول کو چھوا ہے اور ایسے ہی یہ حدیث کہ آپ کے قلب سے شیطان کا ڈورا نکالا گیا ہے تو یہ ظن اور حدیثیں ہیں کیونکہ طریقہ آحاد سے آئی ہیں، اور پھر اس کا موضوع عالم الغیب ہے اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے، اس میں ظن و گمان پر عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حق کے

اثبات میں ظن کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور ہمارے عقائد میں ان احادیث کے مضمون پر ایمان لانے کی تکلیف نہیں دی گئی ہے،

ابن جریج

ابن جریج رومی متوفی ۱۹۵ھ نے بھی دین اسلام میں اپنے دل کی چھپی ہوئی چیزیں پھیلانی ہیں، بخاری انہیں موثق نہیں سمجھتے تھے، اس سلسلہ میں بخاری حق پر تھے، تذکرۃ الحفاظ میں ذہبی لکھتے ہیں: وہ اصلی رومی تھا، نصرانی الاصل تھا اس کے بارے میں بعض علامہ نے کہا ہے: وہ حدیث گڑھا تھا اس نے نئے نئے عورتوں سے متوکھا تھا، جو مسیحیات اسلام میں نفوذ کرائے ہیں ان میں سے ایک رسول صکو عرش پر تمکین کرنا بھی ہے جب انہوں نے یہ دیکھا کہ عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ عرش پر جوار خدا میں تشریف فرما ہیں تو ان پر یہ گراں گزرا کہ محمد عرش پر تشریف فرما کیوں نہیں ہیں، لہذا انہوں نے اس سلسلہ میں ایک روایت گڑھ ڈالی، جسے ہم ابن قیم کی بدائع الفوائد جلد چار کے صفحہ ۳۹ و ۴۰ سے نقل کر رہے ہیں،

قاضی کہتے ہیں مروزی نے فضائل نبی کے موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں آنحضرت صکو عرش پر بٹھانے کو بیان کیا ہے، قاضی کہتے ہیں: یہ ابی داؤد ابی جعفر دمشقی صاحب بن راہویہ، ابو ایمن الحزبی عبداللہ بن امام احمد مروزی اور شبر الحافانی کا قول ہے، پھر پندرہ سے

۱۔ مسیحی لوگوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ صلیب دیئے جانے کے بعد جسم کے ساتھ اٹھائے گئے اور وہاں اپنے باپ کے پاس ہیں، رومانہ کے کیتھولک فرقہ کا جوہری عقیدہ ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی والدہ جناب مریم کو بھی ان کے جسد کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا ہے، انہیں موت نہیں آئی ہے،

زیادہ ان علماء کے اسماء بیان کئے ہیں جو اس کے قائل ہیں،
 میں ”ابن قیم“ نے کہا: یہ ابن جریر طبری کا قول ہے اور ان سب کے امام مجاہد
 ہیں یہ ابو الحسن دارقطنی کا قول ہے اس سلسلہ میں ان کے یہ اشعار بھی ہیں

حَدِیثُ الشَّعَامِ مِنْ أَحْمَدَ	ابن احمد المطفیٰ مسندہ
وَجَاءَ حَدِیثُ بَاقِعَادَہ	علی العرش ”ایضا فلا تجدہ
امرو الحدیث علی وجہہ	ولائد خلوا فیہ ما یفندہ
ولائتکروا نہ قاعدہ	ولائتکروا نہ یقعده

اب ہم آپ کے سامنے ایک مشرق جالند تسمیرہ کی کتاب العقیدہ والشریعت سے
 ایک اقتباس پیش کرتے ہیں،

اس میں عہد قدیم اور عہد جدید سے بہت سے جملے اور راہنیں کے اقوال ہیں اسی
 طرح جلی اناجیل فلسفہ یونان، ہندو فارس کے حکماء کے اقوال بھی اسلام میں حدیث کی طریق
 سے لئے گئے ہیں یہاں تک کہ نقطہ ”ابونار“ ابھی تک حدیث میں اپنی جگہ باقی ہے اور یہ چہرہ براہ
 راست یا غیر مستقیم طریقہ سے خاص اسلام کی ملکیت ہو گئی ہے اسی طرح اسلام میں دینی
 قصص کا بھی بہت بڑا خزانہ شامل ہو گیا ہے یہاں تک کہ اگر ہم حدیث کے مواد اور یہودیوں
 کے دینی ادب کا مطالعہ کریں تو یہ بتا سکتے ہیں کہ دین اسلام کے ادب میں یہ چہرہ ہودی مصادر
 سے آئی ہے،

یہ بات ہم نے دوسرے ایڈیشن میں ابن قیم سے نقل کی تھی لیکن بعد میں یہ معلوم ہوا کہ ابن قیم نے ابن جریر طبری
 کی طرف اس بات کی نسبت غلط دی ہے کیونکہ جریر طبری کی تاریخ میں آیا ہے کہ حکمو صاحب نجم الادب نے نقل کیا ہے کہ
 جب وہ طبرستان سے بغداد آئے تو ایک قوم نے ان سے تنصب کیا اور خاندانے عشر پر بٹھائے جانے کے بارے
 میں پوچھا تو انہوں نے کہا: عشر پر بٹھائے جانے والی حدیث محال ہے، پھر یہ شعر پڑھا: —————

ہم ان تمام چیزوں کی تحقیق نہیں کر سکتے جو کہ مسیحیات سے اسلام میں داخل ہوئی ہیں جو لوگ تفصیل کے خواہاں ہیں وہ تفسیر حدیث، تاریخ اور جالہ تسہیر جیسے شسترین کی کتابوں کا مطالعہ کریں اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے ہم آپ کے سامنے ابوہریرہ کی بیان کردہ وہ روایت پیش کرنا چاہتے ہیں جو کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے نزول کے بارے میں بیان کی ہے،

کہتے ہیں کہ قیامت کے علامات میں سے آسمان سے حضرت عیسیٰ کا نزول بھی ہے صحیحین وغیرہ میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: قسم اس ذات کی جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے قریب ہے کہ حاکم و عادل کے طور پر تم میں ابن مریم نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ کا حکم دیں گے بندہ کو قتل کر دیں گے اور اسلام کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں کریں گے اور کوئی نئی شریعت لیکر نہیں آئیں گے پھر حکم حضرت مہدی کے سپرد کر دیں گے اور مہدی ان کے اصحاب و اتباع کرنے والوں میں سے ایک ہوں گے ان کے تمام اعمال ان اعمال سے مشابہہ ہیں جو کہ حضرت مہدی کے بارے میں بیان کئے گئے ہیں۔

عمل نزول

آپ دمشق کے مشرق میں، منارۃ البیضاء کے پاس » دو ملاک کے پر ہاتھ رکھے ہوئے « نازل ہوں گے، سر جھکائیں گے تو قطرے کریں اور بلند کریں گے تو بوجہ موتی بھڑکیں

اذا واتی الی الرحمن واند
علی رغبہ صمفی انف حاسد
علی الاکباد من باغ وعاند
کذاک رواہ لیث عن جابر، ص ۵۵-۵۹

الاحمد منزل لاشک عال
فینذیرہ ویقعدہ کریماً
علی عرش یغلفہ بطیب
ہذا المقام الفرد حقاً

گے، تقریباً ظہر کے وقت نازل ہوں گے منبر پر تشریف فرما ہوں گے، مسلمان، نصاریٰ اور یہود، سجد میں داخل ہوں گے، دمشق کی مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ عصر کی نماز پڑھیں گے اور پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دجال کے تعاقب میں نکلیں گے ان کے لئے زمین سمٹ جائے گی، بیت المقدس پہنچیں گے اسے متعلق پائیں گے، جس کا دجال نے محاصرہ کر رکھا ہوگا۔

طبرانی اور ابن عساکر نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ دنیا میں چالیس سال رہیں گے، پھر مسلمان انھیں اپنے نبی کے پاس دفن کر دیں گے، ابن عمرؓ سے مرفوع طریقہ سے روایت ہے کہ عیسیٰ شادی کریں گے دو بیٹے پیدا ہوں گے ایک کا نام موسیٰ اور دوسرے کا نام محمدؑ ہوں گے اور دنیا میں ۴۵ سال زندہ رہیں گے پھر مرجائیں گے اور میری قبر میں میرے پاس دفن ہوں گے چنانچہ میں اوٹھیں اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک ہی قبر سے اٹھیں گے ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ دنیا میں ست سال رہیں گے اور دجال کو قتل کرنے کے بعد مدینہ جائیں گے قبر رسولؐ کی زیارت کریں گے حج کریں گے اور مدینہ میں ان کا انتقال ہوگا، ایسی ہی روایات ہیں جنہیں ہم نے بے فائدہ سمجھ کر چھوڑ دیا ہے،

کہتے ہیں: روایات سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ طلوع فجر کے وقت دمشق کے مشرق منارہ کے پاس نازل ہوں گے لیکن دوسری روایات میں نصف روز کیلئے بیان کیا گیا ہے مگر اہل علم کے نزدیک ایسے مشہور ہے کہ عیسیٰ حضرت مہدیؑ کی اقتدار میں صبح کی نماز پڑھیں گے نہ کہ عصر کی،

مروی روایات کی کثرت

گذشتہ بحث سے آپ اندازہ لگا چکے ہیں کہ حدیث گزشتہ جہنم کے بہت سے اسباب ہیں اور پھر اس کے دروازے صدیوں کھلے رہے جن سے ہر روز رنگ برنگی حدیثیں نکلتی ہیں جن کے گزشتہ جہنم کے گزشتہ جہنم کی طرف منسوب کرتے ہیں،

لیکن اس کے علاوہ رسولؐ کی طرف بے شمار حدیثوں کو منسوب کرنے کا سبب مال کی کثرت تھی یہاں تک کہ ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، دار قطنی لکھتے ہیں: حدیث میں صحیح کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کالے بیل کی کھال میں سفید بال ۱۔

اس کثرت میں علامہ کوپریشان کر دیا لہذا وہ گڑھی ہوئی حدیثوں سے پردہ اٹھانے کیلئے اٹھے ان میں سے ابن جوزی، سیوطی، صافانی اور ملا علی قاری وغیرہ زیادہ مشہور ہیں کثرت احادیث کے بارے میں ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں تعجب ہے، اگر ہم اسے مختلف الاضلاع کے نقشہ کی صورت میں پیش کریں تو تمام اضلاع کا نقطہ اتصال عہد رسولؐ ہوگا وہاں سے شروع ہو کر حدیث کا دامن پھیلتا ہی چلا گیا جبکہ ہونا اس کے برعکس چاہیے تھا کیونکہ رسولؐ کے صحابہ آپ کی حدیث کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے، پھر بعض صحابہ کی موت سے روایت حدیث میں کمی آتی چاہئے تھی کیونکہ رسولؐ سے روایت کرنے والے کم ہو گئے تھے لیکن ہم بنی عباس کے دور میں بنی امیہ کے عہد سے زیادہ احادیث دیکھتے ہیں،

بنی عباس کے دور میں حدیث کی تلاش میں لوگ شہروں شہروں سفر کرتے تھے جس کا اہم سبب حدیث کی ضخامت بڑھنا تھا چنانچہ یہود و نصاریٰ نے بھی احادیث میں بہت چیزیں داخل کر دیں نتیجہ میں حدیث تو رات اور اس کے تواشی اور کچھ نصرانی چیزوں سے معمور ہو گئی۔

ابو ہریرہ

اگر رسول کی احادیث کو دین میں وہی حیثیت حاصل ہوتی جو قرآن مجید کو حاصل ہے یعنی صرف اسی پر دین کا دار و مدار ہوتا، محض حدیث ہی سے لیا جاسکتا ہے، اور ہر مسلمان پر یہ واجب ہوتا کہ وہ اسے جائیں اور جو کچھ اس میں ہے اسکا اتباع کرے جیسا کہ قرآن کی آیات کا اقتداء کرتا ہے اور رسولؐ نے بھی اپنے اصحاب کو ان احادیث کو حفظ کرنے کا حکم دیا ہوتا کہ آپ کے بعد نافذ رہیں تو۔۔۔۔۔ اکثر صحابہ اس کی روایت کرتے اور دین میں ان کا بلند درجہ ہوتا، ایمان میں محکم ہوتے، علم میں ان کا اعلیٰ مرتبہ ہوتا۔۔۔۔۔ کم روایت کرنے والوں کا دین میں زیادہ روایت کرنے والوں سے مرتبہ کم ہوتا ان کے بعد علم و فضل کا درجہ ہوتا، ان ہی کے بعد اعتبار کی نوبت آتی، لیکن ہم اس کے برعکس معاملہ دیکھتے ہیں، جیسا کہ حدیث کی مشہور کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے، سب سے زیادہ بلند مرتبہ، رفیع المنزلت، دین کے علم میں بھاری بھر کم اور اس کو دوسروں سے زیادہ اہمیت دینے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے وہ صحابہ ہیں جن سے براہ راست احکام دین متعلق تھے جنہوں نے استاد اکبر سے احکام ملتے تھے جیسے خلفاء راشدین عشرہ مبشرہ کہ جن کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ جب دینا سے گئے تو ان سے راضی تھے یا انہیں جنت کی بشارت دی تھی یا جیسے مہاجرین و انصار میں

۱- ترغیب و تحریک منیر علی خان

اے میرے بھائی! اگر میں نے تجھے کبھی تک ایسا ہی نہیں کیا تو تو نے میری طرف سے کیا کیا؟
 اگر میں نے تجھے کبھی تک ایسا ہی نہیں کیا تو تو نے میری طرف سے کیا کیا؟

جہاں جہاں تہا

259'

[illegible][illegible][illegible]

نوی لکھتے ہیں: تیس اقوال میں سے کسی قول کی بنا پر ابو ہریرہ کا نام عبدالرحمن بن مخزوم تھا، ابن عبداللہ اپنی کتاب استیعاب میں لکھتے ہیں:

ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے ایسا اختلاف نہ جاہلیت میں تھا نہ عبدالسلام میں ہے، اس اختلاف کی بنا پر اس پر کسی چیز کے بارے میں اعتقاد کو ناصح نہیں ہے ان کے نام پر کینیت غالب آگئی ہے گویا کہ یہی نام ہے،

صاحب شکوۃ لکھتے ہیں: لوگوں نے ابو ہریرہ کے نام اور نسب کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف کیا ہے ان کے نام پر ان کی کینیت غالب آگئی گویا کہ ان کا کوئی نام ہی نہیں تھا اور ان کی کینیت اتنی زیادہ مشہور ہوئی کہ اصل نام فراموشی کی نذر ہو گیا کیونکہ اصلی نام کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے،

ہم صرف ان کی کینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، اس کینیت کا خود موصوف نے سبب بیان کیا ہے کہتے ہیں:

میں اپنے خاندان والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا، میری ایک چھوٹی سی بٹی تھی رات کو اسے درخت پر چھوڑ دیتا تھا دن میں اپنے ساتھ ساتھ جاتا تھا، اور اس سے کھیلتا رہتا تھا، اس بنا پر لوگوں نے مجھے ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا،

پروش اور اصل

جس طرح ابو ہریرہ کے نام کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اسی طرح وہ ان کی نشأت و پروش اور اسلام سے قبل ان کی تاریخ کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے ہیں صرف

اتنا ہی جانتے ہیں جتنا خود ابو ہریرہ نے اپنے متعلق بیان کیا ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی بٹی سے کھیلے تھے ،
محض فقیر تھے ، پیٹ بھر کھانے پر لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کی اصل کے بارے میں اتنا ہی
معلوم ہے کہ وہ قبیلہ سلیم بن فہم کی شاخ ازد سے پھر دوس سے تھے ،
اس سلسلہ میں خود ان کا قول ہے ، یتیموں کی طرح پلا ، غلسوں کی مانند ہجرت کی اور میں
اپنی خوراک کیلئے نوکری کرتا تھا ،

ابن قتیبہ اپنی کتاب "المعارف" میں ابو ہریرہ کے حالات میں ان کے نام کے بارے میں
اختلاف کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں : کہ وہ یمن کے ایک قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے ، ان کی عبارت
کا ترجمہ اس طرح ہے :

ابو ہریرہ کہتے ہیں :
میں یتیموں کی طرح پلا غلسوں جیسی ہجرت کی پیٹ بھر کھانے پر بسرۂ بنت غزو ان
کے یہاں نوکری کرتا تھا ان کے ساتھ رہتا تھا ، جب ان کا قافلہ اترتا تھا تو میں ان کی خدمت کرتا تھا اور
جب روانہ ہوتا تھا تو میں حدیٰ خوانی کرتا ، انکے اونٹوں کو بھگاتا ، تھا ، وہ مجھے اسی بنا پر
ابو ہریرہ کہتی تھیں کہ میں ایک چھوٹی سی بٹی سے کھیلتا تھا ،

ان کا مدینہ آنا اور خیبر جانا

ابو ہریرہ اپنی عمر کے تیس سال گزرنے کے بعد مدینہ آئے رسولؐ اس وقت غزوہ خیبر میں
تھے جو کہ سورہ میں واقع ہوا تھا ،

طبقات الکبریٰ میں ابن سعد لکھتے ہیں : جب رسولؐ منہ خیبر میں تھے اس وقت
دوس قبیلہ کے لوگ آئے ان میں ابو ہریرہ بھی تھے رسولؐ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : غنیمت میں ابو ہریرہ
کو بھی شامل کرو تو انہوں نے شریک کر لیا وہاں سے لوٹنے کے بعد وہ ناداری و مغلصی کی بنا پر اصحاب

صغیر میں شامل ہو گئے اور مدینہ میں قیام کے دوران صفحہ ہی میں رہے، یہ چیز تعارف کی محتاج نہیں ہے

رسولؐ سے مصاحبت کا سبب

ابو ہریرہؓ رسولؐ سے اپنی مصاحبت کے سبب صداقت و صراحت کے ساتھ بیان کرتے تھے، اس سلسلہ میں ایسے ہی سچے تھے جیسے اپنی پرورش و نشوونما کے بارے میں صادق تھے، انہوں نے یہ کہا: کہ میں نے رسولؐ کی محبت و ہدایت کیلئے آپؐ کی صحبت اختیار کی تھی جیسا کہ دیگر مسلمان نے کیا تھی، وہ کہتے ہیں کہ: انہوں نے اپنا پیٹ بھرنے کیلئے رسولؐ کی صحبت اختیار کی تھی،

احمد اور یحییٰ نے سفیان سے، زہری سے، عبد الرحمن اعرج سے روایت کی ہے، کہ انہوں نے کہا: میں نے ابو ہریرہؓ سے سنا کہ وہ کہتے تھے: میں ایک فقیر آدمی تھا اپنا پیٹ بھرنے کی غرض سے رسولؐ کی مصاحبت اختیار کی ہے،

مسلم کی روایت میں ہے کہ اس نے رسولؐ کی خدمت کرتا ہوں، ایک اور روایت میں ہے کہ: بشکم سیری کی وجہ سے صحبت اختیار کی ہے،

مسلم کی روایت میں ہے کہ: میں ایک فقیر آدمی تھا اپنا پیٹ بھرنے کی خاطر رسولؐ کی خدمت کرتا تھا، مسلم ہی کی روایت میں ہے کہ: میں پیٹ پالنے کے لئے رسولؐ کے ساتھ لگا رہتا تھا، تاریخ میں ثبت ہے کہ وہ بہت پر خور و خشک خوراک تھے، روزِ رسولؐ کے گھریا کسی صحابی کے گھر کھاتے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ اسی وجہ سے ان سے آنکھ چراتے تھے، بخاری نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں کسی شخص سے کہتا: فلاں آیت سنائیے جبکہ وہ مجھے یاد دہوتی، لیکن اسی طرح اس سے میں کھانا چاہتا تھا،

فقیروں کیلئے سب سے بہترین آدمی جعفر بن ابی طالب تھے وہ ہمیں اپنے گھمے جاتے تھے اور جو حاضر ہوتا کھلاتے تھے،

ترمذی نے ان ہی سے روایت کی ہے کہ: جب میں جعفر سے کسی چیز کا سوال کرتا تھا وہ جواب نہیں دیتے تھے تو میں اسی طرح ان کے گھر تک پہنچ جاتا تھا اسی نے جعفر ابوہریرہ کی نظر میں نام صحابہ سے افضل ہیں، یہاں تک کہ جعفر کو انہوں نے ابو بکر، عمر، و علیؓ اور عثمان وغیرہ پر بھی مقدم کر دیا ہے،

ترمذی و حاکم اپنی صحیح اسناد سے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول کے بعد پیادہ چلنے والوں اور سواروں میں کوئی بھی جعفر بن ابی طالب سے افضل نہیں تھا۔

حلوہ کاشیدا

ابوہریرہ کو ”شیخ المصیرہ“ حلوہ کاشیدا، لقب ملا تھا، مصیرہ ایک قسم کا حلوہ ہے، علامہ کتاب اور حرار کی توجہ کی بنا پر تمام حلوؤں سے زیادہ اس کو اہمیت حاصل ہو گئی ہے وہ اسے نادر چیز سمجھتے رہے اور اسی کی وجہ سے صدیوں تک ابوہریرہ پر طعن کرتے رہے ابوہریرہ کے بارے میں ان کے بعض اقوال ملاحظہ فرمائیں،

”ثعلابی اپنی کتاب ”شمار القلوب فی المضاف والنسب“ میں لکھتے ہیں: ”شیخ المصیرہ: ابوہریرہ، جو کہ اپنے فضل اور رسولؐ سے مخصوص تھے بہت مزاح کرنے والے اور پر خود تھے، مردان بن حکم نے انھیں مدینہ کا حاکم بنادیا تو وہ گدھے کی پیٹھ پر عرق گیر ڈال کر سوار ہوئے

ایک شخص نے دیکھا تو کہنے لگا راستہ سنا چھوڑ دو! امیر آپ ہیں ... طب کا دعویٰ کرتے تھے ...
 ثنائی ان کا طب کا کچھ حال بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کھانے سے ان کے پیٹ کا درد ختم ہو
 جاتا، شکم پری سے دو کرتے، پھر کہتے ہیں: ان کو مضیرہ، حلیم، دلو بہت پسند تھا، چنانچہ معاویہ
 کے ساتھ، شوق سے، کھاتے اور جب نماز کا وقت آتا تو حضرت علیؓ کی اقتدار میں نماز اور
 جب اس سلسلہ میں ان سے کچھ کہا جاتا تو کہتے: معاویہ کا طوہ مزے دار و مطر ہے اور علیؓ کی اقتدار
 میں نماز میں لطف آتا ہے، اسی لئے انھیں شیخ المضیرہ کہا جاتا تھا، اپنی بات کو ان دو اشعار پر
 ختم کیا ہے جو کہ شاعر ابوہریرہ کی ہجو میں کہے تھے، انھیں قلم انداز کرتے ہیں،

بدیع الزماں بھائی نے اپنے مقامات میں سے ایک میں شیخ المضیرہ کے حالات قلم بند
 کئے ہیں اور اس میں ابوہریرہ کے محبوب بہت ہی افسوسناک صورت میں بیان کئے ہیں،
 لکھتے ہیں،

عسلی بن ہشام نے ہم سے بیان کیا کہ: میں بصرہ میں تھا میرے ہمراہ ابو الفتح الاسکندری
 ایسا فصیح آدمی تھا، فصاحت و بلاغت میں ماہر تھا اس کے ساتھ ہم ایک تاجر کے یہاں دعوت میں
 گئے تھے ہمارے سامنے حلیم لایا گیا جو تہذیب تھی آسودہ حال تھا، آفات سے بری ہونے کا غاڑ
 تھا، یہی حلیم معاویہ کی خلافت کی گواہی دیتا تھا، ہمارے استاد امام محمد عابدہ اس کی شرح میں لکھتے
 ہیں: حضرت علیؓ ابن ابی طالبؓ کی بیعت ہو جانے کے بعد معاویہ نے خلافت کا دعویٰ کیا،
 حضرت علیؓ کی حیات میں اسکو چنور اور شہوت پرست لوگوں کے علاوہ کوئی بھی خلیفہ تسلیم
 نہیں کر سکتا تھا اور اگر یہ حلیم جو کہ معاویہ کا کھانا تھا، لوگوں سے اس کی خلافت کی گواہی دیتا
 اگرچہ شرعی خلافت کے تحت زندہ ہی ہوتے، درحقیقت معاویہ کی خلافت کی گواہی یہ حلیم ہی دیتا
 تھا کیونکہ کھانے والوں کو خلافت کی گواہی دینے پر مجبور کرنا تھا اور امامت و خلافت کے ایک
 ہی معنی ہیں، چارائے کی اساس میں ہے کہ علیؓ غسلی کے ساتھ آسودہ معاویہ سے بہرہ ہیں،
 ابو نعیم نے، حلیم میں تحریر کیا ہے: ابوہریرہ خانہ کعبہ کا طواف کرتے رہتے اور کہتے

رہتے ولے ہومیرے پیٹ پر جب میں اسے پرکھ دیتا ہوں تو مجھے سانس نہیں لینے دیتا اور جب اسے بھوکا رکھتا ہوں تو مجھے برا بھلا کہتا ہے، ابن کثیر نے اپنی کتاب الہدایہ والنہایہ میں لکھا ہے: کہ اس ”پیٹ“ نے مجھے کمزور کر دیا ہے،

اور نصابی کی خاص الخاص میں ہے:

ابو ہریرہ کہتے تھے:

میں نے گمراہی میں سے تیرے شوہر کو نہیں سونگھی ہے اور کھجور پر پڑے ہوئے مکھن سے زیادہ اچھا سوار نہیں دیکھا ہے،

ابو ہریرہ نے کھانے کو مروت قرار دے دیا تھا، ان سے پوچھا گیا کہ مروت کیا ہے؟
 کہا: اللہ کا تقویٰ امور کی اصلاح اور صبح و شام کے رنگ برنگ کے کھانے ہوں،
 اس موضوع سے متعلق ہم نے بہت سی باتیں چھوڑ دی ہیں کیونکہ بعض سے بعض لوگوں کو تکلیف ہوگی،

حدیث زرفنا تزد جہا،

ایک روز رسولؐ نے ابو ہریرہ سے فرمایا: کئی روز کے بعد ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے جبکہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کیلئے بہترین ادب سکھانے والے تھے اور سدا اپنی حکمت سے سیراب کرتے تھے اور اپنی سیرت سے اپنے اخلاق کو ان کے دل میں ستھر کرتے تھے اور رسولؐ کے لئے یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ بعض لوگوں کو ہر وقت اپنے پاس رکھیں اور ابو ہریرہ کو اپنے پاس آنے سے مذکورہ بیچ سے منع کر دیں، دوسرے اپنے بہترین ادب سے نوازیں اور انھیں چھوڑ دیں یقیناً اس کا سبب یہ رہا ہوگا کہ رسولؐ نے ابو ہریرہ سے فرمایا: اے ابو ہریرہ تم کل کہاں تھے؟
 کہنے لگا میں نے اپنے خاندان کے لوگوں سے ملاقات کی تھی تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ابو ہریرہ کئی روز کے بعد ملاقات کیا کرو کہ اس سے محبت بڑھتی ہے،

ابو حیان نو حید نے اپنی کتاب ”الصدائق والصدیق“ میں تحریر کیا ہے کہ:

ابو ہریرہ کہتے تھے :

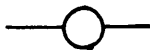
عرب کا یہ کلمہ زرغباً نزد جثا، استعمال ہوتا تھا کہ یہی کلمہ ایک روز رسولؐ نے مجھ سے فرمایا :

عسجدی کہتے ہیں کہ : اس جملہ کو عام پر حمل نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے موارد ہیں کہ جہاں اس کا کہنا واجب ہے، کیونکہ ملاقات کرنے والا اس کا مستحق ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ رسولؐ ابو بکر اور علی ابن ابی طالبؓ وغیرہ سے یہ جملہ نہیں فرماتے ہیں لیکن ابو ہریرہ اس کے مستحق تھے، ان بعض انتباہات کی وجہ سے کہ انھیں الگ رکھنا ضروری تھا،

ابو ہریرہ کے دو انتباہات ذکر وری کہ جن کی بنا پر عسجدی نے ان پر طعن کیا ہے یہ تھی کہ وہ کھانے کیلئے صحابہ کے گھروں میں پڑے رہتے تھے اسی لئے بعض صحابہ ان سے اعراض کرتے اور ان سے احتراز کرتے تھے، اس لئے رسولؐ نے یہ چاہا کہ انھیں ملاقات کا سلیقہ اور گھروں پر آنے جانے کے آداب سکھادیں لہذا عربی کی ضرب انھیں زرغباً نزد جثا، ان سے بیان کی ورنہ رسولؐ ہمیشہ اپنے اصحاب کو ادب سکھانے اور حسن خلق سے آراستہ کرنے کے پابند تھے،

ان کا مزاج اور بکواس

ابو ہریرہ کے مورخین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضول و بیہودہ باتیں کرتے تھے لوگوں کے پاس جاتے اور انھیں اپنی ہی گفتگو سے سرشار کرتے اور انھیں اپنی طرف مائل کرنے کیلئے عجیب و غریب باتیں سناتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے جو کچھ روایات کی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں، ان کے بارے میں عائشہ کہتی ہیں : وہ بکواس کرنے والا آدمی ہے۔



ان کے ساتھ محفل

لوگ ان کی روایات اور ندرت بیان کا مذاق اڑاتے تھے، چنانچہ ابو رافع سے مرہا ہے کہ قریش میں سے ایک آدمی حلقہ پہنے اور اس پر غرور کرتے ہوئے ابو ہریرہ کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ابو ہریرہ تم رسولؐ سے بہت حدیث بیان کرتے ہو، کیا تم نے میرے حلقہ کے بارے میں بھی رسولؐ سے کچھ سنا ہے؟ کہنے لگے میں نے ابو النعاس سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے: تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص اپنے حلقہ پر غرور کر رہا تھا کہ اللہ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک اس میں دھنسا رہے گا خدا کی قسم میں نہیں جانتا شاید وہ تمہاری قوم یا تمہارے قبیلہ سے تھا۔

اس شخص کے سوال ہی سے واضح ہے کہ اس نے استفہام کیلئے معلوم نہیں کیا تھا بلکہ ابو ہریرہؓ سے محفل کر رہا تھا کیونکہ اس نے موصوف سے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کو رسولؐ کی احادیث یاد ہیں! بلکہ اس نے یہ کہا کہ تم رسولؐ کی بہت حدیث نقل کرتے ہو، حکایت کا سیاق بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ابو ہریرہ سے تسخر کر رہا تھا۔

ان کی احادیث کی کثرت

رجال حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ ابو ہریرہؓ نے تمام صحابہ سے زیادہ رسولؐ کی حدیثیں نقل کی ہیں جبکہ رسولؐ کے ساتھ وہ ایک سال اور نو ماہ سے زیادہ نہیں رہے۔

ابو محمد بن حزم نے تحریر کیا ہے کہ مسند تقی بن مخلد ابو ہریرہ کی ۵۳۷۲ حدیثوں پر حاوی ہے اس مسند سے بخاری نے ۴۴۶۱ نقل کی ہیں جیسا کہ بخاری نے نقل کیا ہے،
 خود ابو ہریرہ اپنے متعلق کہتے ہیں: کہ مجھ سے زیادہ اصحاب رسول میں سے کسی نے حدیث بیان نہیں کی ہیں، مگر عبداللہ بن عمرو نے مجھ سے زیادہ بیان کی ہیں کیونکہ وہ لکھ لیتے تھے میں لکھتا ہوں تھا، اگر ہم ان لوگوں کی تحقیق کریں کہ جنہوں نے ابن عمرو سے روایت کی ہے تو وہ ابن جوزی کے پاس مسند احمد میں ۱۲۷۱ ملیں گی بخاری نے ان سے سات اور مسلم نے ۲۰ حدیثیں نقل کی ہیں،
 ابو ہریرہ کو زیادہ روایت کرنے سے عربی خطاب نے ڈرایا اور درجے لگائے اور ان سے کہا:

اے ابو ہریرہ تم زیادہ روایت کرتے ہو، تم رسول پر جھوٹ باندھتے ہو پھر انہیں دھمکایا اور ان سے کہا: اگر تم رسول کی طرف سے حدیثیں نقل کرو گے تو تمہیں تمہارے شہر واپس بھیج دوں گا،

ابن عساکر نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے: یا تو تم رسول سے حدیثیں نقل کرنا چھوڑ دو ورنہ تمہیں سرزمین دوس پر پہنچا دوں گا، چنانچہ عمر کی وفات اور ان کے درہ کے ختم ہو جانے کے بعد ابو ہریرہ کی احادیث کی کثرت ہو گئی، کیونکہ ان کے بعد ابو ہریرہ کو کسی کا خوف نہیں تھا اس سلسلہ میں خود کہتے ہیں: جو حدیثیں میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں اگر انہیں عمر کے زمانہ میں بیان کرتا تو وہ مجھے درجے لگاتے ایک روایت میں ہے کہ میرا سر توڑ دیتے،
 زہری نے ابو مسلم سے روایت کی ہے کہ میں نے ابو ہریرہ سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: ہم قال رسول اللہ نہیں کہہ سکتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے عمر کو اٹھالیا پھر کہا: کیا میں عمر کی حیات میں تم سے ان حدیثوں کو بیان کر سکتا تھا۔۔۔۔۔۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ میری پشت پر دسے پڑنے لگتے کیونکہ عمر یہ کہتے تھے کہ قرآن میں مشغول رہو کہ قرآن کلام خدا ہے،
 اس سلسلہ میں فقہ محدث سید رشید رضا کہتے ہیں: اگر کوئی ایسی زندگی ملے کہ

ابو ہریرہ ان کے حسین حیات مر جاتے تو ہمارے پاس اتنی کثیر تعداد میں حدیث نہ پہنچتیں، مشکل احادیث کے بارے میں کہتے ہیں ان میں سے کسی حدیث، پر اصول دین کی کسی اصل کا اثبات موقوف نہیں ہے ۷

روایت کی کثرت کیونکر جائز ہوئی

ابو ہریرہ رسولؐ سے بے پناہ روایت کرنے کو اس حد تک جائز جانتے ہیں جب تک حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ کیا جائے کیونکہ ان سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور انہوں نے اپنے اس احسان کی ان احادیث کے ذریعہ تائید کی ہے جن کو نبیؐ کی طرف منسوب کیا ہے، ان میں سے بعض طبرانی نے "کبیر" میں ابو ہریرہ سے نقل کی ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: اگر تم حرام کو حلال نہ کرو اور حلال کو حرام نہ گردانوا اور منی سمجھا دو تو کوئی حرج نہیں ہے، نیز کہا: کہ انہوں نے رسولؐ سے سنا: جس شخص نے خدا کی رضا کیلئے حدیث بیان کی تو وہ حدیث میری ہے خواہ میں نے بیان بھی نہ کی ہو، اسے ابن مساکن نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، طاوی نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: جب تمہارے سامنے مجھ سے کوئی حدیث بیان کی جائے اگر تم اسے نیکی سمجھو اور برائی نہ سمجھو تو اس کی تصدیق کرو، خواہ وہ میں نے بیان کی ہو یا نہ کی ہو کیونکہ میں وہی کہتا ہوں جو نیک ہوتا ہے برا نہیں ہوتا، اور جب تمہارے سامنے میری کوئی حدیث بیان کی جائے جسے تم برا سمجھو نہ کہ نیک تو اسے جھٹلاؤ کیونکہ میں بری بات نہیں کہتا ہوں ۸

۱۔ مجملہ المنار ج ۱ ص ۸۵۱،

۲۔ المنار ج ۱۹ ص ۱۰۰،

۳۔ المواتعات لاشاطبی ج ۲ ص ۳۳،

یہ اور ایسی ہی دوسری روایات نقل کی گئی ہیں جبکہ رسول ص نے یہ فرمایا ہے: جس شخص نے مجھ سے وہ چیز نقل کی جو میں نے نہیں کہی تھی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جب روایت میں تال میل ہونے لگا تو عمر اس حدیث کو بیان کرنے پر مجبور ہوئے،

ابو ہریرہ کی تدلیس

علم حدیث کا قول ہے کہ ابو ہریرہ حدیث میں تدلیس کرتے تھے اور تدلیس جیسا کہ علامہ اس کی تعریف کی ہے، یہ ہے کہ راوی اس شخص سے روایت کرے جسے دیکھا تو ہو لیکن اس سے سنی نہ ہو، یا اس کا ہم عصر ہو لیکن اس سے ملاقات نہ کی ہو اور یہ وہم کہ اس میں نے شیخ سے یہ روایت سنی ہے، تدلیس کی بہت سی قسمیں ہیں اور تدلیس کی ساری قسمیں مذموم ہیں، علامہ کی ایک جماعت نے تدلیس کو مکروہ جانا ہے، شعبہ تدلیس کے سب سے زیادہ سخت مخالف تھے یہاں تک کہ انہوں نے کہا: میرے نزدیک زنا تدلیس سے کم درجہ کی برائی ہے، نیز کہا: تدلیس جھوٹ ہی جیسی ہے، حافظ سے منقول ہے کہ جس نے جرح کی اور راوی کی تدلیس کو پہچان لیا تو مطلق طور پر اس کی روایت کو رد کر دینا چاہیے اگرچہ وہ حفظ اتصال کے ذریعہ ہی بیان کرے، اور اگرچہ یہ جانتا ہو کہ اس نے ایک ہی مرتبہ تدلیس کی ہے جیسا کہ اس پر ثنائی نے نص کی ہے،

مسلم بن الحجاج نے بسربن سعد سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ سے ڈرو! اور حدیث بیانی سے بچو! خدا کی قسم ہم نے ابو ہریرہ کو پاس بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ رسول ص سے حدیث نقل کرتے ہیں اور ہم سے کعب الاحبار کی حدیثیں سناتے ہیں، بعض کو متنا بیان کرتے ہیں رسول ص کی

۱ شرح الفیہ سیوطی للشیخ احمد شاہر م ۱۳۵ھ

۲ شعبہ بن حجاج امام اہل الحدیث رحمہم میں بصرہ میں وفات پائی ہے،

7 2 1 2 1

۱۰۰ م ۲۷ ج ۲۸

ۛۛۛۛۛۛۛ

[illegible]

۱۰۵۱ الحیدر اہل تشیع - خبر قتلہ ۱۰۵۱

۱. چنانچه در این کتاب آمده است که هر کس که در این کتاب
 ۲. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۳. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۴. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۵. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۶. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۷. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۸. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۹. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند
 ۱۰. این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند و در این کتاب را بخواند

[illegible]

ابوہریرہ کو عمر، عثمان، اور حضرت علیؓ نے جھوٹا قرار دیا ہے، اور اسی وجہ سے ”جیسا کہ مصطفیٰ صادق رافعی نے کہا ہے، ابوہریرہ سب سے پہلے راوی ہیں جو اسلام میں متہم ہوئے اور جب ان سے عائشہ نے کہا: تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو جو تم نے رسولؐ سے نہیں سنی ہے تو انہوں نے ان کو ایسا جواب دیا کہ جس میں کوئی ادب و وقار نہیں ہے کہا: ”جیسا کہ ابن سعد، بخاری اور ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے“ آپ کو صرف آئینہ اور سرمہ دانی ہی رسولؐ سے کچھ نہیں سننے دیتے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ کو سرمہ دانی اور خضاب رسولؐ کی باتیں سننے سے نہیں روکا ہے، لیکن میں آپ کے مشغلہ سے واقف ہوں،

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد لوٹ آئے اور گواہی دی کہ عائشہ ان سے زیادہ علم والی ہیں اور انہیں آئینہ و سرمہ دانی نے مشغول نہیں رکھا ہے، اسلئے کہ جب انہوں نے یہ روایت بیان کی جس نے جنب کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ نہیں ہے، ”تو عائشہ نے جھٹلایا اور کہا: رسولؐ بغیر احتلام کے فجر تک جنب کی حالت میں رہتے تھے اور پھر غسل کر کے روزہ رکھتے تھے اور ابوہریرہ سے کہلوا یا کہ آئندہ رسولؐ سے اس حدیث کو نقل نہ کرنا، ان کے سامنے ابوہریرہ کو سپر انڈا حتمہ ہونا پڑا اور کہا: وہ مجھ سے اعلم ہیں اور یہ حدیث میں نے رسولؐ سے نہیں سنی تھی بلکہ فضل بن عباس سے سنی تھی، وہ میت پر بلائے گئے لوگوں کو یہ وہم تھا کہ انہوں نے رسولؐ سے حدیث سنی ہیں، جیسا کہ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف النہیث میں لکھا ہے،

اور ان کے بارے میں حضرت علیؓ کی رائے بالکل ٹھیک ہے فرماتے ہیں:

آگاہ ہو جاؤ یہ سب سے زیادہ جھوٹا ہے، یا فرمایا: زندہ لوگوں میں رسولؐ پر سب سے زیادہ جھوٹ باندھنے والا ابوہریرہ ہے، اور جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ ابوہریرہ یہ کہتے ہیں کہ

میرے حبیب نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے تو فرمایا: رسولؐ کب تمہارے دوست تھے؟ اور جب ابوہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی، جو بھی تم میں سے نیند سے بیدار ہوا اسے طرف میں ہاتھ ڈالنے سے قبل اپنے ہاتھوں کو دھو لینا چاہیے کیونکہ تم سے کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ کہاں تھا، عائشہ نے اسے ٹھکڑا دیا اور کہا: تو ہم مہراش سے کیسے پانی لیں گے،

جب زہیر نے ان کی احادیث سنی تو کہا سچ ہے کہ جھوٹ بولتا ہے۔
ابو حسان اعرج سے مروی ہے کہ دو آدمی عائشہ کے پاس آئے اور کہا: ابوہریرہؓ رسولؐ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ: ”عورت، چوپایوں اور گھربد فالی کے اسباب ہیں، غصہ عائشہ کا رنگ اڑ گیا اور کہا: قسم اس ذات کی جس نے ابوالقاسم پر قرآن نازل کیا، جس نے رسولؐ سے یہ حدیث نقل کی ہے اس نے جھوٹ کہا ہے، رسولؐ نے تو یہ فرمایا تھا: کہ زمانہ جاہلیت والے یہ کہتے تھے، چوپایوں، عورتوں، اور گھربد فالی ہے، عائشہ نے یہ آیت پڑھی ”ما اصاب من مصیبة فی الارض والافی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبأھا“
ابو مسعود نے ابوہریرہؓ کو جھٹلایا ان کا قول تھا جو کسی میت کو غسل دے اور جو اسے اٹھائے اسے وضو کر لینا چاہیے، اس سلسلہ میں بہت بات کہی اور پھر کہا: اے لوگو! اپنے مردوں سے نجس نہ ہونا۔

محمد بن حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں صحابہ میں قضات مفتیوں میں سے ابو بکر عرقمان، علیؓ اور عبداللہؓ کی تقلید کرتا ہوں اور ان کے خلاف اپنی رائے دہی کو جائز نہیں سمجھتا ہوں لیکن اشخاص کی مخالفت کو جائز سمجھتا ہوں ایک روایت میں ہے تمام صحابہ کی تقلید کرتا ہوں اور ان کے خلاف اپنی رائے دہی کو جائز نہیں سمجھتا ہوں۔
یہ بڑے بھاری پتھر کا پانی کا ظرف ہے جسے بہت سے افراد بھی حرکت نہیں دے سکتے ہیں،

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۹

۲۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۱۲۶ و ۱۲۷

۳۔ جامع بیان العلم ج ۲ ص ۸۵

مگر بین افراد ” انس بن مالک ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب “ کی مخالفت جائز سمجھتا ہوں، اس سلسلہ میں ان سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا: انس کی تو آخری عمر میں عقل خراب ہو گئی تھی اور اس حال میں بھی ان سے استفسار کیا جاتا تو وہ اپنی عقل سے فتویٰ دیتے تھے اور میں ان کی عقل کی تقلید نہیں کرتا ہوں، لیکن ابوہریرہ ہر سنی ہوئی چیز کو اس کے معنی میں شامل کرے بغیر اور ناسخ و منسوخ کو سمجھے بغیر نقل کیا کرتے تھے۔

ابو یوسف نے روایت کی ہے کہ میں نے ابو حنیفہ سے کہا: ہمارے پاس ایسی خبر و حدیث آئی ہے جو کہ ہمارے قیاس کے خلاف ہے تو اس کا ہم کیا کریں؟ اگر تقدیر لوہوں کے ذریعہ آئی ہے تو ہم اس پر عمل کریں گے اور قیاس و رائے کو چھوڑ دیں گے، میں نے کہا: ابو بکر و عمر کی روایت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

یہ دونوں تمہارے لئے کافی ہیں۔

میں نے علی و عثمان کے بارے میں پوچھا تو کہا: وہ بھی ایسے ہی ہیں، پھر کہا: چند اشخاص کے علاوہ تمام صحابہ عادل ہیں اور ان اشخاص میں سے ابوہریرہ و انس بن مالک کا نام لیا، ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے اصحاب ابوہریرہ کی بیان کردہ احادیث کو نظر انداز کر دیتے تھے، اعمش نے ان سے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ کی ہر حدیث کو وہ قبول نہیں کرتے تھے، ثوری نے منصور ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ وہ ابوہریرہ کی کل احادیث کو قبول نہیں کرتے تھے، مگر یہ کہ وہ جنت یا جہنم کی صفت یا عل صاحب کی ترغیب یا شر سے ہنسی کے بارے میں ہوتی تو قرآن میں آیا ہے۔

ابو ثمامہ نے اعمش سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابراہیم صحیح حدیث بیان کرتے تھے چنانچہ جب میں ”راوی“ کوئی حدیث سنا تھا تو اسے ان کے سامنے پیش کرتا تھا، ایک روز

۱۔ کتاب المومل لابن شامہ، ص ۳۱ و ۳۲، البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۰۹، ۲۔ لوگ انہیں حدیث کی کسوٹی کہتے تھے،

میں ان کے پاس ابو ہریرہ سے منقول ابوصالح کی حدیث لایا تو انہوں نے کہا: ابو ہریرہ سے مجھے محاف رکھو! انہوں نے ان کی بہت سی حدیثیں نظر انداز کی ہیں، ابو جعفر اسکا فی کہتے ہیں:

ہمارے شیوخ کے نزدیک ابو ہریرہ پسندیدہ نہیں ہیں ان کی روایات بھی قبول نہیں ہیں، عمر نے انہیں مارا تھا اور ان سے کہا تھا: تم بہت حدیث بیان کرتے ہو یقیناً تم رسول پر جھوٹ باندھتے ہو۔

ابن اثیر کہتے ہیں: ابو ہریرہ کی روایت لوگ ان کی کثرت کی بنا پر شک کرتے ہیں کثرت روایت کی بنا پر صحابہ ابو ہریرہ کو جھٹلاتے تھے، کیونکہ کثرت کے ساتھ اختلاف ناگزیر ہے جب قلیل بیان کرنے والا اس سے دو چار نہیں ہوتا ہے، رشید کی مجلس میں مصراۃ کا مسئلہ چھڑ گیا تو اس سلسلہ میں لوگوں میں اختلاف ہو گیا یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں تو بعض نے ابو ہریرہ کی حدیث سے حجت قائم کی تو بعض نے حدیث کو رد کر دیا اور کہا: ابو ہریرہ جو روایت کرتے ہیں اس میں وہ منہم ہیں، رشید نے بھی اسکی تائید کی۔

ابو ہریرہ کعب الاحبار سے حدیث لیتے ہیں

علامہ حدیث نے، روایت اصحاب من التابعین یا روایت اکابر من الاصاغر والے

۱۔ شرح بیج البلاغ ج ۱ ص ۳۶۰،

۲۔ انشال السائر ص ۸۱،

۳۔ مصراۃ اس اوننی یا گائے کو کہتے ہیں کہ جس کا دودھ تھن میں جمع کیا جائے دو با نہ جائے تاکہ خرید زیادہ دودھ والی سمجھ کر خریدے،

باب میں بیان کیا ہے کہ ابوہریرہ عباد اللہ، معاویہ اور انس وغیرہ نے کعب الاحبار سے جو بظاہر بیان اور باطناً یہودی تھا، روایت کی ہے، ابوہریرہ تمام صحابہ سے زیادہ کعب کے فریب میں آگئے تھے، اس پر اعتماد کرتے اس سے اور اس کے بھائیوں سے روایت کرتے تھے جیسا کہ وہ سب سے زیادہ حدیث بیان کرتے تھے، تحقیق سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کعب الاحبار اپنی چالاکी و زیرکی سے ابوہریرہ پر ان کی سادہ لوحی کی بنا پر چھپا گیا تھا تاکہ ان پر غالب آجائے اور ان پر چھپا جائے اور انہیں جو چاہے سمجھا دے تاکہ وہ دین اسلام میں اوہام و خرافات کو جاری کر دے، اس سلسلہ میں کعب عجیب و غریب طریقوں کو بروئے کار لائے،

ذہبی نے طبقات الحفا میں — ابوہریرہ کے حالات میں — روایت کی ہے کہ کعب نے ابوہریرہ کے بارے میں کہا: مجھے توریت کا مطالعہ نہ کرنے والوں میں ابوہریرہ سے بڑا توریت کا عالم نہیں ملا ہے، ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کاہن کس طرح ابوہریرہ کو آرام کرتا ہے، تاریخ ابوہریرہ سے واضح ہے کہ وہ سادہ و غفلت زدہ آدمی تھے ابوہریرہ کو کیا معلوم کہ توریت میں کیا ہے وہ توریت کو نہیں جانتے تھے اور اگر جانتے بھی تھے تو اس کا مطالعہ نہیں کر سکتے کیونکہ توریت عبری زبان میں تھی اور ابوہریرہ عربی بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جاہل محض اور ان پڑھ تھے، پڑھ سکتے تھے نہ لکھ سکتے تھے، جو چیز آپ کو کعب کی چالاکी کا پتہ دیتی ہے یہ ہے کہ اس نے ابوہریرہ کو اثنا عشر کی کہ وہ اس کاہن کے کلام کو نفص کے ساتھ پیش کرنے لگے اور اس کی باتوں کو رسول کی مرفوع حدیث بنادیا مشتبہ از خروار ملاحظہ فرمائیں،

بزرگ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے دن چاند و سورج جہنم میں ابلتے پھریں گے، حسن نے پوچھا: ان کی کیا خطا ہے؟ کہا: میں نہیں رسول اللہ کی حدیث سنا رہا ہوں تم پوچھتے ہو کہ ان کی کیا خطا ہے _____ ۹۔
یہی چیز انہیں کعب نے بتائی تھی ابو یعلیٰ موصلی نے روایت کی ہے کہ کعب نے

کہا: چاند و سورج کو دوزخی بیلوں کی صورت میں لایا جائے گا اور جہنم میں ڈل دیا جائے گا اور انہیں پوچھنے والے انہیں دیکھیں گے ۱۔

حاکم نے مستدرک میں اور طبرانی نے، ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: خدا نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ میں اس مرغ کا قصہ بیان کروں جس کے دونوں پیر زمین پر اور منقار ۲ چوڑخ ۳ عرش کے نیچے ہے اور وہ کہتا ہے، سبحانک ما اعظم شأنک ...، یہ بھی کعب ہی کا قول ہے، وہ کہتے ہیں: اللہ کا ایک مرغ ہے اس کی متار عرش کے نیچے اور نیچے زمین کے نیچے ہیں، چنانچہ جب وہ بانگ دیتا ہے تو سارے مرغ بانگ دیتے ہیں اور وہ کہتا ہے: سبحان القدوس الملک الرحمن لا الہ الا ۴

ابو ہریرہ نے روایت کی ہے کہ رسول نے فرمایا: نیل، سیحون و حیون اور فرات جنت کی نہریں ہیں، بالکل یہی چیز کعب نے بیان کی ہے وہ کہتا ہے خدا نے دنیا میں جنت کی چار نہریں جاری کی ہیں اور وہ ہیں، چنانچہ نیل جنت میں شہد کی نہر ہے اور فرات جنت میں شرب کی نہر ہے اور سیحون جنت میں پانی کی نہر ہے اور حیون جنت میں دودھ کی نہر ہے،

ابن کثیر اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ یا جوج و ما جوج کا قصہ ابو ہریرہ کی حدیث میں ہے ان کی عبارت کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے: احمد نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے یا جوج و ما جوج ہر روز دیوار کو منہدم کرتے ہیں اور یہاں تک کہ انہیں سورج کی شعاع نظر آ جاتی ہے تو وہ لوگ جو ان پر مہیں کہتے ہیں: پلٹ جاؤ، وہ اگلے دن پھر دیوار کھودتے ہیں اور پھر لوٹ جاتے ہیں۔ اس روایت کو احمد نے کعب سے نقل کیا ہے، ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ روایت ابو ہریرہ نے بھی کعب ہی سے لی تھی کیونکہ ان کی کعب کے ساتھ بہت نشست و برخاست تھی وہ انہیں حدیث سناتے تھے، اسی طرح ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں متعدد مقامات پر ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو کہ انہوں

نے کعب سے لی تھیں، صحیحین میں ابو ہریرہ کی حدیث ہے بے شک اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر خلق کیا ہے اور یہ چیز تورات میں عہد قدیم میں بیان ہوئی ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے: خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے انسان اللہ کی صورت پر پیدا ہوا ہے،

ابو ہریرہ رسولؐ کی صفت کے بارے میں کہتے ہیں: رسولؐ بد خلق تھے نہ کسی کو برا جھلا کہتے تھے اور نہ بازار میں شور مچاتے تھے اور بالکل ہی کلام کعب کا ہے جیسا کہ ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں،

مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے:

رسولؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ نے شبہ کے دن مٹی کو پیدا کیا، اتوار کے دن اس پہاڑ کو پیدا کئے اور دو شبہ کو درخت پیدا کئے منگل کے روز کو وہ چیزیں پیدا کیں بدھ کے روز نور خلق کیا، جمعرات کے دن اس میں چو پائے چلائے اور آخر میں جمعہ کے روز عصر کے بعد جمعہ کے آخری لمحات میں آدم کو خلق کیا،

احمد و نسائی بھی اس حدیث کو اسی طرح ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے،

بخاری و ابی کثیر وغیرہ نے کہا ہے بے شک یہ حدیث ابو ہریرہ نے کعب الاجبار سے لی ہے کیونکہ یہ قرآن کی نص کے خلاف ہے قرآن میں ہے، کہ زمین و آسمانوں کو چھ دن میں پیدا کیا ہے اس سے عجیب بات تو یہ ہے کہ ابو ہریرہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے رسولؐ سے یہ حدیث سنی اور آپؐ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر یہ حدیث بیان کی میں ان گولوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس علم حدیث ہے ”وہ اس مشکل کو حل کریں،

ان کے قواعد کے لحاظ سے حدیث کی سند صحیح ہے و اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے اور صرف اس بات کی تصریح ہی نہیں کی ہے کہ ابو ہریرہ نے رسولؐ سے حدیث سنی بھلا ہے بلکہ یہ گمان بھی کیا ہے کہ رسولؐ نے ابو ہریرہ کا ہاتھ

پکڑ کر یہ حدیث سنائی اور ائمہ حدیث نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ کعب الاحبار سے مانو ذہے اور قرآن مجید کے خلاف ہے، ایسی روایت کے صریح جھوٹ ہونے اور رسولؐ پر بہتان باندھنے میں کوئی شک نہیں ہے، اس پر کیا حکم لگایا جاسکتا ہے؟ کیا یہ رسولؐ کی اس حدیث ”جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے“ کے حکم کے تحت آتی ہے؟ کیا کوئی اس حدیث کے راوی ہی کو خارج کرے گا؟ خدایٰ قسم اس حدیث کے بارے میں، جو کہ حقیقت کا انکشاف کرتی ہے، میں ان کے علم کا نیاز مند ہوں، ابوہریرہ کی احادیث کی تصدیق کرنے میں احتیاط واجب ہے ابوہریرہ کو راکم کرنے اور ان کی سادہ لوحی سے چالاک کعب الاحبار نے اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ دین اسلام میں وہ جو خرافات و زینخ و مزینخ باتیں پھیلانا چاہتا تھا وہ ابوہریرہ کو بھروسہ بنا کر روایت کرتے تھے تو یہ ابوہریرہ کی تصدیق کرتا تھا اور یہ سب اس لئے تھا تاکہ ان اسرائیلیات پر زور دیا جاسکے اور انہیں مسلمانوں کے عقول سے قریب کیا جاسکے، گویا ابوہریرہ نے اصل روایت کی ہے جبکہ حقیقت وہ کعب الاحبار کی روایت ہوتی تھی، آپ کے سامنے اس سلسلے میں ایک مثال پیش کر کے اس بحث ان احادیث کے نقل کرنے کو جنکی ابوہریرہ نے رسولؐ سے روایت کی ہیں، کو ختم کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ وہ اسرائیلیات ہیں،

امام احمد ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا:
جنت میں ایک درخت جس کے سایہ میں سوار سو سال تک چلتا ہے اگر آپ چاہیں تو ظل ممدود، پڑھیں،

ابھی ابوہریرہ اس حدیث کو مکمل نہیں کر پائے تھے کہ کعب نے غلبت کی اور کیا: سچ کہتے ہیں: قسم اس ذات کی جس نے موسیٰؑ پر توریت اور محمدؐ پر فرقان نازل کیا ہے اگر ایک شخص ناقہ یا چو پائے پر سوار ہو اور پھر اس درخت کے سایہ کو طے کرے تو اس کو تمام کرنے سے پہلے ہی بوڑھا ہو جائے گا، اسے خدانے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے اور اس میں اپنی روح بھونکی ہے اس کی

شاخیں جنت کے پردوں کے پیچھے ہیں اور جنت کی ہر نہر اس درخت کی جڑ سے نکلی ہے، کعب و ابو ہریرہ ایسے خرافات کی نشر و اشاعت میں ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ اس خبر کو وہب بن منبہ نے بھی بیان کیا ہے، شائقین تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیں،

اسرائیلیات ولی فصل میں جو کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں ایسی احادیث بہت زیادہ ہیں جب یہ روایت لگئی ہے کہ رسولؐ نے فرمایا: تم میں سے کسی پیپ و خون سے پیٹ بھر دیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا جائے، عائشہؓ کہتی ہیں اس «راوی» کو حدیث یاد نہیں رہی آپؐ نے یہ فرمایا: کہ جو یہ شعر سے بہتر ہے،

دو ظروف کی حفاظت

بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی کہ میں نے رسولؐ سے دو ظروف حفظ کئے ہیں ان میں سے ایک تو میں نے خالی کر دیا ہے لیکن اگر دوسرے کو رواج دیتا تو میری گردن مار دی جاتی، یہ روایت اس حدیث کے معارض ہے جس کی تقریباً کیاں الفاظ میں بیجا امتناع علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپؐ سے سؤل کیا گیا: کیا آپؐ کے پاس کوئی کتاب ہے؟ فرمایا: نہیں! ہمارے پاس کتاب خدا اور اس فہم کے علاوہ جو کہ مسلمانوں کو عطا کیا گیا ہے اور اس صحیفہ میں جو کچھ ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے، اس طرح ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے برخلاف ہے جو کہ بخاری نے عبد الحمز بن رفیع

۱۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۱۳ و ۵۱۴،

۲۔ جماعت سے مراد احمد بخاری و سلم اور اصحاب سنن ہیں،

سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں :
میں نے ورثہ دار بن معتل نے ابن عباس سے ملاقات کی شداد نے ان سے کہا : کیا
رسولؐ نے کوئی چیز چھوڑی ہے ؟ کچھ نہیں چھوڑا سوائے اس کے جو کہ دو دنیاؤں
کے درمیان ہے ،

اگر کوئی اور ایسی چیز ہوئی کہ جو رسولؐ نے اپنے خواص میں سے کسی کو عطا کی ہوئی اور تمام
اصحاب سے مخفی رکھی ہوئی تو اس کے لئے علیؑ سب سے زیادہ سزاوارتھے ، اس لئے کہ آپؐ نے آنحضرتؐ
کے گھر پرورش پائی ، علیؑ رسولؐ کے چا زاد بھائی تھے ، سب سے پہلے اسلام لائے ، آپؐ کے
داماد بنے ، سفر و حضر میں آپؐ کے ہمراہ رہے ، جنگ تبوک کے علاوہ تمام جنگوں میں
آپؐ کے ساتھ رہے اور اس وقت رسولؐ نے آپؐ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو
علیؑ نے کہا : کیا آپؐ مجھے بچوں اور عورتوں کا خلیفہ مقرر فرما رہے ہیں ؟
آپؐ نے فرمایا : کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کیلئے ہارونؑ
تھے ؟ ہاں میرے بعد کوئی بنی نہیں ہوگا ۔

بخاری اور ترمذی نے بھی اس کی روایت کی ہے ،
بیشک علیؑ اس کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہیں اور اگر علیؑ نہیں تو ابوبکر صدیقؓ
یا عمر یا ابوعبیدہ یا آپؐ کے قاری و بھوسچا زاد بھائی زبیر یا خدیجہؓ کے بعد آپؐ کی چہتی بیوی
عائشہ یا عاقلہ یا ام سلمہ یا ابن مسعودؓ کے جن کے بارے میں رسولؐ نے فرمایا : تم اس کے سزاوار ہو
کہ پردے ہٹا دیئے جائیں اور میرے اسرار سے باخبر ہو جاؤ ، ہم وقت رسولؐ کے ساتھ رہتے
تھے جب کوئی بھی آپؐ کے اہل بیت میں سے آپؐ کو نہیں دیکھتا تھا یہ اس وقت بھی ساتھ رہتے
تھے تمام صحابہ کے درمیان وہ صاحب و سواد و سولو کے نام سے مشہور تھے ،

مذکورہ اشخاص تمام گروں سے زیادہ اولیٰ تھے کہ رسولؐ ان سے وہ بات بتائیں جو
تمام اصحاب سے مخفی رکھنا چاہیں کیونکہ ممکن ہے کوئی بات ایسی ہو جسے آپؐ اپنے خواص میں سے

کئی کوتاہی، ابوہریرہ کو نہ پسند کہ رسولؐ انہیں اپنا راز دار بناتے اور اپنے معلم اصحاب و احباب اور اپنے قریبی سے مخفی رکھ کر انہیں راز کی باتیں بتائیں۔

ابوہریرہ میں کوئی ایسی فضیلت نہیں تھی کہ جس سے وہ رسولؐ سے قریب ہوتے اور رسولؐ کی رحلت کے بعد بھی صحابہ کے کسی طبقہ میں ان کا شمار نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ سابقین و اولین میں سے تھے نہ مہاجر تھے نہ انصار سے ان کا تعلق تھا اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا ہے نہ رسولؐ سے دفاع کرنے والے شعراء میں سے تھے نہ مفتی تھے نہ قاریوں میں سے تھے نہ ان کی فضیلت میں رسولؐ سے کوئی حدیث نقل ہوئی ہے اسکے بارے میں صرف اتنا نقل ہوا ہے کہ وہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔

ابوہریرہ بنی امیہ کے دوست

ابوہریرہ کی تاریخ سے جو کچھ ہم نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اس سے آپ یہ سمجھ گئے کہ وہ پیٹ بھرنے کی غرض سے رسولؐ کے صحابی بنے تھے جیسا کہ خود ابوہریرہ نے بارہا اس کا اعتراف کیا ہے، ناداری کی وجہ سے صفحہ کو اپنی پناہ گاہ بنالیا تھا وہاں دیگر افراد کی طرح کھلتے یا رسولؐ یا کسی صحابی کے گھر کھانا کھاتے تھے۔

جس کی یہ حالت ہوگی وہ لامحالہ عام صحابہ میں شامل ہوگا اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی رسولؐ اور ابوبکر و عمر کے زمانہ میں ان کی یہی حالت رہی ہاں عثمان کے زمانہ میں وہ گوشہ نشینی سے اٹھ کر ظاہر ہوئے اور مخفی ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے آئے،

۱۔ بخاری وغیرہ جلیل القدر صحابہ کے فضائل کے سلسلے میں فصل قائم کی ہے لیکن ان میں کہیں ابوہریرہ نظر نہیں آتے ہیں،

اور جب حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان جنگ چھڑی یا یہ کہئے کہ جب ہاشمیوں اور امیوں میں عسکر آرائی مہولی اور مسلمانوں میں تفرقہ پڑ گیا جبکہ رسولؐ اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں تفرقہ نہیں تھا تو ابو ہریرہؓ اس طرف گئے جد ہران کی طبیعت کا میلان تھا جو ان کے ہوائے نفسانی کے موافق تھا یعنی معاویہ کے پاس چلے گئے کہ وہاں بادشاہت کے اسباب و وسائل عیش و نشاط اور مال و دولت تھی، حضرت علیؑ کی طرف زہد فقر اور بھوک تھی اور جس شخص نے ابو ہریرہؓ کی سی زندگی گزائی ہو اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ اس راستہ سے بہت جائے تو علیؑ کی طرف لے جاتا ہے اور معاویہ کی طرف جانے والا راستہ اختیار کر لے تاکہ رگین اور گونا گوں قسم کے کھانوں سے اپنا پیٹ بھرے اور اس سے معاویہ کی بخشش و عطا اور امداد سے اپنا مقصد پورا کرے،

کیونکہ ابو ہریرہؓ کے فقر وفاقہ کی یہ حالت تھی کہ کٹش کھا کر گریختے تھے اور لوگ ان کی گردن پر پیر رکھ کر چلے جاتے تھے کیا وہ بنی امیہ کی طویل و عریض اندکین کھانوں سے سچے ہوئے ان کے کسترون کو چھوڑ کر زاہد و فادار حضرت علیؑ کی طرف آسکتے تھے کہ جن کی خوراک سوکھی رہتی تھی۔ یہ طبیعت انسان کیلئے بڑی سخت منزل ہے اس سے تو وہی بچ سکتا ہے جسے خدا محفوظ رکھے اور ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے۔

بنی امیہ ابو ہریرہؓ کے احسانات کو اچھی طرح جانتے تھے اور ان کی محبت و خلوص کی قدر کرتے تھے انھیں اپنی بخشش و عطا یا اور امداد و لطافت میں غرق کر دیا تو دیکھتے ہی دیکھتے انکی مغلسی مالدار میں بدل گئی، تنگ زندگی خوشحالی میں فقر و ثروت میں بدل گیا جبکہ اس سے قبل وہ ایک کھل سے اپنا جسم چھپاتے تھے اور اب سہرین لباس پہنے لگے،

۱۔ ابو ہریرہؓ کا قول ہے "جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے" میں نے اپنی کھلی اتاری اور آپؐ کے سامنے بچادی تو اس پر جوں بیل سی ہے، یہ کھلی ان کی گردن سے پڑا لیکن تھی دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بدن چھپاتے تھے۔
۲۔ جو چیز آخری عمر تک ابو ہریرہؓ کے فقر و تنگ دستی پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب عمرؓ انھیں کچھ خلافت

جب بنی امیہ کی ابوہریرہ کی مدد و احسان پر نظر پڑی تو انہوں نے پہلی فرمت میں انکے مددگار سب بن ارطاة کو مدینہ کا گورنر بنادیا جبکہ پہلے معاویہ نے اسے اہل جازک کی طرف بھیجا تھا جہاں اسے اہل جاز، ان کے اموال و اولاد سے کھیل کھیلا، اسی طرح معاویہ کی طرف سے ابوہریرہ نائب مروان مدینہ کا حاکم تھا، پھر ابوہریرہ پر مزید انطاہ و غلبات بڑھے تو اسکے لئے عقیق کا محل تعمیر کیا اور انھیں عقیق و ذوالکلیفہ کی زمین دی گئی اسی پر اکتفا نہ کی بلکہ امیر عقبہ بن غزو ان کی بہن بسرة بنت غزو ان سے ان کی شادی کر دی جبکہ مغلسی کے زمانہ میں ابوہریرہ پیٹ بھر کھانے پر اس کی خدمت کرتے تھے۔

جب ان کے جھوٹ اور حرص و طمع نے انھیں نجات دلائی تو اس محترم عورت سے بے ادبی اور پاجی پن سے پیش آئے، چنانچہ اس عورت سے شادی کرنے کے بعد کہ جس کا موصوف کے ذہن میں کبھی خطور بھی نہیں ہوا ہوگا، کہتے ہیں: بسرة بنت غزو ان کی پیٹ بھر کھانے پر ملازمت کرتا تھا جب وہ سوار ہوتے تھے تو میں انھیں سیراب کرتا تھا اور جب پڑاؤ ڈالتے تو میں ان کی خدمت کرتا تھا اب میں نے اسی مالکہ سے شادی کر لی ہے اب میں سوار ہوتا ہوں اور جب اترتا ہوں تو وہ میری خدمت کرتی ہے، نیز کہتے تھے: جب وہ کسی اچھی جگہ دیکھتی تو اتر لیتی اور کہتی جب تک تم عسید نہیں بنا کر کھلاؤ گے میں یہاں سے کوچ نہیں کروں گی، اور اب میں اس کی جگہ ہوں « یعنی مالک ہوں » لہذا اس سے کہتا ہوں: جب تک تم مجھے عسید نہیں بنا کر کھلاؤ گی میں ایسے ہی رہوں گا،

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ ابوہریرہ نے کہا: میں پیٹ بھر کھانے پر اس کی

تانون چیرود کے اڑکاب کی بنا پر بحرین سے بلایا جو کہ ان کے معزول ہونے کا سبب بنیں، انھیں اس میں بحرین کا گورنر بنایا تھا، اور ان سے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں اس وقت بحرین کا گورنر مقرر کیا تھا جب تمہارے پیروں میں جوتی بھی نہ تھی،

ملازمت کرتا تھا... اور وہ مجھے یہ زحمت دیتی کہ میں کھڑے ہو کر انھیں سوار کروں اور عزت سے اتاروں، اور جب حملے سے میری بیوی بنایا تو میں نے اسے یہی زحمت دی کہ وہ مجھے کھڑی ہو کر سوار کرے اور عزت سے ولہ کرے،

ابو ہریرہؓ نے تلوار سے جہاد کے ذریعہ اور اپنے مال سے معاویہ کی مدد نہیں کی تھی، ان کا جہاد صرف یہ تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان ایسی حدیں پھیلائیں جن سے علیؓ اور ان کے انصار کی ہتک ہوتی ہو اور لوگوں کو ان سے علیؓ سے بدظن کریں اور معاویہ اور اس کی حکومت کو حکم کریں۔

ابو ہریرہؓ نے عثمان و معاویہ اور ان کے قریبی عزیز خاندان ابوالعاص اور عام بن ابیہ کی فضیلت میں حدیثیں بیان کی ہیں، یہ سچی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے: محاصرہ کے زمانہ میں ابو ہریرہؓ عثمان کے گھر پہنچے اور ان سے لب کشائی کی اجازت طلب کی انہوں نے اجازت دے دی تو کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ: آپؐ نے فرمایا: غنقریب تم میرے بعد فتوں میں مبتلا ہو جاؤ گے کسی نے عرض کی: تو ہمیں کیا کرنا چاہیے اے اللہ کے رسولؐ؟ کیا ہمارے لئے کوئی حکم ہے؟ فرمایا: تم امین اور اسکے اصحاب کی مدد کرنا اس سے عثمان کی طرف اشارہ تھا، اس حدیث کو احمد نے بہت ہی اچھی سند کے ذریعہ نقل کیا ہے، اور جب عثمان نے قرآن کی نسخہ برداری کا کام شروع کیا تو ابو ہریرہؓ ان کے پاس

پہنچے اور کہا:

آپؐ منزل پر پہنچے اور کامیاب ہوئے میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: میری قوم میں سے مجھ سے وہ قوم شدید محبت کرے گی۔ تو میرے بعد آئے گی، ایمان لائے گی جب کہ

اسے مجھے نہیں دیکھا ہے، ورق مطلق پر عمل کرے گی یہاں تک کہ مصاحف کو دیکھے گی، راوی کہتا ہے اس بات سے عثمان بہت خوش ہوئے اور ابوہریرہ کو دس ہزار "دینار" دینے کا حکم دیا۔

یہ حدیث بھی موصوف کے غائب میں سے ایک ہے، کیوں نہ ہو وہ ابن الوقت تھے جو کچھ انہوں نے معاویہ کی فضیلت میں گڑھا ہے اس میں سے ایک روایت وہ ہے جسکو خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے، رسولؐ نے معاویہ کو ایک تیر دیا اور فرمایا: یہ تیرے لواحق ساتھ مجھ سے جنت میں ملاقات کرنا،

ابن عساکر، ابن عدی، اور خطیب بغدادی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسولؐ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا: وحی پر خدا نے تین کو امین بنایا ہے، مجھے، جبرائیل و معاویہ کو دوسری روایت ابوہریرہ ہی سے منقول ہے کہ امین تین ہیں جبرائیل میں اور معاویہ،

ابوہریرہ نے حسن و جمال میں مشہود عائشہ بنت طلحہ کی طرف دیکھا اور کہا: سبحان اللہ! خدا کی قسم میں نے تم سے حسین جہرہ نہیں دیکھا مگر ممبر مڑ سہل سے معاویہ کا جہرہ دیکھا، جو تم سے زیادہ حسین ہے،

اس سلسلہ میں اور بہت سی حدیثیں ہیں بنی امیہ کی مدد کرنے میں وہ اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ بنی امیہ کے کارندے جس چیز کا بھی مطالبہ کرتے تھے ابوہریرہ اسی پر لوگوں کو اکساتے تھے اور انہیں برا بھلا کہنے سے منع کرتے تھے،

۱۔ البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۲۰،

۲۔ عقد الفرید ج ۶ ص ۱۰۹،

عاج راجز کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوہریرہ نے کہا: آپ کا تعلق کہاں سے ہے۔۔۔؟ میں نے کہا میں عراقی ہوں، کہنے لگے قریب ہی خدمت گار آئیں اور تمہارا صدقہ لیں، جب وہ آئیں تو انھیں وہ دیدینا جب اسے رکھنے لگیں تو اس سے دور ہو جانا، اسے اور انہیں چھوڑ دینا خبردار انہیں برا بھلا نہ کہنا اور تم نہ برا بھلا کہو تو تمہارا اجر ضائع ہو جائے گا اور وہ تمہارا صدقہ بھی لے جائیں گے اور اگر صبر کیا تو وہ قیامت کے روز تمہارے میزان میں آجائے گا۔

حضرت علیؑ کے خلاف ان کی حدیث تراشی

ابو جعفر اسکا کہتے ہیں: معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو حضرت علیؑ کے خلاف ایسی قبیح حدیث گڑھنے پر مامور کیا کہ جن سے آپ پر طعن و تشنیع کی جاسکے اور لوگ آپ سے بیزار ہو جائیں اور اس کام کی ان کیلئے اجرت مقرر کی چنانچہ اس نے بھی ایسی حدیثیں تراشیں جس سے معاویہ راضی ہو جائے ان ہی حدیث گڑھنے والوں میں سے ابوہریرہ عمرو بن عاص وغیرہ بنی شیبہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر بھی تھے،

اعش نے روایت کی ہے کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ساتھ عام الجماعت والے سال عراق پہنچے تو مسجد کوفہ میں آئے جب انہوں نے اپنے استقبال کرنے والوں کا جم غفیر دیکھا تو دوڑا انوں پیٹھے اور کہا: اے عراق والو! کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر جھوٹ باندھتا ہوں؟ اور خود کو لوگ میں جلاتا ہوں خدا کی قسم میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

۱۔ اشعر و اشعر مولف ابن قتیبہ ص ۵۷۲، ۲۔ شرح نہج البلاغہ ج ۱ ص ۱۳۵۸

۳۔ جس سال امام حسن مسلمانوں کی جان بچانے کے لئے حکومت سے دست بردار ہوئے اور معاویہ حاکم بنا اس سال کو عام الجماعت کہتے ہیں وہ حقیقت عام الفرت ہے،

ہر بنی کا ایک حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ میں عیر سے ٹورینگ ہے اور جس نے میرے حرم میں کوئی گناہ کیا اس پر خدا ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ نے اس میں جرم کیا ہے جب معاویہ نے ان کی یہ بات سنی تو انھیں انعام و اکرام سے نوازا اور مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

واضح ہے کہ حق کے سبھی پرستار محدود نہیں ہو جاتے ہیں جہاں صحابہ میں ابوہریرہ جیسے افراد تھے کہ جن پر معاویہ نے تسلط پیدا کر لیا تھا وہاں ان میں ایسے لوگوں کی کثرت تھی کہ جن پر معاویہ کا جادو کاگر نہیں ہوا تھا اور نہ انھیں اس کا خوف متاثر کر سکا تھا، سفیان ثوری نے عبدالرحمن بن القاسم سے انہوں نے عمر بن عبدالغفار سے روایت کی ہے کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ہاتھ مدینہ آئے تو وہ عشاء کے وقت باب کندہ پر بیٹھتے تھے اور لوگ ان کے پاس جمع ہوتے تھے، اسی آثار میں کوفہ سے ایک جوان آیا اور اس نے کہا: اے ابوہریرہ میں تمہیں خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کہ کیا تم علی ابن ابی طالبؑ کیلئے رسولؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہا ہے، اللھم وال من والاہ و عادن عاداہ ؟ کہا: ہاں ! جوان نے کہا: تو تم خدا کی قسم کھا کر کہو کہ تم نے ان کے دشمن سے دوستی اور اسکے ولی سے دشمنی کی ہے، پھر جوان وہاں سے چلا گیا، جوان کی یہ ضرب بہت کاری تھی،

مسلم نے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا: ابوتراب پر سب و شتم کرنے سے تمہیں کس چیز نے منع کیا ہے؟ کہا کیا تمہیں رسولؐ کے وہ تین ارشاد یاد نہیں ہیں جو آپؐ نے علیؑ کیلئے فرمائے ہیں؟ میں کبھی برا نہیں کہوں گا، اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے فرمایا ہوتا تو میرے لئے سرخ لونٹ سے بہتر ہوتا، میں نے رسولؐ کو علیؑ سے اس وقت فرماتے ہوئے سنا جب آپؐ نے کسی غزوہ میں جاتے وقت علیؑ کو اپنا خلیفہ بنایا تھا تو علیؑ نے عرض کی: اے اللہ کے رسولؐ کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کا خلیفہ بنا رہے ہیں؟ فرمایا: کیا تم اس سے راضی

۱۔ جنگ تبوک۔

ہنسیں ہو کہ تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے سوئی کیلئے ہارون تھے؟ ہاں میرے بعد کوئی بنی نہیں ہوگا، اور روزِ خیر یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: کل میں اس مرد کو علم دوں گا جو خدا اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے، خدا اور اس کا رسولؐ بھی اسے دوست رکھتے ہیں، اس سے جس بھی علم حاصل کرنے کی تمنا ہوگی لیکن رسولؐ نے فرمایا: علیؑ کو بلاؤ انھیں لایا گیا تو ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں رسولؐ نے ان کی آنکھوں میں حباب دہن لگایا اور انھیں علمِ رحمت کیا چنانچہ خدا نے انھیں فتحِ یاب کیا اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولؐ نے علیؑ کو فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور فرمایا: اے اللہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔

علیؑ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ رسولؐ نے آپؐ سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں، نیز فرمایا: جس کا میں مولا ہوں اس کے علیؑ مولا ہیں، احمد بن حنبل کہتے ہیں: جتنے فضائل اہم تک حضرت علیؑ کے پہنچے ہیں اتنے صحابہ میں سے کسی کے نہیں پہنچے ہیں، احمد نسائی اور نیشاپوری وغیرہ نے لکھا ہے کہ صحیح سند کے ذریعہ اتنے فضائل کسی کے نہیں آئے ہیں جتنے علیؑ کے آئے ہیں،

مسلم نے حضرت علیؑ سے روایت کی ہے: قسم اس ذات کی جس نے دانہ کو ٹوٹا دیا اور انسانوں کو خلق کیا ہے رسولؐ نے مجھ سے فرمایا تھا: تم سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا منافق ہی تم سے بغض رکھے گا آپؐ کے مناقب کے سلسلے میں نسائی نے کتاب الخصال تحریر کی ہے،

ابوہریرہ کی سیرت

عمر نے سیدھ میں ابوہریرہ کو بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا، پھر انھیں کچھ ایسی خبریں موصول ہوئیں جن سے ایک عادل حاکم کی امانت پر حرف آتا ہے لہذا خلیفہ نے انھیں معزول کر دیا

اور ان کی جگہ عثمان بن ابی العاص ثقیفی کو حاکم بنایا اور انھیں بلا کر کہا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ جب میں نے تمہیں بحرین کا حاکم مقرر کیا تھا اس وقت تمہارے پیروں میں جوتی بھی نہ تھی، پھر مجھے یہ خبر ملی کہ تم سولہ سو دینار کے گھوڑے خریدے ہو، کہنے لگے ہمارے پاس ایسی گھوڑیاں ہیں جو جنے کے قریب ہیں اور بخشی ملنے والی ہے، کیا میں نے تمہارے لئے تمہارے خرچ کا پیسہ مقرر کر دیا تھا یہ فضول خرچی ہے اسے ادا کرو، کہا: اس کا آپ کو اختیار نہیں ہے، عمر نے کہا: خدائی قسم میں تمہاری کمزری دودھ دوں کا پھر دودھ لیکر کھڑے ہوئے اور اتنا مادہ کہ بولہاں کر دیا اور کہا اسے واپس کرو! کہنے لگے میں نے حاصل کیا ہے، عمر نے کہا: کیا تم نے اسے حلال طریقہ سے حاصل کیا ہے اور صحیح راہ میں خرچ کیا ہے کیا بحرین کے دھو و دران کے علاقوں سے لوگ تمہارے پاس لائے ہیں نہ کہ اللہ کے لئے؟ اصل میں تیری ماں نے تجھے گدھے چرانے کیلئے جنا تھا،

دوسری روایت میں خود ابوہریرہ سے مروی ہے کہ عمر نے کہا: اے دشمن خدا اور اے دشمن قرآن تو نے مال خدا میں چوری کی ہے، تم نے دس ہزار کہاں سے جمع کئے تھے، ہم اسی پر اکتفا کر تے ہیں کہ اس میں پیغام ہے،

وفات ابوہریرہ

اسی سال کی غرمی ابوہریرہ نے اپنے عقیق کے محل میں انتقال کیا ان کی لاش مدینہ لائی گئی اور بقیع میں دفن کی گئی، ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے نماز جنازہ پڑھائی اس وقت وہ مدینہ کے اعزازی حاکم تھے، جب ولید نے اپنے چچا معاویہ کو لکھا کہ ابوہریرہ گیا تو معاویہ نے اس سے کہلویا کہ ان کے ترکہ کا خیال رکھو، ان کے وارثوں کو دس ہزار دہم ادا کرو اور ان کے ساتھ کسی سے بیش آؤ چنانچہ ابوہریرہ کی موت کے بعد بھی بنی امیہ ان کی مدد کرتے رہے،

جب تاریخ ابوہریرہ کی تحقیق میں ہم یہاں تک پہنچ گئے تو ابوہریرہ کے سلسلہ میں غظیم الشان